روداد عشق و وفا

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ○ القرآن

ٹوٹ گئی زنجیر

آپ بیتی

جبلِ استقامت

مولانا محمد اعظم طارق شہید

ناشر اشاعت المعارف

ریلوے روڈ فیصل آباد فون: 041-640024

روداد عشق و وفا کا حصہ دوم

المعروف

ٹوٹ گئی زنجیر

آپ بیتی

جرنیل سپاہ صحابہ مولانا محمد اعظم طارق






نام کتاب	....	رودادِ عشق ووفا (حصہ دوم)
	....	(المعروف ٹوٹ گئی زنجیر)
مصنف	....	حضرت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ
اشاعت ششم		ستمبر 2004ء
تعداد	....	1100
صفحات	....	448
قیمت	....	-/200 روپے
ناشر	....	اشاعت المعارف ریلوے روڈ فیصل آباد

ملنے کے پتے

قاری رحمت اللہ تونسوی جامع مسجد ابوبکر ؓ سوڈیوال نزد رہبر اڈہ بند روڈ-لاہور فون: 7410797

★ عبدالقادر اعوان' اعوان کریانہ سٹور مین بازار قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ

★ مکتبہ شہید اسلام لال مسجد اسلام آباد

★ منور حسین دیوبند اسلامی کیسٹ مرکز مسلم مارکیٹ کباڑی بازار پشاور

★ اسلامی کتب خانہ جامع مارکیٹ بلاک نمبر 1 پھولوں والی گلی سرگودھا

★ دفاع اسلام ریکارڈنگ سنٹر پرانا لاچی اڈہ مرغی منڈی کوہاٹ...... سرحد

★ بنوری اسلامک ریکارڈنگ سنٹر سلام کتب مارکیٹ دکان نمبر 4 بنوری ٹاؤن کراچی

★ مکتبہ محمودیہ شیراز پارک ڈاکخانہ نشاط آباد فیصل آباد فون 041-784525

★ قاری طاہر مسعود مسجد عائشہ صدیقہ محلہ سلامت پورہ بھلروان ضلع سرگودھا



انتساب

میں اپنی اس تالیف کا انتساب اپنے معصوم بچوں کے نام کرتا ہوں' جنہوں نے ہوش سنبھالنے کے بعد آج تک اپنے والد کو قاتلانہ حملوں میں زخمی ہوتے' حکمرانوں کے انتقام کا نشانہ بنتے' عقوبت خانوں میں تڑپتے اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلتے دیکھا ہے۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ ان کی زبان پر آج تک یہ حرف نہیں آیا کہ "ابو جی! آپ اس راہ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

بلکہ ان معصوم پھولوں سے جس نے بھی سوال کیا کہ تمہارے ابو جیل میں کیوں گئے ہیں؟ تو۔۔۔۔ انہوں نے ایک ہی بات کہی کہ ہمارے ابو دین کے لئے جیل کے مہمان بنے ہیں۔

اے اللہ! تو ان معصوم بچوں کے اس جواب کی لاج رکھ لینا اور مجھے آخر دم تک دین حق کی خدمت کے لئے قبول فرمانا اور ان بچوں کو بھی اپنے دین کی خدمت کا موقع مرحمت فرمانا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ٥ و تب علينا انك انت التواب الرحيم٥

تاثرات حضرت مولانا سید سلمان احمد شاہ عباسی مدظلہ !

مبسملا و محمدلا و مصلیا و مسلما

نور و ظلمت حق و باطل اور کفر و اسلام کی کشمکش از آدم تا ایں دم جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اور یہ کشمکش تا قیام قیامت جاری رہے گی' عشق ابراہیمی بمقابلہ آتش نمرود اسی سلسلۃ الذہب کی کڑی ہے۔ امام احمد بن حنبل امام ابن تیمیہ اور مجدد الف ثانی جیسی صاحب عزیمت و عظمت شخصیات اس راہ کے کٹھن منازل کے راہی و راہنما رہے ہیں آخری دور میں سید احمد شہید' شاہ اسماعیل شہید' حق نواز جھنگوی شہید' ایثار القاسمی شہید' اور ضیاء الرحمان فاروقی شہید' وغیرہ کی عزیمت و جواں مردی تاریخ کا نا قابل فراموش حصہ بن چکی ہے۔

بناء کروند خوش رسے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

فخر اہل سنت مجاہد عظیم' جرنیل سپاہ صحابہ مولانا محمد اعظم طارق (متعنا اللہ بطول بقاءہ) نے اس راہ میں قید و بند کی صعوبتیں اور پے بہ پے مصائب برداشت کرکے عزیمت و مردانگی کی جو داستان رقم کی ہے وہ اہل السنۃ والجماعۃ کیلئے باعث فخر و مباہات ہے۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اللہ کے اس شیر نے بارہا ظالم حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق کہنے کا فریضہ ادا کیا جس کی پاداش میں بارہا پابند سلاسل ہونا پڑا مگر اس مرد حق کی یہ ایک ہی آواز رہی۔

یہ کیا تو نے کہا ناصح نہ جانا کوئے جاناں میں
ہمیں تو رہ رووں میں کی ٹھوکریں کھانا مگر جانا

.........اور

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

مولانا اعظم طارق کی اس آپ بیتی کا مسودہ از اول تا آخر میری نظر سے گزرا' یہ مولانا کی جیتی جاگتی تحریر کا شگفتہ و نادر شاہکار ہے اس میں جہاں حکام کے ظلم و ستم' جیل کی زندگی کے تفصیلی حالات اور عزیمت و ہمت کی داستانیں رقم ہیں وہاں سپاہ صحابہ کی مفصل تاریخ بھی ہے' اس کتاب کے مطالعہ سے مولانا کی اولوالعزمی کا پتہ چلتا ہے۔ اور سپاہ صحابہ کی تحریک کو سمجھنے میں بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ بے نظیر اور نواز شریف اس کتاب کے مندرجات کی تردید کریں ورنہ چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔

فقط احقر الانام سید سلمان احمد عباسی

۲۶ ربیع الاول ۲۰ ھ

سچ کی پاداش میں زنداں ملا ہے خوش ہیں

''ٹوٹ گئی زنجیر'' جرنیل اہلسنت مولانا محمد اعظم طارق شہیدؒ کی خودنوشت آپ بیتی ''روداد عشق ووفا'' کی دوسری جلد ہے۔ جسے انہوں نے جیل کی کال کوٹھری میں بیٹھ کر تحریر کیا۔ یہ کتاب محض الفاظ وحروف کا طلسماتی اور تاثراتی مجموعہ ہی نہیں بلکہ اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حقانیت اور صداقت کو اپنے شعور کی پوری طاقت اور قلب وجگر کی ساری توانائیوں سے جریدہ عالم پر ثبت کرنے والے مرد آہن کی وہ تحریر ہے جو ایک ملت کا محضر نامہ ہے اور ایک قوم کا المیہ ہے۔ جو قوم اکثریت کے تمام ظاہری اعداد رکھنے کے باوجود ''جمہوریت'' کا شکار ہے۔

اس داستان عشق کو چھٹی دفعہ شائع کرنے کی سعادت ''اشاعت المعارف'' کے حصہ میں آئی ہے۔ بہت عرصہ سے قارئین کا یہ اصرار تھا کہ اس کو ''اشاعت المعارف'' نئے انداز میں بڑے اہتمام اور تزئین وآرائش کے ساتھ شائع کرے۔ ہم نے اس ایڈیشن میں اپنے محبوب قارئین کی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ کی زندگی کی آخری اور شہرہ آفاق کتاب ''پھر وہی قید قفس'' کو اگر اس کتاب کا پہلا حصہ سمجھ لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیوں کہ یہ دونوں حضرات پابند سلاسل تھے اور دونوں نے اپنی داستان کو نقل کیا۔ حضرت فاروقی شہیدؒ کی داستان وفا ''پھر وہی قید قفس'' کی آخری تحریر پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ یہ ایک نئی داستاں ہے جو کہ اس

کتاب ''ٹوٹ گئی زنجیر'' کے صفحہ اول سے شروع ہوتی ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ حضرت فاروقی شہیدؒ کی ''پھر وہی قید قفس'' اس کتاب کی پہلی جلد ہے۔ یہ کتاب مولانا حسرتؒ موہانی کی داستان افرنگ سے کسی صورت کم نہیں ہے' اس کتاب کے مطالعہ سے اتنی جھلک آپ کے سامنے ضرور آ جائے گی کہ قافلہ حق وصداقت کے ساتھ اس اسلامی مملکت میں کیا گزر رہی ہے۔

مرد آہن مولانا محمد اعظمؒ طارق شہید کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ اس تسبیح کا دانہ تھے جو چودہ صدیاں قبل حق وصداقت کے دھاگے میں پروئی گئی تھی' اس نے حالات کی رو میں بہنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور یہی اس کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل تھی۔

وہ مرد قلندر فیصلہ کر چکا تھا کہ ہم اسلام اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اس انداز میں کریں گے کہ نہ کسی منافق کو اسلام کے نام پر شریعت مطہرہ کا چہرہ مسخ کرنے دیں گے اور نہ ہی کسی دشمن قوت کو عمارت اسلام کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے کی اجازت ہوگی۔ اس جرم کی پاداش میں اس کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا اور سالہا سال کے لئے کال کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ بلاآخر پاکستان کی امن وسلامتی کی سب سے بڑی آماجگاہ پارلیمنٹ ہاؤس کی طرف جاتے ہوئے اسے خون میں نہلا دیا گیا۔

سچ کی پاداش میں زنداں ملا ہے خوش ہیں
ہم سے پوجے نہ گئے کذب کے سورج چڑھتے
اپنی تاریخ کے ہیں باب انوکھے طارق
چونک اٹھیں گے کبھی تو لوگ پڑھتے پڑھتے

انجینئر طاہر محمود

چشمِ نم ' جان شوریدہ کافی نہیں

تہمت عشق' پوشیدہ کافی نہیں

آج بازار میں پابجولاں چلو

دست افشاں چلو' مست و رقصاں چلو

خاک برسر چلو' خوں بداماں چلو

راہ تکتا ہے سب شہر جاناں چلو

حاکم شہر بھی' مجمع عام بھی

تیر الزام بھی' سنگ دشنام بھی

ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے؟

شہر جاناں میں اب باصفا کون ہے؟

دست قاتل کے شایاں رہا کون ہے؟

رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو

پھر ہمیں قتل ہو آئیں یارو چلو

فیض احمد فیض



آئینہ مضامین

نقش آغاز

سو پیکاں تھے پیوست گلو جب چھیڑی شوق کی لے ہم نے
سو تیر ترازو تھے دل میں جب ہم نے رقص کا آغاز کیا

ویسے تو سپاہ صحابہ کو اول روز سے ہی آگ و خون' قید و بند' مقدمات و الزامات' طرح طرح کی آزمائشوں اور امتحانات کی راہوں سے گزرنا پڑ رہا ہے' لیکن موجودہ دور کے حکمرانوں نے ایران کی خوشنودی کے حصول اور اپنی متعصبانہ و انتقامی ذہنیت سے مجبور ہو کر قانون و انصاف کے تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے ریاستی جبر و تشدد ماورائے عدالت قتل و غارت گری' عدالتوں سے من پسند فیصلے کرانے اور مخالفین پر عرصہ حیات تنگ کرنے کا جو انداز اختیار کر رکھا ہے اس کی مثال کم از کم پاکستان کی پچاس سالہ تاریخ میں تو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو گا کہ منتخب ارکان اسمبلی کو سالہا سال ١٦ ایم پی او جیسے معمولی نوعیت کے مقدمات میں ملوث کرکے نہ صرف عوام کی نمائندگی سے محروم رکھا جا رہا ہے بلکہ عقوبت خانوں اور زندانوں میں ڈال کر ایسی ایسی پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں کہ جو کسی غدار وطن اور سنگین سے سنگین جرم میں ملوث مجرم کے لئے بھی نہیں ہیں۔

بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آئین و قانون کا مذاق اڑا کر' عدالتوں کو بازیچہ اطفال بنانے اور پولیس و انتظامیہ کے اہلکاروں کو قاتل و دہشت گرد بنا کر عوام پر مسلط کرنے کے انداز کو "خدمت عوام" کا نام دینے کی کوششیں جاری ہیں...... مگر.......

قابل صد تحسین ہیں وہ نوجوان وہ بچے اور عمر رسیدہ حضرات جو پاؤں میں بیڑیاں پہن کر ہاتھوں میں ہتھکڑیاں سجا کر چوبیس گھنٹے کال کوٹھڑیوں میں بند رہ کر بھی نہ اپنے مشن سے دست بردار ہونے کو تیار ہو رہے ہیں اور نہ ہی حکمرانوں کی کسی پیشکش کو قبول کرکے رہائی پانے پر آمادہ ہیں۔

وطن عزیز کی جیلیں اس وقت سپاہ صحابہ کے ان سینکڑوں کارکنوں سے

بھری پڑی ہیں جن کا جرم سوائے "نعرہ حق" بلند کرنے کے اور کچھ نہیں ہے اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جس "کلمہ حق" کے کہنے کے باعث وہ ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے ہیں وہی "کلمہ حق" آج وطن عزیز کی جیلوں کی تاریک کوٹھڑیوں سے صبح و شام بلند ہو رہا ہے۔

میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آج سپاہ صحابہ کی قیادت و کارکن اپنے خون اور قربانیوں سے جو تاریخ رقم کر رہے ہیں مستقبل کا مؤرخ جب اسے قلم بند کرے گا تو حیرت و تعجب کی وادیوں میں کھو کر رہ جائے گا وہ اپنا قلم ہونٹوں پر رکھ کر گھنٹوں سوچتا رہے گا کہ آخر یہ لوگ کس مٹی کے بنے ہوئے انسان تھے کہ جن سے ان کا نظریہ اور نصب العین چھیننے کے لئے ظلم کا ہر ہر حربہ استعمال کیا گیا' جبر و تشدد کی گھناؤنی اور خوفناک شکلیں ان کے سامنے لائی گئیں' کہیں گھنٹوں گھنٹوں انہیں الٹا لٹکایا گیا' ان کے جسم کے نازک حصوں پر بجلی کی ننگی تاروں سے جھٹکے لگائے گئے' جسم پر رولر پھیرے گئے' ٹھنڈے پانی میں غوطے دیئے گئے' کئی کئی روز تک کھڑا رکھ کر جگایا گیا اور تشدد سے ہونے والے زخموں پر مرچوں اور نمک کا چھڑکاؤ کیا گیا۔ پھر ظلم بالائے ظلم یہ کہ پولیس کے مسلح جوانوں نے انہیں سامنے کھڑا کر کے گولیوں سے بھون دیا اور نعشوں کو مسخ کرنے کے لئے چہروں پر گولیوں کے برسٹ مارے۔

شہید ہونے والے جوانوں کے منہ پر بوٹ رکھ کر انہیں مسلا گیا۔ اس ظلم عظیم کے باوجود بھی کوئی ایک نوجوان نہ اپنے مشن سے منحرف ہوا اور نہ ہی حکمرانوں کا آلہ کار بن کر جماعت سے غداری کا مرتکب ہوا۔

اس وقت آپ کے ہاتھ میں جو کتاب ہے اگرچہ یہ داستان ظلم ہے صرف اس ایک شخص کی جسے حکومت وقت منتخب رکن اسمبلی ہونے کے باوجود بھی جی بھر کر اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے لیکن اس سے اس کا مؤقف چھیننے میں خود کو بے بس محسوس کرتی ہے............ اس کتاب سے اتنی جھلک آپ کے سامنے ضرور آجائے گی کہ قافلہ حق کے ساتھ اس اسلامی مملکت میں کیا گزر رہی ہے ہمارا قصور اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ ہم اسلام اور شریعت محمدی

ﷺ کا دفاع اس انداز میں کریں گے کہ نہ کسی منافق کو اسلام کے نام پر شریعت مطہرہ کا چہرہ مسخ کرنے دیں گے اور نہ ہی کسی دشمن قوت کو عمارت اسلام کی طرف بری نگاہ سے دیکھنے کی اجازت دیں گے۔ ہم اللہ کی توحید حضور علیہ السلام کی ختم نبوت قرآن کریم کی عصمت' خلفاء راشدین' اہل بیت رسول اور اصحاب رسول کی عزت و حرمت کا پاس و لحاظ نہ کرنے والوں کو چوکوں' چوراہوں' محراب و منبر' ایوانوں اور میدانوں میں کافر و مرتد' زندیق و بے ایمان قرار دیتے رہیں گے تاکہ بھولے بھالے مسلمان ان کے دام فریب سے محفوظ رہیں۔ ہم رفض و قادیانیت سبائیت و خارجیت کے بھیانک عزائم خاک میں ملاتے رہیں گے۔ اور اس راہ میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد نہ خود ستائی ہے اور نہ ہی اپنے بارے میں کسی عظمت و شرافت کا تاثر عوام کے ذہنوں میں پیدا کرنا ہے بلکہ اس کا صرف اور صرف مقصد یہ ہے کہ دنیا ہمارے مشن سے آگاہ ہو اور اس کی صداقت و حقانیت کو جانچ کر خود انہی راہوں پر گامزن ہونے کا عزم مصمم کرے۔ اگر ایک شخص بھی حقیقت آشنا ہو کر اس میدان میں اتر آیا تو نہ صرف میری نجات کا ذریعہ ہو گا بلکہ میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنا مقصد پالیا ہے۔

آخر میں میں اپنے مخدوم و مکرم حضرت مولانا سید سلمان احمد شاہ صاحب عباسی (آف ٹوبہ ٹیک سنگھ) کا شکرگزار ہوں کہ انہوں نے غایت شفقت کا اظہار فرماتے ہوئے میری اس کتاب کے مسودہ کو شروع سے آخر تک پڑھا اور اپنے مشوروں اور اصلاحات سے نوازا۔ عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی بھی میری طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں' جنہوں نے کتاب کی اشاعت اور طباعت کے تمام امور نہایت محنت سے سرانجام دیئے۔

محمد اعظم طارق

۶ جولائی ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۰

رات ۹ بجے ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد



چیچہ وطنی سے سمندری اور جھنگ کا سفر پھر لاہور واپسی

میرے قائد فاروقی شہید جامعہ محمودیہ جھنگ میں ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہو چکے، میری والدہ میرا راستہ تکتے تکتے دنیا سے منہ موڑ گئیں۔ میں اپنے وجود پر ۱۰۰ سے زائد زخم سجا کر والدہ کی آخری زیارت کے لئے پیرول پر رہا ہو کر اپنے آبائی گاؤں پہنچا اور ان کی نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی۔ اپنے گاؤں میں دو روز قیام کے بعد پھر ایمبولینس کے ذریعے سمندری پہنچا۔ جہاں اپنے قائد کی والدہ محترمہ کی قدم بوسی کی، ان کے دست مبارک کا سر پر آنا تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری اپنی امی کی محبت و خلوص کا ہاتھ میرے سر پر موجود ہے۔ میں پھر بے خود ہو کر رونے لگا۔ کیونکہ طبیعت زخمی اور نحیف ہونے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں سے بڑے صدمات اٹھانے کے باعث اب اس نوبت کو پہنچ چکی تھی کہ جب بھی کوئی شخص حضرت فاروقی کا نام لیتا تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی۔ یہ صورت حال چوہنگ سینٹر تک برقرار رہی۔ وہاں جب حکومتی جلادوں سے واسطہ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے وہ حوصلہ دے دیا کہ پھر نہ آنکھوں میں آنسو رہے نہ طبیعت میں کمزوری۔

سمندری سے گوجرہ کے راستے جھنگ جامعہ محمودیہ پہنچے۔ جہاں ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے میری پٹیاں اتاریں اور زخم دیکھے تو حیران ہو کر بولے "زخموں سے سارا جسم

چور چور رہے لیکن آپ اس حالت میں سفر کر رہے ہیں۔ ہم تو حیران ہیں کہ آپ کس طرح زندہ ہیں اور آپ ہیں کہ ان زخموں کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں۔" میں نے کہا میں کیا کروں اگر میں زخموں کا خیال کرتا تو اپنی پیاری والدہ کا چہرہ بھی نہ دیکھ سکتا اور جنازہ میں شریک بھی نہ ہو سکتا۔ اب یہ سارے کام کر لیئے ہیں۔ آئندہ آپ کی بات پر عمل ہو گا۔ ڈاکٹروں نے بتایا چونکہ آپ کے زخموں میں بموں کے ٹکڑے موجود ہیں۔ اس لئے فوری ان کا بڑا اپریشن کرانا ہو گا۔ ابھی تو آپ نے تازہ تازہ حالت میں سفر کر لیا ہے لیکن اپریشن کے بعد آپ کو احساس ہو گا کہ آپ کس قدر گھائل ہو چکے ہیں۔ میں نے کہا اللہ مالک ہے۔ انشاء اللہ آئندہ بھی خیر ہو گی۔

اگلے روز صبح ہی لاہور پولیس کی گاڑیاں مجھے لینے پہنچ گئیں اور مجسٹریٹ نے پیغام دیا کہ آپ کے پیرول پر رہائی کے تین دن گذشتہ روز پورے ہو چکے ہیں۔ اب لاہور چلیں۔ علاج وہیں ہو گا۔ چنانچہ ۲۲ جنوری بدھ کی صبح ایمبولینس میں سوار ہو کر لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔

سروسز ہسپتال لاہور میں آپریشن اور ٹانگ کٹوانے سے انکار:۔

دوپہر کے وقت پولیس گاڑیوں کے ہمراہ ایمبولینس میں سوار سروسز ہسپتال پہنچا۔ جہاں نگران صوبائی حکومت نے میرے لئے الگ سے حفاظتی انتظامات کر رکھے تھے اور علیحدہ کمرہ تیار تھا۔ ٹیلی فون سننے کی سہولت میسر تھی۔ جس کے باعث اندرون اور بیرون ملک سے خیریت دریافت کرنے والوں کے سینکڑوں فون آ رہے تھے۔ انہی ایام میں میں نے امریکہ کے ساتھیوں کی فرمائش پر فون پر خطاب کیا اور جھنگ کی الیکشن کمپین کا بھی فون کے ذریعے حال واحوال معلوم کرتا اور ہدایات دیتا رہا۔

۲۷۔ جنوری پیر کے دن ڈاکٹروں کے ایک بورڈ نے میرے تمام زخموں کا تین گھنٹے

تک اپریشن کیا اور بم کے ٹکڑے جسم سے باہر نکالے۔ زخمی حالت میں سفر کرنے کے باعث کئی زخم اندر سے سخت خراب ہو چکے تھے اور دائیں ٹانگ مکمل طور پر مفلوج ہو چکی تھی۔ پہلے روز تو ڈاکٹروں نے میو ہسپتال میں ٹانگ کاٹنے کا مشورہ دیا تھا لیکن میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ مجھے مرجانا قبول ہے مگر ٹانگیں نہیں کٹواؤں گا۔ میرے گھر والوں تک کو بتا دیا گیا کہ مولانا کی ٹانگیں کاٹنا پڑیں گی۔ انہوں نے بھی اس بات کو قبول کر لیا کہ زندگی بچ جائے ٹانگ کٹتی ہے تو کٹ جائے۔ میری اہلیہ نے ایک روز بتایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی کہ "یا اللہ اول تو مولانا کو پہلے کی طرح صحت یاب کر دے ورنہ پھر اگر ان کی ٹانگ بھی کٹ جائے تو توانہیں زندگی دے دینا تاکہ ان کا سایہ ہم پر سلامت رہے۔

میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تم تو مجھے لولہ لنگڑا قبول کرنے کو تیار تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح سالم ہی واپس کر دیا۔

دراصل مجھے کچھ بشارات کے باعث یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میری ضرور حفاظت فرمائے گی۔ اس لئے میں نے ڈاکٹروں سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم ٹانگ کی بات کرتے ہو میں ایک انگلی بھی نہیں کٹواؤں گا اور تم دیکھ لو گے میں بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔

سروسز ہسپتال میں اپریشن کے بعد زخموں پر پٹیاں لگا کر مجھے واپس روم نمبر ۲ میں بھیج دیا گیا۔ دوسرے روز جب ڈسپنسروں اور ڈاکٹروں نے میری پٹیاں تبدیل کرنے کے لئے زخموں سے پٹیاں ہٹائیں تو موقع پر موجود میرے سیکرٹری راشد محمود فاروقی کا دل ڈوبنے لگ گیا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ ادھر ڈاکٹر حضرات قصاب کی طرح پٹیاں کھولنے اور زخموں پر ہائیڈروجن لگانے میں مصروف تھے۔ مجھے شدید تکلیف ہو رہی تھی لیکن میں نے سخت ضبط سے کام لے رکھا تھا تاکہ ساتھی مزید پریشان نہ ہو جائیں۔

ڈاکٹروں کے جانے کے بعد میں نے راشد محمود اور دوسرے ساتھیوں سے پوچھا تم کیوں پریشان تھے؟ انہوں نے کہا آپ نے اپنے زخم دیکھے نہیں ہیں۔ ہم نے اتنے بڑے

بڑے زخم دیکھے تو ہم برداشت نہیں کر سکے۔ آپ کا تو سینہ سمیت سارا وجود اس طرح زخمی ہے جیسے میدان جنگ میں دشمن نے نیزوں اور تلواروں سے کسی کو چھید رکھا ہو۔ اس اپریشن کے بعد دن بدن کمزوری حد سے بڑھتی گئی کیونکہ خون بڑی مقدار میں نکل چکا تھا۔ ادھر زخموں کے اکڑاؤ کے باعث بخار ہر لمحہ طاری رہتا تھا۔ رہی سہی کسر بے رحم ڈاکٹر اور ڈسپنسر نکال دیتے جو روزانہ پٹیاں بدلنے اور دو دو گھنٹے تک مجھے ذبح کرتے رہتے۔

ڈاکٹروں کا بھیانک سلوک:۔

ایک روز میں نے اپنی پٹی تبدیل کرنے والے ڈسپنسر سے پوچھ ہی لیا کہ کیا اتنے جدید دور میں ایسی ادویات نہیں بنی ہیں جنہیں زخم صاف کرنے کے لئے لگایا جائے تو تکلیف نہ ہو۔ اس نے جواب دیا بالکل ہیں۔ میں نے پوچھا پھر مجھے روزانہ کس جرم کی پاداش میں اتنے تکلیف دہ مراحل سے گذارا جاتا ہے۔ میری حالت تو یہ ہے کہ صبح جب پٹیاں بدلنے کا وقت آتا ہے تو مجھے بخار چڑھ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب مجھے ذبح کیا جائے گا۔ اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "شاید آپ نے ڈاکٹروں کا مقولہ نہیں سنا کہ جب تک سوئی نہیں چبھوئیں گے تو مریض پیسے کیسے دے گا۔

تب میں نے ڈسپنسر ہی کی حوصلہ افزائی پہلے سے کہیں زیادہ کرنا شروع کر دی۔ جس کے نتیجے میں اس نے ہمیں ایسی ادویات لانے کو کہا جن کے استعمال سے تکلیف کم ہوتی تھی اور فائدہ زیادہ۔

راشد محمود اور ڈاکٹر محمد الیاس کی بے مثال قربانی:۔

زخمی ہونے کی صورت میں جب مجھ سے بیڈ پر کروٹ بھی نہیں بدلی جا سکتی تھی۔ اس وقت دن رات میری خدمت پر حاضر باش رہ کر میرے زخموں کی دیکھ بھال، ادویات

کا استعمال، خصوصاً کھانے کی تیاری، حوائج ضروریہ سے فراغت وغیرہ کے امور جس طرح میرے سیکرٹری راشد محمود نے سرانجام دیئے۔ میرا دل آج بھی اس کے لئے دعاگو ہے۔ اسی طرح شاہ پور سرگودھا میں قاتلانہ حملے میں شہید ہونے والے میرے رفیق سفر اور سرکاری گن مین حاجی امتیاز حسین کے بھائی ڈاکٹر الیاس صاحب نے میرے علاج معالجہ میں لاہور جھنگ اور گھر پر زیر علاج رہنے کے ایام میں دن رات جس طرح میرا خیال رکھا۔ میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔ اس موقع پر خدمت کرنے والے اور بھی بہت سے ساتھی ہیں۔ میں سب کا ممنون و مشکور ہوں مگر ان دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرنا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا میرے ضمیر کی آواز کا تقاضا ہے۔

الیکشن کے لئے پیرول پر رہائی اور جھنگ میں عظیم الشان استقبال:۔

۱۸ جنوری کو بم دھماکہ سے لگنے والے اسی (۸۰) سے زائد زخموں کا دوسری مرتبہ ہونے والے ۲۷ جنوری کے آپریشن کے بعد طبیعت حد درجہ نقاہت و کمزوری کا شکار ہو چکی تھی۔ اٹھ کر بیٹھنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ تیمم کر کے بیڈ کو سر کی جانب سے اونچا کر کے نمازوں کی ادائیگی کا سلسلہ اول روز سے ہی جاری تھا اور وظائف و معمولات کی ادائیگی بھی بحمد اللہ پابندی سے ہو رہی تھی۔ ادھر جھنگ سے الیکشن کمیٹی کے احباب کا تقاضا بڑھتا جا رہا تھا کہ الیکشن مہم کے آخری جلسہ میں شرکت ضرور کریں۔ ادھر ڈاکٹر حضرات کسی صورت بھی سفر کی اجازت دینے کو تیار نہ تھے۔ جبکہ خود مجھے بھی اب اس حالت میں سفر کرنے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن ساتھیوں کے اصرار پر ایک مرتبہ پھر میں نے کمر ہمت باندھ لی اور اعلان کر دیا کہ میں جھنگ جاؤں گا۔ بقول شاعر

ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں
جی . خوش ہوا راہ کو پرخار دیکھ کر

ادھر قتل کے آخری مقدمہ سے بھی ہائی کورٹ نے ضمانت لے کر فارغ کر دیا تھا۔ اب صرف تقاریر کے مقدمات باقی تھے۔ اس لئے صوبائی انتظامیہ نے بھی رکاوٹ نہ ڈالی۔ لیکن حکام کا اصرار تھا کہ آپ سفر کا فیصلہ کر کے سفر کا فیصلہ کر کے بہت بڑا رسک لے رہے ہیں۔ آپ کی صحت کا مسئلہ بھی ہے اور دشمنوں کی طرف سے جان کا خطرہ بھی، لیکن میں اپنے فیصلے پر قائم رہا اور اپنے تیماردار دوستوں کے ہمراہ ۳۱ جنوری اور یکم فروری کی درمیانی رات تین بجے سروسز ہسپتال سے فیصل آباد روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ کی خدمت میں حاضری دی۔ مجھے کرسی پر بٹھا کر احباب کرسی اٹھا کر حضرت کے گھر لے گئے جہاں الیکشن کی صورت حال پر بات چیت ہوئی۔ اس سفر سے مجھے سخت تکلیف شروع ہو چکی تھی اور درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں مگر میں اس کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ ڈاکٹر الیاس صاحب وقفہ وقفہ سے انجیکشن لگا رہے تھے۔ ادھر جھنگ کے عوام استقبال کے لئے فیصل آباد روڈ پر گاڑیاں موٹر سائیکلیں، ٹریکٹر، ویگنیں لے کر فیصل آباد ایئرپورٹ تک پہنچ گئے تھے چنانچہ ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور جب جھنگ روڈ پر پہنچے تو لوگ دیوانہ وار ایمبولینس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ میں بیڈ پر لیٹا ہوا ہاتھ کے اشاروں سے لوگوں کے سلام کا جواب دے رہا تھا یہ عوام کی محبت اور جذبات ہی تھے کہ میں گھنٹوں ان کے سلام کا جواب اشاروں سے دیتا رہا ورنہ میں اس قابل نہ تھا۔ میری حالت بہت ہی زیادہ قابل رحم تھی۔

چار پانچ گھنٹے مسلسل سفر کے بعد یہ جلوس، (ضیاء الحق سٹیڈیم) کمیٹی گراؤنڈ جھنگ پہنچا، جہاں ہزاروں انسان میری ایک جھلک دیکھنے اور آواز سننے کو تڑپ رہے تھے۔ ایمبولینس اسٹیج کے متصل کھڑی کر کے گاڑی سے بیڈ نکال کر اسٹیج پر رکھ دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں نے والہانہ انداز میں نعرے بلند کیے میں نے جواب میں ہاتھ ہلا کر ان کا خیر مقدم کیا۔

پھر یوسف مجاہد صاحب کے خطاب اور طاہر جھنگوی صاحب کی نظم کے بعد مائیک

میرے قریب کر دیا گیا۔

میں نے نہایت نحیف و کمزور آواز میں خطاب کیا اور جھنگ کے عوام کو الیکشن کے بارے میں ہدایات دیں۔ انہیں بتایا کہ "میرے جسم کا کوئی حصہ اللہ کے فضل اور آپ کی دعا سے مفلوج نہیں ہے میں کل بھی دشمن کے خلاف میدان میں تھا اور آج بھی میدان میں ہوں۔ جب تک ہم اپنے مشن کی تکمیل نہیں کر لیتے ہماری جدوجہد جاری رہے گی" میرے ایک ایک لفظ پر لوگ دھاڑیں مار کر روتے بھی جاتے تھے اور ہر قربانی دینے کا عزم بھی کر رہے تھے۔ اس استقبال اور انتخابی جلسہ سے جھنگ کی سیاست کا رخ بدل گیا۔ اگلے روز تمام قومی اخبارات نے اس استقبال اور جلسہ کے بارے میں لکھا کہ جھنگ میں ریفرنڈم ہو چکا ہے اور ۳ فروری سے قبل ہی جھنگ کے عوام نے فیصلہ مولانا محمد اعظم طارق کے حق میں دے دیا ہے"۔ اسی روز جامعہ محمودیہ سے ٹیلی فون پر جھنگ سٹی کے جلسہ سے بھی خطاب کیا۔ جس سے عوام میں مزید جوش و جذبہ پیدا ہو گیا۔ لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور الیکشن کی گہما گہمی میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

B.B.C اور وائس آف امریکہ کی ٹیموں کی پیشگی مبارک باد اور الیکشن کے حیرت انگیز نتائج:۔

جامعہ محمودیہ سے جھنگ سٹی کے جلسہ پر ٹیلیفونک خطاب کے بعد مجھے ملک محمد اقبال صاحب کے گھر شفٹ کر دیا گیا اور ۳ فروری کو الیکشن کے دن جھنگ کے عوام جوق در جوق ووٹ ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔ میری گاڑی پر ایک جائزہ کمیٹی حلقہ کے دورہ پر موبائل فون کے ہمراہ روانہ ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے حوصلہ افزاء خبریں آ رہی تھیں۔ جائزہ کمیٹی نے بتایا کہ شہر میں تو ووٹ بہت زیادہ کاسٹ ہو رہے ہیں۔ دیہاتی حلقہ میں بھی مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی نیز آزاد صوبائی امیدواران کے ووٹر قومی اسمبلی کے لئے ووٹ سپاہ صحابہؓ کو

دے رہے ہیں۔ شام چار بجے کے قریب B.B.C اور وائس آف امریکہ کی مطالعاتی ٹیموں نے ملاقات کی اور بتایا کہ آپ پندرہ سے بیس ہزار ووٹ کی لیڈ سے جیت رہے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا شہر میں آپ کے ووٹ کی کاسٹنگ بہت زیادہ ہے۔ اور دیہاتوں میں ووٹ کاسٹنگ کی شرح کم ہے جس کا فائدہ آپ کو ہوگا۔ شام تک ساتھی اپنے اپنے حلقوں کا دورہ کر کے لوٹے تو بڑے خوش تھے۔ ظہر کے بعد کچھ ساتھیوں نے ووٹ کی کاسٹنگ کو مزید بڑھانے کا یہ طریقہ بھی اختیار کیا تھا کہ برادرم مولانا محمد عالم طارق کو ایمبولینس میں لٹا کر شہر کا چکر لگایا جس سے لوگ یہ سمجھ کر کہ مولانا اعظم طارق پولنگ اسٹیشن پر پہنچ گئے ہیں دیوانہ وار پولنگ اسٹیشنوں پر پہنچنے لگے۔ ایمبولینس والے تھوڑی دیر وہاں رکتے اور لوگوں سے یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل پڑتے کہ آپ لوگ جلد سے جلد ووٹ کاسٹ کریں وقت کم ہے۔ یہی مولانا کا حکم ہے۔ لوگ فوراً لمبی قطاروں میں لگ کر ووٹ کاسٹ کرنے لگے جاتے تھے، شام تک یہی کیفیت رہی۔

مغرب کے بعد الیکشن کے نتائج آنا شروع ہوئے تو بعض شہری حلقوں کے نتائج حوصلہ افزاء نہیں تھے۔ جبکہ کئی حلقوں کے نتائج پچھلے الیکشنوں سے بھی اچھے تھے۔ ہم حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لوگ مرکز سپاہ صحابہؓ میں جمع ہو کر مطالبہ کرنے لگے کہ یوسف مجاہد صاحب حسب سابق الیکشن کے نتائج کا سپیکر پر اعلان کریں۔ مجاہد صاحب نے شہر سے آمدہ نتائج کا اعلان کر کے بتایا کہ اس وقت تک ہم پانچ ہزار ووٹوں سے جیت رہے ہیں اس وقت تک شہر کے تمام حلقوں سے ہماری کامیابی کا رزلٹ تو آ رہا تھا لیکن "حسب سابق" نہیں تھا۔ ادھر اس وقت ہمارے ساتھیوں نے مسلم لیگ کے امیدوار نواب امان اللہ کے گھر فون کر کے الیکشن کا نتیجہ معلوم کیا تو پتہ چلا کہ "نواب صاحب سترہ ہزار ووٹوں سے جیت رہے ہیں" ہم حیران تھے کہ ابھی تک تو کل سترہ ہزار ووٹوں کا رزلٹ بھی نہیں آیا ہے یہ لوگ سترہ ہزار ووٹوں کی لیڈ سے جیتنے کا کیسے اعلان کر رہے ہیں۔ رات گئے تک

صورت حال یہ تھی کہ جن دیہات کے بارے میں اطلاعات ملی تھیں کہ وہاں ووٹ ڈالنے کے لئے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی۔ وہاں سے فریق مخالف کے سینکڑوں اور ہمارے نہایت ہی کم ووٹ برآمد ہو رہے تھے۔ میں نے اس وقت کہا یہ کوئی بہت بڑی پلاننگ پر مبنی سازش ہے۔ جو نتائج آرہے ہیں یہ ووٹوں کے نہیں بلکہ کسی اور "کرشمہ" کا نتیجہ ہیں۔

چنانچہ آدھی رات تک سامنے آنے والے نتیجہ میں ہم شہری صوبائی سیٹ بھی ہار گئے جبکہ قومی اسمبلی کی سیٹ پندرہ ہزار ووٹوں سے ہاری جاچکی تھی۔ دنیا بھر سے فون پر لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ وہ الیکشن کا نتیجہ معلوم کرنے کے خواہاں تھے۔ ساتھی پریشانی کی حالت میں بتانے سے گریزاں تھے۔ آخر میں نے فون اپنے پاس منگوا کر ساری رات خود کارکنوں اور احباب کے فون سنے اور جواب دینے کا سلسلہ جاری رکھا اور کارکنوں کو حوصلہ دیتا رہا۔ کیونکہ دونوں سیٹوں پر شکست کی خبر ہر شخص کے لئے انہونی تھی اور اس کی برداشت سے یہ بات باہر تھی۔ لیکن میں سب سے یہ کہتا کہ اس میں بھی اللہ کی طرف سے کوئی بہتری ہو گی۔ سیٹیں آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ جب میں آپ لوگوں کے درمیان زندہ و سلامت ہوں تو پھر سیٹوں کی کیا حیثیت ہے؟ فون پر ساتھی میری آواز سن کر ہی خوش ہو جاتے تھے۔ پھر میری طرف سے تسلی کے الفاظ ان کے زخموں پر مرہم بن جاتے تھے۔

کیا الیکشن میں دھاندلی ہوئی؟

الیکشن ۹۷ء کے رزلٹ کے بارے میں صرف اندرون ملک ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں حیرت کا اظہار کیا گیا اس پر طرہ یہ کہ خود جیتنے والی جماعت مسلم لیگ کے لیڈر اور ممبران بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ الیکشن کے نتائج غیر متوقع ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا عوامی سوچ اور جذبات کا قریب سے تجزیہ کرنے والی تمام ایجنسیوں، تنظیموں اور سیاسی صورت حال

پر گہری نظر رکھنے والی تحقیقاتی ٹیموں کو غلط فہمی ہوئی ہے یا معاملہ واقعی گڑبڑ ہے۔ اس پر اپنا موقف واضح کرنے کے لئے سب سے پہلے میں دھاندلی کی مختلف صورتیں بیان کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ اس الیکشن میں کیا صورت اختیار کی گئی۔

پہلی صورت:۔ یہ ہے کہ الیکشن کے عملے، خفیہ بااختیار ایجنسیوں اور پولیس یا فوج کے ذریعہ سے دھاندلی کرائی جائے۔ اس کے تین طریقے ہیں۔

(ا) قومی اسمبلی کے ڈیڑھ سو سے دو سو کے درمیان پولنگ اسٹیشنوں میں سے صرف پچاس پولنگ اسٹیشنوں پر عوام کے ووٹوں سے بھرا ایک بیلٹ بکس اٹھالیا جائے خاص امیدوار کے حق میں ووٹوں کا ایک بیلٹ بکس رکھ دیا جائے۔ اس سے ہر پولنگ اسٹیشن پر مخالف امیدوار کو اڑھائی سے تین سو کے درمیان ووٹوں کا نقصان ہوگا۔ اور مخصوص امیدوار کے تین صد ووٹ بڑھ جائیں گے۔

صرف پچاس پولنگ اسٹیشنوں پر اس طریقے سے مخالف امیدوار کے پندرہ ہزار ووٹ کم ہو جائیں گے اور مخصوص امیدوار کے پندرہ ہزار ووٹ بڑھ جائیں گے یعنی اگر دو امیدواروں کو علاقہ میں پچاس پچاس ہزار ووٹ ملے ہوں۔ تو ایک امیدوار کے ووٹ ۳۵ ہزار رہ جائیں گے اور دوسرا امیدوار ۶۵ ہزار ووٹ لے جائے گا۔ اگر یہ کھیل صرف ۲۵ پولنگ اسٹیشنوں پر ہی کھیلا جائے تو مخالف امیدوار کے ووٹ ۴۳ ہزار رہ جائیں گے۔ اور مخصوص امیدار کے ووٹ ۵۷ ہزار تک پہنچ جائیں گے۔ اگر بیلٹ بکس میں صرف اڑھائی صد ووٹ بھی ہوں تو پچاس پولنگ۔ اسٹیشنوں پر یہی نتیجہ نکلے گا جو پچیس پولنگ اسٹیشنوں پر فی بیلٹ بکس سے نکلتا ہے۔

پاکستان کے حالیہ الیکشن ۹۷ء میں ملک کے نامور دینی وسیاسی رہنما اسی طرز دھاندلی کو اختیار کرنے کا الزام حساس اداروں پر لگا چکے ہیں۔ کیونکہ خود صدر مملکت نے الیکشن

کے روز شام کے وقت اپنے انٹرویو میں اقرار کیا تھا کہ ووٹوں کی کاسٹنگ کا تناسب پچیس فیصد سے تیس فیصد کے درمیان رہا ہے جبکہ بعد میں جو رزلٹ سامنے آیا۔ اس کے مطابق ٹرن اوٹ چالیس سے پینتالیس فیصد کے درمیان رہا۔ یہ ایک ایسی بات ہے۔ جس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا ہے کہ صدر مملکت کو ملنے والی ایک درجن کے قریب ایجنسیوں کی اطلاعات غلط تھیں یا نتائج غلط لائے گئے تھے۔

دوسری صورت:- یہ ہے کہ پچیس تیس پولنگ اسٹیشنوں کے پریزائیڈنگ آفیسر اپنے اپنے علاقوں میں ووٹوں کی گنتی کرنے کے بعد باضابطہ سرکاری فارم پر نتیجہ لکھ کر پولنگ ایجنٹوں کے حوالے نہیں کرتے بلکہ انہیں ٹرخا دیتے ہیں کہ ہمارے پاس فارم نہیں ہیں۔ آپ سادہ کاغذ پر لکھ لیں یا وقت نہیں ہے۔ بعض اوقات انہیں خوف زدہ کرکے بھگا دیتے ہیں۔ اب یہ پریذائیڈنگ آفیسر ایک یا دو مخصوص مقامات پر مل بیٹھتے ہیں۔ ان کا رابطہ اس علاقہ کی انتظامیہ کے اعلیٰ افسر سے فون پر ہوتا ہے چنانچہ جتنے ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے انہیں ادھر سے اشارہ مل جاتا ہے اور یہ لوگ اس قدر ووٹ خود ہی تیار کرکے تھیلوں میں بند کرکے ریٹرننگ آفیسر کے پاس الگ الگ پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً نو ہزار ووٹ کی ضرورت ہے تو تیس پولنگ اسٹیشنوں کے پریذائیڈنگ آفیسر تین تین سو ووٹ کا اضافہ کر لیں گے۔ مجموعی طور پر نو ہزار ووٹ بڑھ جاتا ہے یہ طریقہ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں آزمایا گیا۔ خود جھنگ میں آئی جے آئی کے ایم پی اے کی سیٹ پر یہ کھیل کھیلا گیا۔ جس کی گواہیاں ہی نہیں بلکہ مکمل ثبوت ہمارے پاس موجود ہیں۔

ان پہلی دو صورتوں کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ قومی اسمبلی کے ایک سو چالیس پینتالیس حلقوں اور صوبائی اسمبلی کے پچاس حلقوں میں بالکل کسی قسم کی دھاندلی نہیں کی جاتی لوگ اپنے اپنے پولنگ اسٹیشنوں کے منصفانہ الیکشن سے مطمئن ہوتے ہیں۔ جن میں

تیس پولنگ اسٹیشنوں کا رزلٹ بدلا جاتا ہے وہ حلقہ بھر کے مختلف علاقوں کے ہوتے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جسے اکثر بیان کرتے ہوئے لوگ کہتے ہیں کہ آدھی رات تک تو ہم جیت رہے تھے۔ اس کے بعد نتیجہ ہمارے خلاف ہو گیا۔ خلاف تو ہونا تھا کہ دھاندلی والے رزلٹ تو آخر میں ہی پہنچتے ہیں۔ پہلے تو وہ باقی تمام گنتی کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔

تیسری صورت:۔ کم از کم نصف پولنگ اسٹیشنوں پر یا تمام اسٹیشنوں پر صرف ایک ایک سو ووٹ زائد کاسٹ کیا جائے یہ طریقہ بہت ہی آسان ہے کہ ووٹوں کی ایک کاپی پریزائیڈنگ آفیسروں کے دستخطوں سے امیدوار کے خاص آدمی کو دے دی جاتی ہے۔ جو اپنے بااعتماد چالیس پچاس آدمیوں کے ذریعہ یہ ووٹ پول کرالیتے ہیں۔ نتیجتاً قومی اسمبلی میں پندرہ ہزار تک اور صوبائی اسمبلی میں سات ہزار تک ووٹ بڑھ جاتا ہے۔

چوتھی صورت:۔ علاقہ کے فوت شدگان اور غیر ممالک کے سفر پر جانے والوں اور چند دیگر لوگوں کے نام پر دوسرے لوگوں سے ووٹ پول کرادیئے جائیں۔ اس سے بھی فی پولنگ اسٹیشن سو ووٹ تک پول ہو جاتے ہیں۔ نتیجتاً دس بارہ ہزار ووٹ بڑھ جاتے ہیں یہ طریقہ عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

جھنگ کے الیکشن میں دھاندلی کا بڑا ثبوت:۔

کسی بھی حلقہ میں عوامی رائے کی تبدیلی کا اثر مجموعی طبقہ پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ سرکاری ملازم ایک طرف ہوں اور عوام ایک طرف۔ تعلیم یافتہ طبقہ ایک طرف ہو غیر تعلیم یافتہ دوسری طرف۔ ۳ فروری کے الیکشن میں صوبائی حلقہ ۶۵ پی پی کی سیٹ پر میں صرف ۹۴ ووٹوں سے ہار گیا لیکن سرکاری ووٹوں کی گنتی پر میرے ووٹ ایک سو ستر نکلے اور مخالف کے صرف تیس پینتس جس کی وجہ سے میں کامیاب قرار دے دیا گیا۔

ان سرکاری ملازمین کے ووٹوں سے بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جھنگ کے عوام کا رجحان کیا تھا۔

الیکشن ۹۷ء میں دھاندلی کا ایک اور ثبوت:۔

کبیر والا کی قومی اسمبلی اور شہری صوبائی اسمبلی کی سیٹ پر قائد سپاہ صحابہ علامہ ضیاء الرحمن فاروقی کی طرف سے کاغذات نامزدگی داخل کرائے گئے تھے۔ ان کی شہادت کے باعث ان دونوں سیٹوں پر ۳ فروری کو الیکشن نہ ہو سکا۔ چنانچہ ضمنی الیکشن میں حکومتی امیدوار اور وفاقی ''وزیرنی'' سیدہ عابدہ حسین کے شوہر فخر امام کا مقابلہ ہراج خاندان کے نوجوان اور سیاست میں نووارد امیدوار رضا حیات ہراج سے ہوا۔ جو صرف چار ہزار ووٹوں سے شکست کھا گئے۔ اور صوبائی سیٹ پر حکومتی امیدوار صرف دو ہزار ووٹوں سے کامیاب ہوا۔ جبکہ ۳ فروری کو تو نگران حکومت قائم تھی۔ مسلم لیگ کی حکومت بھی نہ تھی مگر مسلم لیگ کے امیدواروں کی لیڈ مخالفین کے مقابلہ میں پندرہ ہزار سے اوپر ہی رہی۔ آخر اتنی بڑی بڑی لیڈیں کس بات کا ثبوت ہیں۔ کیا کبیر والہ کی سیٹوں پر صرف ایک ماہ کے اندر اندر حکومتی ووٹ کم ہو گیا تھا؟ حالانکہ حکومتی ووٹ تو تجربہ شدہ بات ہے کہ دوگنا ہو جاتا ہے۔ عوام کا رجحان بھی حکومتی امیدوار کی طرف ہوتا ہے اور خود انتظامیہ اور پولیس کا عملہ بھی سرکاری امیدوار کا خدمتگار ہوتا ہے۔

الیکشن میں شکست کے بعد اگلے روز ایک اور قیامت کا لمحہ:۔

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کر کے

۳ فروری کو جس طرح مجھے شکست سے دوچار کیا گیا، اس بناء پر ۴ فروری کو جھنگ

میں ہر طرف اداسی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ لوگ گھروں میں مایوس اور دلبرداشتہ ہو کر بیٹھ گئے یا گلیوں میں کہیں کہیں جمع ہو کر سرگوشیاں کر رہے تھے کہ آخر یہ الیکشن کا نتیجہ کیسا نکلا ہے۔ ادھر مخالفین نے امام باڑوں کے لاؤڈ سپیکروں پر نعرے لگانے شروع کر دیئے تھے اور ایک شعر وہ بار بار پڑھ رہے تھے۔ جس سے اہل جھنگ کا خون کھول رہا تھا۔ شعر یہ تھا

اے اعظم تیری ہستی کو مٹا کر دم لیں گے
جھنگ سے نکالا ہے دنیا سے اٹھا کر دم لیں گے

شیعہ امام باڑوں کے سپیکر تبرائی اشعار سے مسلمانوں کے زخمی دلوں پر نمک پاشی میں مصروف تھے۔ لوگ یہ سب کچھ دیکھ سن کر حیران تھے کہ آخر جھنگ سے ایک شیعہ امیدوار کیسے جیت گیا؟ جبکہ پولنگ کے موقعہ پر تو انکے ایجنٹ بھی موجود نہ تھے اور آج یہ ہمارے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے؟ میں لوگوں کو تسلی تشفی دیتا۔ لوگ میرے زخموں اور میری حالت کو دیکھ کر شکست ناگہانی اور شیعوں کے تبرائی نعروں سے حد درجہ دلبرداشتہ اور مایوسی کی حالت میں تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے مطمئن کر کے تسلی و تشفی سے رخصت کیا۔ عوام ابھی اس کیفیت سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ اسی اثناء میں مسجد حق نواز شہید کے میناروں سے ہوٹر بجنے کی آوازیں گونج اٹھیں اور لوگوں کو بتایا جانے لگا کہ سنو! اب تمہارے زخمی شیر اور امیدوں کے محور و مرکز مولانا اعظم طارق کو گرفتار کرنے کے لئے پولیس پھر آ گئی ہے۔

یہ آواز جیسے ہی لوگوں کے کانوں سے ٹکرائی تو لوگ گھروں سے دھاڑیں مارتے ہوئے نکل آئے۔ عورتیں اور بچے روتے ہوئے، چیختے ہوئے پہنچ گئے۔ ادھر صبح سے پولیس کے اعلیٰ حکام مجھے پیغام بھجوا رہے تھے کہ لاہور واپس چلیں۔ میں ان سے کہہ رہا تھا کہ میں اوپر بات کرتا ہوں اور آپ بھی کریں کہ پیرول میں چند دن کا اضافہ کر دیا جائے۔ مجھ پر محض چند تقاریر کے مقدمات باقی ہیں۔ جن کی ضلع جھنگ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بھی

ضمانت لے سکتے ہیں۔ اس وقت جھنگ کے عوام سخت صدمہ کا شکار ہیں۔ ادھر چار پانچ روز بعد عید بھی آ رہی ہے۔ حکومت مجھے اس وقت ذرا سنبھلنے دے کہ میں جھنگ کے عوام کو صبر کی تلقین بھی کرلوں اور اپنے بچوں کے ساتھ دو سال بعد عید بھی گذار لوں۔ لیکن ادھر سے مسلسل انکار تھا! اور پھر پولیس کو بھیج دیا گیا۔

میں وہ منظر نہیں بھول سکتا ہوں۔ جب ملک محمد اقبال کے گھر میری چھوٹی چھوٹی بچیاں اور ہزاروں خواتین میری چارپائی کے گرد جمع ہو کر زارو قطار روتے ہوئے یہ کہہ رہی تھیں ”ہم آپ کو نہیں جانے دیں گی۔ ہم مرجائیں گی لیکن آپ کو پولیس کے حوالہ نہیں کریں گی۔ اس حکومت کے دور میں آپ پر بم کے ذریعہ حملہ ہوا۔ اس حکومت نے آپ کو ہرا دیا۔ اب یہ حکومت آپ کی جان کے درپئے ہے یہ پولیس والے قاتل ہیں۔ وہ بار بار کہہ رہی تھیں کہ ہم آپ کے گرد پہرہ دیں گی۔ خدا کے لئے آپ گرفتاری نہ دینا۔“ اپنی روتی ہوئی بچیوں کو دیکھ کر میرا دل پسیج رہا تھا۔ میرا سینہ سخت گھٹن کا شکار تھا۔ اور ذہن ماؤف ہو چکا تھا لیکن میں نے یہ سوچ کر خود پر قابو پایا کہ اگر میں نے صبر کا دامن چھوڑ دیا تو یہاں اشتعال پھیل جائے گا اور لوگ کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے گریز نہیں کریں گے۔

میں نے دل کڑا کر کے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”میری ماؤ! بہنو! بیٹیو! تم مت گھبراؤ، تم بے فکر ہو جاؤ کسی حکمران اور پولیس والے کی جرات نہیں ہے کہ وہ مجھے ہاتھ لگائے۔ میں تمہارے پاس رہوں گا۔ جھنگ ہی میں علاج کراؤں گا اور میرے مقدمات کی ضمانتیں دو چار دن میں یہیں ہو جائیں گی۔ میں انشاء اللہ اب دوبارہ جیل نہیں جاؤں گا“۔ اس کے بعد میں نے کہا اب تم اپنے گھروں کو چلی جاؤ۔ باہر میرے گن مینوں سے کہو کہ وہ میری چارپائی اٹھا کر میرے گھر مسجد حق نواز شہید کے پڑوس میں لے چلیں۔ میری ان تسلی و تشفی بھری باتوں سے خواتین اور بچیوں کے آنسو تھم گئے اور وہ یہ کہتے ہوئے ایک طرف ہو گئیں کہ ہم اپنے گھروں کو نہیں جائیں گی بلکہ آپ کے گھر کی چھت پر اور قریبی مکانوں

میں ٹھہریں گی۔ ادھر میرے گن مین آئے اور میری چارپائی کو اٹھالیا۔ جب میری چارپائی گلی میں لائے تو میں نے دیکھا کہ ہر طرف انسانوں کے سر ہی سر ہیں۔ جن کی آنکھوں میں عقیدت اور الفت کے آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے ہاتھ کے اشارہ سے سب کو سلام کیا اور صبر کرنے کی تلقین کی۔ میری چارپائی میرے گھر کی بیٹھک میں رکھ دی گئی۔ میں نے ٹیلی فون اٹھایا اور لاہور حکام بالا سے رابطہ شروع کر دیا۔ ادھر مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز ادا کر کے میں نے سب سے کہا کہ وہ کمرہ خالی کر دیں جب کمرہ خالی ہو گیا تو میں نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھادیئے اور میرے صبر کے پیمانے چھلک گئے۔ میں نے کہا یا اللہ تو دیکھ رہا ہے کہ میں تیرا عاجز و خطاکار بندہ کس حالت میں ہوں میں اب بہت تھک گیا ہوں اور عاجز آگیا ہوں۔ اے میرے رب تو میری مدد فرما کچھ دیر بعد مجھے اطمینان قلب نصیب ہو گیا۔ میں سمجھ گیا کہ دعا قبول ہو چکی ہے۔ کمرہ کھلوا کر لوگوں کو اندر بلوالیا۔ اس اثناء میں لاہور سے چیف سیکرٹری مسعود پرویز صاحب کا فون آگیا۔ انہوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ آپ نے فون کیا تھا۔ میں نے کہا جھنگ کی صورت حال سے تو آپ آگاہ ہو چکے ہوں گے کہ پولیس و انتظامیہ کے افسران کی جلد بازی نے کس طرح لوگوں کو مشتعل کر دیا ہے۔ اب میری آپ سے درخواست ہے کہ ایک تو عید سر پر ہے۔ دوسرے جھنگ کے لوگ سخت صدمہ میں مبتلا ہیں۔ تیسرے خود میں اس وقت سفر کے قابل نہیں ہوں۔ آپ عید کے دوسرے روز تک میری پیرول کی مدت میں توسیع کر دیں۔ بات ان کی سمجھ میں آچکی تھی انہوں نے پوچھا عید کے بعد آپ کب آئیں گے؟ میں نے کہا۔ عید کے دوسرے روز از خود گرفتاری دے دوں گا۔ اس پر انہوں نے پیرول کی مدت میں اضافہ کا وعدہ کر لیا اور کہا میں جھنگ انتظامیہ کو مطلع کر دوں گا۔ اس خبر سے جھنگ کے مرد و خواتین اور خود میرے بچوں اور بہن بھائیوں کو بے حد مسرت ہوئی اور وہ مطمئن ہو گئے۔

جمعتہ الوداع، ختم قرآن مجید اور عید الفطر کے اجتماعات سے خطاب۔

صوبائی سیٹ کے لئے دعا:۔

جھنگ میں مزید پانچ روز قیام کی اجازت میرے لئے کسی رہائی سے کم نہ تھی۔ دو سال بعد اپنے بچوں کے ساتھ عید گذارنے کا موقع مل رہا تھا۔ بچوں کو اچھے اچھے کپڑے منگوا کر دیئے کیونکہ وہ دو سال کی گذشتہ عیدوں پر یہ کہہ کر نئے کپڑے نہیں پہن رہے تھے کہ ہمارے ابو جیل میں معلوم نہیں کس حالت میں ہیں۔ ہم نئے کپڑے نہیں پہنیں گے۔ لیکن میری طرف سے تاکید کے باعث وہ تھوڑی دیر کپڑے پہن کر اتار دیا کرتے تھے اس دفعہ ان کی عید حقیقی عید تھی۔ ادھر مسجد حق نواز شہید میں ہر سال انتیسویں شب ختم قرآن مجید کے موقع پر تقریر کا پروگرام ہوتا ہے۔ جامعہ محمودیہ کے اخراجات کے لئے اور جامعہ مسجد حق نواز شہید کے لئے چندے کی اپیل کی جاتی ہے اور لوگ روایت کے مطابق دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔ حضرت امیر عزیمت مولانا حق نواز جھنگوی شہید اس رات کو خصوصی چندہ کی اپیل کیا کرتے تھے۔ دو تین سال تک میں بھی یہ ڈیوٹی سرانجام دیتا رہا۔ اب دو سال کا ناغہ ہو چکا تھا۔

اگلے دو دن بعد جمعتہ الوادع کے موقع پر مجھے کرسی پر بٹھا کر مسجد میں کرسی اٹھا کے لے جایا گیا۔ میں نے آدھ گھنٹہ تقریر کرنے کے بعد جامعہ محمودیہ اور مسجد حق نواز شہید کے لئے چندہ کی اپیل کی تو عوام نے نوٹوں کی بارش کر دی۔ اسی طرح انتیسویں شب میں جامعہ محمودیہ کے لئے ایک لاکھ روپے سے زائد چندہ جمع ہوا اور مسجد حق نواز شہید کے لئے بھی ہزاروں روپے جمع ہوئے۔ اس رات کو ایک گھنٹہ تک خطاب کیا۔

پھر عید کے روز احرار پارک میں نماز عید سے قبل ہزاروں لوگوں سے آدھ گھنٹہ خطاب کیا۔ میں نے اپنی تقاریر میں اس بات کو زور دے کر بیان کیا کہ فتح و شکست کا مالک

اللہ ہے ہم سچے لوگ ہیں۔ لہٰذا ہم اپنے مشن پر ڈٹے رہیں گے اور کسی کامیاب ہونے والے شخص کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمارے دینی معاملات میں دخل دے یا مذہبی جذبات کو مجروح کرے اور عوام سے انتقام لینے کی کوشش کرے۔ میں نے بار بار لوگوں کو امید دلائی کہ انشاء اللہ صوبائی اسمبلی میں ہماری کامیابی کے واضح آثار ہیں۔ لہٰذا حق و صداقت کی آواز اسمبلی میں گونجتی رہے گی۔ لوگ اس بات پر بلند آواز سے پرجوش انداز میں سے انشاء اللہ کہتے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے کہ یا اللہ تو رحم فرما اور صوبائی اسمبلی کی ہی سیٹ پر ہمیں کامیاب کردے۔

جھنگ سے لاہور روانگی اور ہسپتال سے جیل بھجوانے کی کوشش:۔

عید الفطر سے اگلے روز میں نے S.S.P جھنگ کو مطلع کیا کہ میں حسب وعدہ لاہور جانا چاہتا ہوں۔ پولیس کو یہاں بھیجنے کی بجائے جھنگ سے باہر فیصل آباد روڈ پر بھجوائیں تاکہ جھنگ میں کسی قسم کا اشتعال پیدا نہ ہو۔ چنانچہ میں اپنی گاڑی پر جھنگ سے باہر نکلا اور پولیس کے ہمراہ لاہور سروسز ہسپتال پہنچ گیا۔ سروسز ہسپتال کے ڈاکٹروں نے میرا معائنہ کیا تو حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ آپ نے جھنگ میں کس سے علاج کرایا ہے؟ میں نے بتایا کہ ڈاکٹر محسن گھیانہ صاحب ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ سرجن ہیں وہ میرے معالج تھے۔ انہوں نے علاج کیا ہے۔ اسی لئے زخم تیزی سے بھر رہے ہیں۔ ڈاکٹر گھیانہ صاحب کا نام سن کر نامعلوم انہیں کیوں غصہ آگیا۔ کہنے لگے اگر اتنا اچھا علاج وہ کر رہے تھے تو آپ یہاں لاہور کیوں آگئے؟ میں نے کہا میں خود نہیں آیا پولیس لائی ہے کیونکہ میں ابھی گرفتار ہوں۔ چونکہ ڈاکٹروں پر اوپر سے سخت دباؤ تھا اور وہ خود بھی مخصوص وجوہات کے سبب مجھے یہاں رکھنے پر تیار نہ تھے بلکہ اس بات کے خواہاں تھے کہ کسی دوسرے ہسپتال میں انہیں لیجایا جائے۔ اس لئے ڈاکٹروں نے ڈسچارج رپورٹ بنا کر پولیس حکام کے حوالہ کردی کہ ہماری

طرف سے یہ فارغ ہیں اور پولیس والے مجھے ایمبولینس میں سوار کر کے ہسپتال سے باہر آنے لگے تو میں نے پوچھا کہ کدھر کا ارادہ ہے؟ جواب ملا کوٹ لکھپت جیل چلتے ہیں۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا ڈاکٹروں نے آپ کو فارغ کر دیا ہے۔ اب ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے۔ میں نے کہا تم نہیں دیکھ رہے کہ میرے زخم کتنے گہرے ہیں۔ ان کا علاج جیل میں کون کرے گا۔ انہوں نے کہا ہم کیا کر سکتے ہیں؟

میں نے ڈرائیور سے کہا گاڑی موڑ کر واپس ہسپتال چلو۔ ہسپتال پہنچ کر میں نے کہا مجھے کرسی پر بٹھا کر "ایم ایس" کے دفتر لے چلو۔ ہم وہاں پہنچے تو ایم ایس دفتر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ اب جس ڈاکٹر کا پتہ کراتے۔ وہ غائب نظر آتا۔ میں نے وہیں سے گورنر پنجاب اور مولانا ضیاء القاسمی صاحب کو اور اپنے وکیل منیر احمد بھٹی کو فون کے ذریعے صورت حال سے مطلع کیا۔ اور نصف رات تک شدید تکلیف کی حالت میں اس دفتر میں بیٹھا رہا۔ پولیس حکام بار بار تقاضہ کرتے رہے کہ اب جیل چلیں صبح واپس آجائیں گے۔ میں نے کہا خاموشی سے کھڑے رہو! جیل سے واپس مجھے کون لائے گا؟ چنانچہ رات گئے گورنر پنجاب کی ہدایت پر مجھے ہسپتال کے ایک خالی وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا۔ جہاں میرا علاج شروع ہو گیا۔

صوبائی اسمبلی کی نشست پر کامیابی، جھنگ میں خوشیوں کے شادیانے اور میرا فون پر خطاب:-

عید کے تیسرے روز حلقہ ۶۵ پی پی کے سرکاری ملازمین کے بھیجے گئے پوسٹل ووٹوں اور پورے حلقہ میں ڈالے گئے ان متنازعہ ووٹوں کی گنتی شروع ہو گئی جو ہر پولنگ اسٹیشن پر گنتی کے وقت الگ کر لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شام تک ہونے والی اس گنتی اور متنازعہ ووٹوں سے پندرہ سولہ ووٹ میرے حق میں بڑھ گئے اور ساٹھ کے قریب میرے مدمقابل ابوالحسن انصاری کو مل گئے۔ اس طرح اب ابوالحسن انصاری کو مجموعی طور پر ڈیڑھ سو

ووٹوں کی لیڈ حاصل ہو گئی۔ اس صورت حال سے گھبرا کر یوسف مجاہد صاحب ووٹوں کی گنتی سے اٹھ کر گھر چلے گئے اور عدالت میں موجود لوگوں میں مایوسی پھیل گئی۔ تین سال بعد اب پھر وہی منظر تھا جو میاں ریاض حشمت کے الیکشن میں ہارنے کے بعد سرکاری گنتی کے موقع پر پیش آیا تھا۔ دونوں اطراف سے لوگ عدالتوں میں جمع تھے۔ اور وقفہ وقفہ سے نوک جھونک بھی ہو رہی تھی۔ ادھر میرا مسلسل فون پر رابطہ تھا اور مجھے بتایا جا رہا تھا کہ گنتی جاری ہے۔ رات گیارہ بجے تک گنتی ہوتی رہی۔ مخالف فریق کو اپنے ووٹ بڑھ جانے کے باعث یقین ہو گیا تھا کہ اب ڈیڑھ سو کا فرق پڑ گیا ہے۔ اسے پورا نہیں کیا جا سکے گا کیونکہ اس حلقہ کے لئے سرکاری ووٹ کل دو سو کے قریب جاری ہوئے تھے۔ ادھر سپاہ صحابہؓ کے ساتھی بھی حساب و کتاب میں مصروف تھے کیونکہ ابھی اس بات کا واضح امکان تھا کہ ہمارے سرکاری ووٹ اس کمی کو پورا کریں گے۔ چنانچہ سرکاری ووٹوں کی گنتی شروع ہوئی تو میرے ووٹ مسلسل نکلنے لگے۔ اور مخالفین کے چہرے اترنے شروع ہو گئے۔ آخر کار نتیجہ یہ سامنے آیا کہ مخالفین کے ڈیڑھ سو ووٹوں کا فرق بھی ختم ہو گیا اور سات ووٹ بڑھ گئے۔ ریٹرننگ آفیسر نے سب امیدواروں سے دستخط لے کر نتیجہ کا اعلان کر دیا۔ جونہی عدالت میں موجود سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کو نتیجہ معلوم ہوا تو وہ خوشی سے دیوانے ہو گئے ان کے چہروں پر مسکراہٹ لوٹ آئی۔ انہیں یوں لگا جیسے دوبارہ زندگی مل گئی ہو۔ بس اب تو پورے جھنگ میں مساجد کے لاؤڈ سپیکروں سے جھنگ کے عوام کو مبارک بادیں اور نوافل شکرانہ ادا کرنے کی ہدایات دی جانے لگیں۔

میں نے جب گھر فون کر کے معلوم کیا کہ کیا صورت حال ہے تو جواب ملا کہ دوسری مساجد سے آپ کی کامیابی کے اعلان کئے جا رہے ہیں۔ ابھی مسجد حق نواز شہید تک کوئی آدمی نہیں آیا۔

پھر چند منٹوں کے بعد گھر سے فون آیا کہ مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کر دی

ہے۔ میں نے یہ خبر سنتے ہی بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر ادا کیا کہ مولا کریم تیرا شکر ہے تو نے شہیدوں کے خون کی لاج رکھ لی۔ آج ہمارے کارکن ایک مرتبہ پھر سر اٹھا کر چلنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر ہسپتال میں موجود ساتھی مبارک باد دینے لگے اور کچھ نوجوان بھاگ کر بازار سے مٹھائی اور پھولوں کے ہار لے آئے یہ ساری رات ہسپتال میں جھنگ کے عوام اور دنیا بھر سے آنے والے فون سنتے اور مبارکباد وصول کرتے گزری۔

ادھر جھنگ میں اعلان کرا دیا گیا کہ صبح دس بجے جامع مسجد حق نواز شہید میں مولانا اعظم طارق کا فون پر خطاب ہو گا۔ علی الصبح بازاروں میں مٹھائیاں بانٹنے، خیرات کے لئے دیگیں پکانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لوگ جوق در جوق مسجد حق نواز شہید میں اکٹھے ہو رہے تھے۔ جب میرے فون کی گھنٹی بجی تو مسجد نعروں سے گونج اٹھی۔ میں نے جھنگ کے عوام کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ آج ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کے خون اور اسیروں کی قربانیوں کے صدقہ آپ لوگوں کو خوشیاں نصیب کر دی ہیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی تمام تر توانائیاں اور صلاحیتیں حق کی تکمیل کے لئے لٹا دوں گا۔ آپ لوگ اب قومی اسمبلی کی سیٹ کے چھن جانے کا غم نہ کریں۔ انشاء اللہ العزیز میں صوبائی اسمبلی کے ذریعہ ہی ایسی آواز بلند کروں گا جس کی گونج پوری دنیا میں سنائی دے گی۔ جس مشن اور کاز کے لئے ہمارے قائدین نے خون کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ اس مشن کی آبیاری اپنے خون کے قطروں سے بھی کرنی پڑی تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔

عوام کے جوش و جذبے کا یہ عالم تھا کہ وہ میرے ایک ایک لفظ پر نعرے بلند کر رہے تھے اور "سینوں کا وزیر اعظم طارق اعظم" کے نعرے لگاتے تھکتے نہیں تھے۔ بلاشبہ جھنگ کے عوام کی محبت و چاہت اور خلوص کی کوئی مثال نہیں ہے۔

عوام کی اس لازوال محبت کا جواب بھی سپاہ صحابہؓ کی قیادت نے لازوال انداز میں دیا ہے۔ اس محبت کی لاج رکھتے ہوئے کچھ لوگ جانیں قربان کر چکے ہیں اور کچھ لوگ سر

ہتھیلیوں پر لیے پھر رہے ہیں۔

صوبائی اسمبلی کا حلف اور تیزی سے صحت یابی:-

انہیں گماں تھا کہ پیروں پہ چل نہیں سکتا
یہ کیا خبر تھی کہ پتھر پگھل نہیں سکتا!
مجھے یقین تھا کہ جل کر میں روشنی دوں گا
وہ کہہ رہے تھے کہ آندھی میں جل نہیں سکتا
میں اک تیر صداقت ہوں دشمنوں کے لئے
میں مصلحت کی کمانوں سے چل نہیں سکتا
مرا خدا ابھی زندہ رکھے ہوئے ہے مجھے
گرا تو یوں تھا کہ گویا سنبھل نہیں سکتا
ابھی لحد میں جنازے اتارنے ہوں گے
یہ دور ظلم کا یوں ہی بدل نہیں سکتا
جو اپنے طرز عمل کو جہاد کہتا ہو
وہ آدمی کف افسوس مل نہیں سکتا



سرکاری ووٹوں کی گنتی کے بعد میں رکن صوبائی اسمبلی منتخب ہو چکا تھا۔ لیکن مخالفین کا کہنا تھا کہ چونکہ ہماری پارٹی جیت گئی ہے اس لئے ہم مولانا کو حلف نہیں اٹھانے دیں گے۔ کبھی وہ کہتے کہ ہم عدالت سے اسٹے آرڈر (Stay Order) لے لیں گے. کبھی کہتے اسمبلی کے اجلاس میں نہیں بلوایا جائے گا۔ ہمارے ساتھی لاہور ہسپتال میں آکر

مبارک باد بھی دیتے اور ان خدشات کا اظہار بھی کرتے تھے۔ میں نے انہیں اطمینان دلایا کہ انشاء اللہ العزیز اب کسی طور بھی ہمیں اسمبلی جانے سے نہیں روکا جا سکتا ہے۔ ادھر ۱۸ فروری کو اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا گیا۔ میرے زخم چونکہ ابھی بالکل تازہ تھے اور آپریشن ہوئے بیس پچیس روز ہی ہوئے تھے۔ اس لئے میرا اسمبلی میں پہنچنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا۔ احباب کا مشورہ تھا کہ آپ کو ویل چیئر پر بٹھا کر اسمبلی لے جایا جائے۔ میں نے ان سے کہا آپ فکر نہ کریں میں اسمبلی میں اپنے قدموں سے چل کر جاؤں گا۔ میرے اس دعویٰ کو ڈاکٹروں اور مزاج پرسی کرنے والوں نے "دیوانے کی بڑ" سے زیادہ اہمیت نہ دی۔ اسمبلی کے اجلاس میں صرف تین دن باقی تھے کہ میں نے رات کے وقت جب میری خدمت پر مامور تمام ساتھی آرام کر رہے تھے۔ آہستہ سے اپنے بیڈ سے اتر کر بیڈ کے سہارے کھڑا ہونا چاہا تو سیدھا کھڑا ہونے کے دس سیکنڈ بعد میں چکرا کر گر گیا۔ ساتھی ہڑبڑا کر اٹھے اور پوچھنے لگے کیا بات ہوئی؟ میں نے بات کو ٹال دیا کہ بس یونہی چکر آ گیا تھا۔

ساتھی سو گئے تو مجھے خیال آیا کہ جب میں ایک مرتبہ کھڑا ہو گیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں کھڑا ہو سکتا ہوں۔ لہٰذا دوبارہ پھر کوشش کی اور اب میں دو تین منٹ تک کھڑا رہا۔ مجھے اس وقت اس قدر خوشی ہوئی کہ میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔ اور میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں اب اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہوں۔ آج وہ ٹانگیں میرا بوجھ اٹھا رہی ہیں۔ جنہیں ڈاکٹر حضرات کاٹنے کا مشورہ دے رہے تھے۔ ٹھیک ایک گھنٹہ بعد میں نے پھر اٹھ کر بیڈ پکڑتے ہوئے یکلخت دو قدم اٹھا لیئے۔ ان قدموں کے اٹھانے سے میرے زخموں میں ایسا تناؤ پیدا ہوا جیسے ابھی گوشت پھٹ جائے گا۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اگلے روز صبح میں نے دو ساتھیوں سے کہا کہ میرے دائیں بائیں ہو کر سہارا دے کر مجھے چلنے میں مدد دیں۔ یہ ساتھی کسی طور پر آمادہ نہ تھے لیکن میرے اصرار پر وہ آگے آئے اور میں نے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر دس قدم زمین پر چل لئے۔ اگرچہ میری پٹیاں خون سے تر ہو

گئیں۔ لیکن میں خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ ڈاکٹروں کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اس بات کا برا منایا۔ لیکن ایک مخلص ترین ڈاکٹر صاحب جو کافی تجربہ کار تھے۔ مجھے کہنے لگے آپ اپنی کوشش جاری رکھیں۔ زخم اب ٹھیک ہیں۔ اگر زخموں سے خون نکلے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اور کیا چاہیے تھا۔ میں نے اس روز شام کو ہاتھ میں چھڑی لے کر دس قدم اٹھالئے اور واپس اپنے بیڈ پر آگیا۔ اب اسمبلی کے اجلاس میں دو روز باقی تھے اور میں کم از کم ایک سو قدم چھڑی کے سہارے کے بغیر چلنے کا عزم لے کر اپنی کوشش میں مصروف تھا۔ ساتھی نیند میں ہوتے تو میں اٹھ کر چلنا شروع کر دیتا۔

۱۸ فروری کے دن اس وقت دنیا حیران رہ گئی اور ڈاکٹر حضرات حیرت سے مجھے دیکھتے رہے جب میں نے صرف اللہ کے سہارے پر صوبائی اسمبلی لاہور کے سامنے گاڑی سے اتر کر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسمبلی کا دروازہ کراس کیا اور پھر ایوان کے اندر پہنچ گیا۔ حلف کی تقریب ٹیلی ویژن پر دکھائی جا رہی تھی۔ جب مجھے اپنی سیٹ سے سپیکر کی کرسی تک چلتے ہوئے دکھایا گیا تو سپاہ صحابہ کے لاکھوں جانثاروں کی زبان سے ''اللہ تیرا شکر ہے'' کے الفاظ جاری ہو گئے۔

اسمبلی سے ہسپتال واپسی پر ڈاکٹروں نے مجھے حلف اٹھانے پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ ہم آپ کے حوصلے اور ہمت کی داد دیتے ہیں۔ دراصل یہ جو کچھ بھی ہوا ہے محض آپ کی Will-Power کے باعث ہوا۔ ورنہ صرف ایک ماہ کے اندر اندر آپ کا چلنا تو درکنار کھڑا ہونا بھی ممکن نہیں تھا۔ میں نے کہا یہ سب صحابہؓ کرام کے نام کی برکت ہے۔

سپیکر اور وزیر اعلیٰ کا انتخاب اور میرا ووٹ:۔

حلف اٹھانے کے بعد سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کے انتخاب کا مرحلہ تھا۔ لیکن یہ مرحلہ اس

طرح مکمل ہو گیا کہ ان دونوں عہدوں پر مسلم لیگ کے امیدوار بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اگر چہ حلف اٹھانے کے بعد ہم نے مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب مدظلہ کی طرف سے سپیکر کے عہدہ کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کرانے کی کوشش کی مگر ہمیں بتایا گیا کہ کاغذات نامزدگی داخل کرانے کا وقت پانچ (۵) بجے تک تھا اب سوا پانچ ہو چکے ہیں۔ کاغذات نامزدگی داخل نہیں ہو سکتے ہیں۔ ہم نے اس پر احتجاج بھی کیا مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

اگلے روز میاں شہباز شریف اور نواب زادہ منصور علی کے مابین وزارت علیا کی سیٹ پر مقابلہ ہوا۔ اگر چہ مقابلہ یکطرفہ تھا تاہم مسلم لیگ کے ممبران اسمبلی پیر بنیامین، خواجہ سعد رفیق اور دیگر کئی ارکان میرے پاس آئے کہ میاں شہباز شریف کی درخواست ہے کہ آپ ووٹ ہمیں دیں۔ میں نے کہا ان کے پاس ۲۴۰ کے ایوان میں ۲۳۰ ووٹ موجود ہیں۔ میرے ووٹ کی کیا ضرورت ہے لیکن ان حضرات کا اصرار تھا۔ اس لئے میں نے کہا کہ آپ لوگ مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب کو تیار کرلیں اگر وہ آمادہ ہوں تو میں بھی ووٹ دے دیتا ہوں۔ مولانا چنیوٹی صاحب نے مجھے مشورہ دیا کہ تم میاں شہباز شریف کو ووٹ دے دو۔ میں چونکہ آج نواب زادہ منصور علی کا تائید کنندہ ہوں۔ اس لئے میں ووٹ نہیں دے سکتا۔ ہاں کل میں بھی وزیر اعلیٰ کو اعتماد کا ووٹ دے دوں گا۔ چنانچہ جب میں میاں شہباز شریف کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا تو میاں صاحب نے میرا پرتپاک انداز میں استقبال کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔

خانہ فرہنگ ایران ملتان کے ڈائریکٹر کا قتل اور میری صوبائی اسمبلی سے جیل روانگی:۔

۲۰ فروری ۱۹۹۷ء صوبائی اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کے انتخاب کے موقع پر میرا ووٹ حاصل کرنے کے بعد میاں شہباز شریف نے میرے ساتھ بیٹھ کر اسمبلی کی لابی میں کہا کہ

"آپ شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ کے لئے ہم سے تعاون کریں۔" میں نے جواب دیا کہ آپ کا غیر مشروط تعاون کریں گے اور میری تجویز یہ ہے کہ آپ فوری علماء کرام کا ایک اجلاس طلب کریں۔ اس میں سپاہ صحابہؓ کا موقف سنیں اور پھر ان اسباب کا جائزہ لے کر حل نکالیں جو شیعہ سنی فسادات کا باعث بن رہے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ پہلی فرصت میں علماء کرام کا اجلاس طلب کریں گے۔ دوٹوں کی گنتی کے اعلان کے بعد ہم دوبارہ اسمبلی میں چلے گئے اور مبارک باد کی تقاریر شروع ہو گئیں۔ اسی دوران ہوم سیکرٹری پنجاب کی طرف سے میاں شہباز شریف کو ایک چٹ بھیجی گئی اور وہ سپیکر کے نام ایک رقعہ لکھ کر اجلاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ سپیکر اسمبلی چودھری پرویز الٰہی نے اسمبلی کو بتایا کہ ملتان میں ایران کے ثقافتی مرکز خانہ فرہنگ پر حملہ ہو گیا ہے۔ جس میں ڈائریکٹر خانہ فرہنگ ایران سمیت چھ افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ وزیر اعلیٰ اہم انتظامی میٹنگ میں شرکت کے لئے اٹھ گئے ہیں۔ اجلاس کی برخواستگی کے بعد جب میں ہسپتال جانے کے لئے اسمبلی ہال سے باہر آیا تو پولیس کی پہلے سے زیادہ نفری گاڑیاں لے کر موجود تھی۔ مجھے کہا گیا کہ آپ پولیس گاڑی میں تشریف رکھیں۔ میں اسی وقت خطرے کے الارم کو سمجھ گیا۔ میں نے کہا نہیں یہ حاجی طیب صاحب اپنی مرسڈیز گاڑی لائے ہیں یہ آرام دہ ہے۔ میں اس میں بیٹھوں گا اور آپ اپنی گاڑیاں آگے پیچھے لگا لیں۔ چنانچہ پولیس ہماری گاڑی کا گھیراؤ کرتے ہوئے ساتھ ساتھ لے کر کوٹ لکھپت جیل کے سامنے جا پہنچی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگ ہسپتال کیوں نہیں لے گئے جبکہ میں تو زیر علاج ہوں اور زخموں کی حالت آپ کے سامنے ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہمیں اوپر سے یہی آرڈر ہے۔ میں جونہی جیل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو برادرم مولانا محمد عالم طارق پر نظر پڑی۔ انہوں نے بتایا کہ میں آپ کے تمام مقدمات کی ضمانتوں کی روبکاریں لے کر آیا ہوں۔ اب آپ پر کوئی مقدمہ نہیں ہے۔ اب مجھے جیل میں رکھنے کا کوئی قانونی جواز نہ تھا مگر جیل حکام خاموش تھے۔ میں

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں اسٹریچر منگوا کر اس پر لیٹ گیا اور جیل حکام سے کہا آپ جب تک مجھے یہ نہیں بتاتے کہ کس قانون کے تحت مجھے آپ نے وصول کیا ہے۔ میں جیل کے اندر نہیں جاؤں گا۔ چونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ بھی اعلیٰ حکام سے رابطے کرتے رہے۔ ادھر جیل کے اندر سے محمود اقبال صاحب، ڈاکٹر منظور شاکر صاحب، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی صاحب، قاری عطاء الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالقیوم صاحب اور باقی ساتھی بھی ڈیوڑھی میں آکر گلے مل کر سانحہ سیشن کورٹ پر تعزیت کا اظہار کرتے رہے۔ کیونکہ بم دھماکہ میں زخمی ہونے کے بعد پہلی مرتبہ جیل آنا ہوا تھا۔ رات دس بجے تک جیل کی گنتی کھلی رہی۔ جیل حکام بھی ڈیوٹی پر تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ چنانچہ قریباً رات سوا دس بجے حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ کا فون پر پیغام ملا کہ آپ گرفتاری دے دیں اور جیل کے اندر چلے جائیں ہم آپ کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور برادرم مولانا محمد عالم طارق کو میں نے بھیج دیا تھا کہ وہ استاذ مکرم مولانا منظور احمد چنیوٹی اور دیگر ارکان اسمبلی کے ہمراہ سپیکر اسمبلی سے بات کریں کہ کس جرم میں مولانا کو جیل بھیجا گیا ہے جبکہ وہ تو اب کسی مقدمہ میں گرفتار بھی نہیں ہیں اور زخمی بھی ہیں چنانچہ حضرت قاسمی صاحب کے فون کے بعد میں آمادہ ہو گیا اور جیل کے اندر کمرہ نمبرا میں ساتھی چارپائی اٹھا کر لے گئے۔ کیونکہ دن بھر کی تھکن کے باعث ٹانگیں چلنے سے قاصر ہو چکی تھیں۔ زخموں سے درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ رات بھر اسیر احباب حال احوال پوچھتے رہے۔ اگلی صبح سات بجے ہی پیغام آگیا کہ اسمبلی چلنے کی تیاری کریں۔ سپیکر صاحب نے آج کے اجلاس میں آپ کو طلب کرلیا ہے۔

۲۱ فروری کے اس اجلاس میں وزیر اعلیٰ نے اعتماد کا ووٹ لینا تھا چنانچہ میں اسمبلی پہنچ کر سیدھا وزیر اعلیٰ صاحب کے پاس چلا گیا اور کہا مجھے آپ نے پہلے ہی روز زخمی ہونے کے باوجود جیل بھجوا دیا ہے۔ جہاں علاج معالجہ کی سہولت تک نہیں ہے یہ کیسا انصاف

ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں آپ کو ہسپتال ہی میں بھجواتے ہیں چنانچہ اس روز ہسپتال پہنچا دیا گیا۔

پندرہ ماہ کے بعد رہائی اور جھنگ روانگی:۔

۲۴ فروری کو سپیکر اسمبلی کی معرفت ہوم سیکرٹری وغیرہ کو آمادہ کیا کہ وہ مجھے اب جھنگ پہنچائیں۔ میں اپنا علاج گھر جا کر خود کرالوں گا۔ چنانچہ پولیس کی بھاری نفری کے ہمراہ جھنگ روانہ ہوا اور بخیریت اپنے گھر پہنچ گیا۔ یوں ۲۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو جو گرفتاری ہوئی تھی اس کا اختتام پندرہ ماہ بعد اس رہائی پر ہوا۔ جھنگ آمد پر بعض احباب نے گلہ کیا کہ آپ نے پہلے بتایا ہوتا تو ہم عظیم الشان استقبال کرتے۔ میں نے کہا اس وقت حالات ایسے نہیں ہیں کہ استقبال کی تیاریاں کی جائیں۔ میرا خاموشی سے رہا ہو کر پہنچ جانا ہی غنیمت ہے۔ کیونکہ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ موجودہ حکومت بھی پہلی حکومت کی طرح ہمارے خلاف انتقامی کاروائی کے بہانے تلاش کر رہی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔

جھنگ کے معززین اور سپاہ صحابہؓ کے عہدیداران کا اہم اجلاس اور احتساب کمیٹی کا قیام:۔

جھنگ پہنچ کر اب میری اولین خواہش تھی کہ میں جماعت کو منظم کروں اور معززین شہر، کونسلرز حضرات اور سپاہ صحابہؓ کے عہدیداران کو جمع کر کے یہ معلوم کروں کہ وہ کون سے اسباب ہیں جن کے باعث جماعت کے ذمہ دار حکومتی اور مخالفین کی سازش کو نہ سمجھ سکے اور جماعت کو اس الیکشن میں سخت ندامت کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ چنانچہ پہلے ہی ہفتہ میں ایک اہم اجلاس ــ ۔ نوت نامے جاری کر دیئے گئے جو میرے گھر کے متصل ایک مکان

کے وسیع صحن میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں کارکنوں اور معززین کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی۔

لوگوں نے الیکشن میں دھاندلی کا الزام بھی دلائل سے ثابت کیا لیکن اس بات پر بھی اظہار افسوس کیا کہ جماعت کی طرف سے بعض ذمہ داران کے رویہ نے عوام میں مایوسی پیدا کی اور دھاندلی کی روک تھام کے خاطرہ خواہ انتظامات بھی نہ کیئے گئے اس طرح بعض ذمہ دار افراد پر سنگین مالی بد عنوانیوں کے الزامات لگائے گئے۔ جسے سن کر انتہائی حیرت ہوئی۔

میں نے ان تمام تفصیلات کو سن کر فیصلہ کیا کہ ہم ایک بااختیار احتساب کمیٹی کا قیام عمل میں لاتے ہیں۔ تاکہ جن حضرات کو کسی بھی منتخب یا غیر منتخب شخص یا جماعت کے کسی عہدیدار سے کوئی بھی شکایت ہو یا اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہو یا اس کا مال غبن کیا گیا ہو وہ تحریری طور پر درخواست احتساب کمیٹی کو دے پھر احتساب کمیٹی الزام لگانے والے مدعی اور ملزم دونوں کو طلب کر کے الزامات کی تحقیق کر کے اپنی رپورٹ ہمیں پیش کرے۔ میں نے حلف اٹھا کر کہا جس شخص پر کرپشن یا بد عنوانی کا الزام ثابت ہو گیا اس کے خلاف کاروائی کیئے بغیر ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ ہم ہر چیز برداشت کر سکتے ہیں مگر کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ جماعتی یا سرکاری عہدہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عوام کو تنگ کرے یا لوٹ مار کرے۔ چنانچہ اس تجویز کو نہایت ہی پسند کیا گیا اور مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ایک احتسابی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ سربراہ کمیٹی مولانا عبدالرحیم صاحب (ناظم جامعہ محمودیہ) سلیم بٹ ایڈووکیٹ صاحب، ملک محمد اقبال صاحب، مولانا محمد الیاس بالا کوٹی صاحب، حاجی مقصود صاحب جھنگ سٹی والے چنانچہ اس کمیٹی کے اغراض و مقاصد سے عوام کو جمعہ کے خطبوں میں آگاہ کر دیا گیا اور مساجد میں اعلان کرا دیا گیا کہ جس کسی کو بھی

کسی شخص سے شکایت ہو وہ اس کمیٹی سے رجوع کرے۔ چند ہی دنوں میں کمیٹی کو دو درجن کے لگ بھگ شکایات موصول ہوئیں۔ جن پر کاروائی شروع کردی گئی۔

اس عملی کاروائی کو دیکھتے ہوئے کئی کرپٹ افراد نے لوگوں کے گھروں میں جا کر وصول شدہ رشوتیں واپس کرنا شروع کردیں اور منت سماجت شروع کردی کہ ہمارے خلاف احتساب کمیٹی کو شکایت نہ کی جائے ورنہ ہم مارے جائیں گے۔ چونکہ کمیٹی کے سامنے کئی درخواستیں تھیں اور ان کی سماعت کا کام کچھ وقت چاہتا تھا۔ ادھر کمیٹی کے ارکان نے چند دنوں بعد مجھ سے خصوصی ملاقات کرکے پوچھا کہ اگر ہم کسی شخص کو مجرم قرار دے دیتے ہیں تو اس کا کیا ہوگا۔ یعنی آپ اس کی سزا کیا تجویز کریں گے؟ میں نے انہیں بتلایا کہ ایسے شخص کو جماعت کے عہدہ سے برطرف کرنا اور چند دنوں کی مہلت دے کر مظلوم کو حق دلوانے بصورت دیگر خود اس کرپٹ شخص کے خلاف قانونی کاروائی کراکر اسے جیل بھجوانا میری ذمہ داری ہوگی۔ میرے اس جواب سے احتساب کمیٹی کے ارکان مطمئن ہوگئے اور لوگوں کی طرف سے دی گئی درخواستوں پر انکوائری شروع کردی۔ اس کمیٹی کو میرے سابق سیکرٹری یوسف فاروقی کے خلاف بھی درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔ اس لئے میں نے اپنے سیکرٹری کو بھی الگ کردیا اور وعدہ کیا کہ اگر وہ تمام الزامات سے بری ثابت ہوا تو پھر میرے ساتھ کام کرے گا۔

احتساب کمیٹی کا کام جاری تھا کہ اولاً شیخ حاکم علی صاحب اور یوسف مجاہد گرفتار کر لیئے گئے۔ بعد ازاں مجھے بھی گرفتار کرلیا گیا۔ اس طرح یہ احتساب کا کام رک گیا۔ مگر میرا اب بھی یہ عزم ہے کہ میں اس کام کو ضرور پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ انشاء اللہ۔ کیونکہ احتساب کے بغیر کوئی بھی جماعت یا حکومت کامیاب نہیں ہوسکتی ہے۔

جھنگ سول ہسپتال میں تیسرا آپریشن:۔

اگرچہ میرے زخم بہت حد تک مندمل ہو چکے تھے لیکن دائیں پنڈلی میں بم کا ایک بڑا ٹکڑا موجود تھا۔ جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں بہت دقت پیش آرہی تھی۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ اس بڑے ٹکڑے کو نکلوا لیا جائے۔ اگرچہ ان دنوں میرا کہیں سفر کرنا ممکن نہ تھا لیکن دارالعلوم ربانیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ اور جامعہ عمر فاروق سمندری کے سالانہ جلسوں میں شریک ہونا میری مجبوری تھی۔ کیونکہ دارالعلوم ربانیہ کا میں خود طالبعلم رہا تھا اور جامعہ عمر فاروق میرے قائد کی نشانی ہے۔ ۱۱۔ اپریل کو جامعہ عمر فاروق کے جلسہ سے خطاب کر کے ۱۲ اپریل کو سیدھا سول ہسپتال جھنگ پہنچ گیا۔ جہاں پر ڈاکٹر سرجن محسن گھیانہ، ڈاکٹر خالد چوہدری، ڈاکٹر ظفر پاتو آنہ اور ان کے ساتھی میرے منتظر تھے۔ چنانچہ اپریشن تھیٹر روم میں ڈاکٹر حضرات سے گپ شپ لگاتے ہوئے بے ہوشی کی دنیا میں چلا گیا۔ ڈاکٹر حضرات نے پنڈلی، کمر اور دائیں گھٹنے کے نیچے سب سے بڑے زخم کا اپریشن کیا اور زخم سینے کے بعد مجھے وارڈ میں بھیج دیا۔ جہاں کچھ دیر بعد مجھے ہوش آیا تو میں نے خود کو خون کی تین نالیوں میں جکڑا ہوا پایا۔ جو زخموں کے اندر رکھ کر باہر چھوڑی گئی تھیں اور دوسری طرف بازوں میں خون کی ڈریپ لگی ہوئی تھی۔ اب ایک مرتبہ پھر میری کیفیت پہلے جیسی ہو چکی تھی۔ کہ نہ اٹھ سکتا تھا اور نہ ہی کروٹ بدل سکتا تھا۔

شیخ محمد اشفاق کی گرفتاری اور چوہنگ سینٹر منتقلی:۔

سپاہ صحابہؓ کے مرکزی خزانچی شیخ محمد اشفاق کو مارچ کے آخری عشرہ میں اس وقت گرفتار کر لیا گیا جب وہ تھانہ کوتوالی میں زیر حراست مہر شعیب قیصر کونسلر سے ملاقات کرنے گئے تھے۔ کیونکہ مہر شعیب قیصر کو جھنگ سٹی کے ایک شیعہ لیڈر کے مقدمہ قتل میں شامل

تفتیش کیا گیا تھا۔ چند روز بعد مہر شعیب قیصر تو بے گناہ قرار دیئے جانے کے بعد گھر آ گئے لیکن شیخ محمد اشفاق صاحب کو جھنگ جیل سے چونگ سینٹرل لاہور منتقل کر دیا گیا۔

میں نے سول ہسپتال ہی سے حکام بالا سے گفتگو کی کہ وہ آخر کس بناء پر سپاہ صحابہؓ کی قیادت کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہوم سیکرٹری اور دیگر حکام سے اس معاملہ میں بعض اوقات فون پر تلخ کلامی بھی ہوئی۔ لیکن حکومتی ایجنسیاں یہ تاثر دے رہیں تھیں کہ شیخ اشفاق کی گرفتاری پر مولانا محمد اعظم طارق اور مولانا ضیاء القاسمی یا مرکزی راہنماؤں کو جو تشویش ہے اس کا اصل باعث یہ ہے کہ سپاہ صحابہؓ کی قیادت کو اس بات کا خوف ہے کہ کہیں شیخ اشفاق ہماری کمزوریوں کو حکومت کے سامنے پیش نہ کر دے۔ جب یہ بات فون پر مجھ سے ہوم سیکرٹری نے کہی تو میں نے کہا آپ یہ مغالطہ بھی نکال لینا۔ پہلے بھی اس طرح کے الزامات و اشکالات کا اظہار کر کے ہمیں جیلوں میں رکھا گیا اب آپ بھی اس ڈگر پر چل رہے ہیں۔

پنجاب حکومت کی نور اکشتی سے اختلاف اور مسلم لیگ میں شامل ہونے سے انکار:۔

پنجاب اسمبلی کے پہلے اجلاس کے اختتام پر سپیکر صوبائی اسمبلی چوہدری پرویز الٰہی نے مولانا منظور احمد چنیوٹی سے ملاقات میں اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپوزیشن لیڈر کے طور پر خود کو سامنے لائیں ہم آپ کو اپوزیشن لیڈر کا مقام دینے کو تیار ہیں تاکہ پیپلز پارٹی کا کوئی شخص اس عہدہ پر براجمان نہ ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت چنیوٹی صاحب مدظلہ کی کئی آزاد ممبران سے ملاقاتیں ہوئیں اور مجھ سے بھی تفصیلی بات ہوئی۔

میرا موقف یہ تھا کہ اس وقت اسمبلی میں حکومت مخالف ارکان (صرف آٹھ ہیں) دو پیپلز پارٹی، دو مسلم لیگ جونیجو گروپ، ایک نوابزادہ منصور علی، ایک سعید اکبر نوانی اور

دو ہم ہیں۔ اب اگر آپ اپوزیشن لیڈر کا کردار ادا کرتے ہیں یا میں اس منصب پر آتا ہوں تو ہمارے لئے بہت مشکلات ہونگی کہ ہم پیپلز پارٹی یا جونیجو گروپ کے نظریاتی مخالفین میں سے ہیں۔ لہٰذا جس بات پر ہمارا احتجاج ہو گا یہ چند لوگ بھی ہمارا ساتھ نہیں دیں گے اور جس بات پر وہ احتجاج کرنا چاہیں گے ہمارے لئے تعاون کرنا مشکل ہو گا۔ اس لئے ہمیں الگ سے اپنی شناخت پیدا کرنی چاہیے اور $اپنا دینی اور اسلامی کردار ادا کرتے رہنا چاہیے۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ ہم شریعت گروپ کے عنوان پر اسمبلی میں اپنا رول ادا کرتے ہوئے حکومت اور اپوزیشن کی ہر صحیح بات کی حمایت اور غلط بات کی مذمت کریں گے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد شہباز شریف صاحب نے اسی عنوان پر ہمیں ملاقات کے لئے بلا رکھا تھا۔ جب ان سے بات ہوئی تو انہوں نے وہی پیش کش کی کہ آپ اپوزیشن لیڈر کے عہدہ پر آجائیں ہم آپ سے مل جل کر کام چلائیں گے۔ میں نے کہا میاں صاحب ہماری مجبوری ہے کہ ہم پیپلز پارٹی کے لیڈر نہیں بن سکتے ہیں۔ اس وقت جس جماعت کو عوام مسترد کر چکی ہے۔ ہم اس جماعت کے لیڈر بن کر اپوزیشن کا کردار ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہمارے اس کورے جواب سے میاں صاحب سخت پریشان ہو گئے اور کہنے لگے پھر آپ مسلم لیگ میں شامل ہو جائیں۔ میں نے کہا یہ تو "لوٹا" بننے کے مترادف ہے۔ میں باضابطہ "مسلم اتحاد" کے پلیٹ فارم سے منتخب ہوا ہوں اور مولانا چنیوٹی صاحب نے بھی مسلم لیگ کو شکست دی ہے۔ اس لئے ہم نے شریعت گروپ کے پلیٹ فارم سے اپنا کردار ادا کرنے کا فیصلہ کیا ہے"۔ اگرچہ اس وقت تو اس بات کو میاں صاحب نے سراہا لیکن انہیں ہماری طرف سے پنجاب میں "نورا کشتی" والے انداز میں سیاست نہ کرنے پر دلی رنج ہوا۔ اسی بناء پر سپاہ صحابہؓ کے خلاف ان کا پرانا انتقامی جذبہ لوٹ آیا اور انہوں نے شیخ حاکم علی سمیت مرکزی لیڈروں کی گرفتاری کا آرڈر جاری کر دیا۔ دوسری مرتبہ گرفتاری کے بعد چونگ کے ٹارچر سیل میں مجھے آئی ایس آئی کے ایک بڑے افسر نے بتایا

کہ ہم تو آپ کو اپوزیشن لیڈر کے طور پر لا رہے تھے آپ نے وہ راستہ چھوڑ کر اس راستہ کو اپنا لیا ہے۔ میں نے کہا ہماری سیاست اسلام کے تابع ہے ایسی سیاست سے موت اور جیل اچھی ہے جس سے انسان اپنا ضمیر اور ایمان ضائع کر بیٹھے)

شیخ حاکم علی کی گرفتاری کے لئے چھاپے اور میرا صوبائی اسمبلی میں احتجاج:۔

سپاہ صحابہؓ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی اور کئی دیگر عہدیداران کے گھروں پر پولیس چھاپوں کا سلسلہ شروع ہو گیا میں نے صوبائی اسمبلی میں حکومت کے اس رویے کے خلاف احتجاجی تقریریں کیں اور حکومت کو مشورہ دیا کہ وہ صوبہ میں مذہبی کشیدگی پیدا کرنے والے عوامل سے اجتناب کرے۔ لیکن اگلے ہی چند دنوں میں شیخ محمد اشفاق کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر شیخ اشفاق کی رہائی کے لئے ہماری طرف سے جس قدر بھی کوششیں کی گئیں اور صفائیاں پیش کی گئیں انہیں ہماری کمزوری سمجھا جاتا رہا اور الٹا ہمیں بھی دھمکیاں دی جانے لگیں کہ آپ کا بھی دہشت گردوں سے رابطہ ہے اور آپ بھی تخریب کاری کی سرپرستی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا میں تو اس وقت چل پھر بھی نہیں سکتا ہوں بلکہ بیڈ سے نیچے نہیں اتر سکتا ہوں اور میرے ٹیلی فون پر آپ کی ایجنسیوں نے ابزرویشن (Observation) لگا رکھی ہے میرے گھر پر پولیس کا کڑا پہرہ ہے۔ اس حالت میں بھی اگر دہشت گرد اور اشتہاری مجھ سے ملاقاتیں کرتے ہیں یا فون پر ہدایات لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے ظاہر ہے اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن ان کی مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے کئی بار یہ بات ہوئی کہ ہمارے پاس بہت بڑا ٹیکنیکل مواد ہے جس سے ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مولانا اعظم طارق کا تخریب کاروں سے رابطہ ہے۔ میں نے ہر بار یہی کہا کہ یہ باتیں آپ صرف اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ہم اپنے لیڈروں کی گرفتاری پر احتجاج کر رہے ہیں۔ اور اگر ہم خاموش ہو جائیں تو پھر

آپ ہمارے ایک ایک ساتھی کو ظلم کا نشانہ بناتے اور ہمیں بدنام کرتے رہیں گے۔

پاکستان ٹیلی ویژن پر شیعہ لیڈر کا میرے ساتھ براہ راست مذاکرے سے فرار:۔

مجھے تیسری مرتبہ آپریشن کرائے ابھی صرف پانچ دن ہی گذرے تھے کہ اسلام آباد سے فون آیا کہ زاہد میر صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ زاہد میر کا نام کچھ شناسا سا لگ رہا تھا مگر پوری طرح تعارف نہ تھا۔ میں نے ریسیور کان سے لگایا تو دوسری طرف سے آواز آئی "مولانا! میں زاہد میر بول رہا ہوں۔ میں رکن صوبائی اسمبلی پنجاب ہوں"۔ تب میرے ذہن میں ان کا ہیولا سا آگیا میں نے پوچھا جی کیسے یاد فرمایا؟ تو کہنے لگے کہ آپ نے دیکھا ہو گا کہ میں پاکستان ٹیلی ویژن پر "میزان" کے نام سے ایک پروگرام نشر کرتا ہوں۔ جو براہ راست نشر ہوتا ہے۔ پروگرام میں ہم کسی بھی قومی مسئلہ پر مختلف الخیال سیاستدانوں اور راہنماؤں کو اظہار خیال کی دعوت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنا اپنا نقطہ نظر عوام کے سامنے پیش کر سکیں"۔ میں نے کہا میرے گھر میں ٹیلی ویژن نہیں ہے اور نہ میں ٹیلی ویژن دیکھنے کا شوقین ہوں۔ تاہم آپ جو پروگرام نشر کرتے ہیں اگر واقعتاً ایسا ہے تو بہت اچھا ہے تاکہ عوام کو ہر مسئلہ پر دونوں طرف کے راہنماؤں کا موقف سن کر خود فیصلہ کرنے کا موقع ملے کہ کس کا موقف حقیقت سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے"۔

زاہد میر صاحب نے کہا اب چونکہ محرم الحرام کی آمد آمد ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو اور تحریک جعفریہ کے لیڈروں کو آمنے سامنے بٹھایا جائے اور فرقہ وارانہ فسادات کے عنوان پر گفتگو کی جائے لہٰذا اس بدھ کے روز ۲۳ اپریل کو آپ اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن تشریف لائیں۔

میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا میرا پانچ روز قبل اپریشن ہوا ہے میں تو چارپائی سے اٹھ کر بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اس لئے میرا اس بدھ کو اسلام آباد آنا ممکن نہیں ہے آپ

ہماری جماعت کے قائد مولانا علی شیر حیدری صاحب یا مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے بات کریں تاکہ وہ اس پروگرام کو اٹنڈ (Attend) کرلیں۔ مگران کا اصرار تھا کہ آپ ہی آئیں میں نے صاف معذوری ظاہر کردی تو انہوں نے حضرت قاسمی صاحب سے رابطہ کیا۔ حضرت نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ یہ پروگرام ایک ہفتہ موخر کرلیں۔ لیکن وہ بضد تھے کہ پروگرام اس بدھ کو ضروری ہے اور آپ بھی مولانا محمد اعظم طارق کو حکم دیں کہ وہ تشریف لائیں۔ بالآخر کافی عذر و معذرت کے باوجود میں نے حامی بھرلی کہ میں ۲۳ اپریل کو آنے کو تیار ہوں لیکن آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ تحریک جعفریہ کے قائد ساجد نقوی صاحب ضرور پہنچیں گے۔ انہوں نے کہا ساجد نقوی صاحب سے میری بات ہوگئی ہے وہ تیار ہیں۔ دو روز بعد پھر زاہد میر صاحب کا فون آیا کہ ساجد نقوی تو نہیں آرہے ہیں۔ البتہ تحریک جعفریہ کے جنرل سیکرٹری افتخار نقوی صاحب نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اس مذاکرہ میں شریک ہوں گے۔ میں نے ان سے کہا۔ زاہد میر صاحب! یہ کوئی پہلا موقع نہیں ہے ساجد نقوی صاحب پہلے بھی بارہا قومی اخبارات کے مذاکروں اور مرکزی حکومت کے اہم اجلاسوں میں ہمارے سامنے آنے سے کتراتے رہے ہیں۔ اب پھر وہ انکار کرچکے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ عین وقت پر افتخار نقوی صاحب بھی انکار کردیں گے اور مجھے سخت تکلیف کی حالت میں خواہ مخواہ سفر کی اذیت برداشت کرنا ہوگی۔ زاہد میر صاحب نے کہا ایسا بالکل نہیں ہوگا ہم آج رات سے ٹیلی ویژن پر اس مذاکرہ کے اشتہارات بھی نشر کرنا شروع کررہے ہیں تاکہ عوام اسے دلچسپی سے دیکھ سکیں۔ کئی احباب نے بھی بتایا کہ ٹیلی ویژن پر آپ کے ساتھ افتخار نقوی کے مذاکرہ کے اشتہارات ہر گھنٹہ بعد دکھائے جارہے ہیں۔

اب ۲۳ اپریل شام آٹھ بجے اسلام آباد ٹی وی اسٹیشن پہنچنے کا پروگرام حتمی طور پر طے ہوچکا تھا۔ چنانچہ ہم نے ۲۲ اپریل کو اخبارات میں یہ خبر بھی بھجوادی کہ "کل ۲۳ اپریل کوئی وی پر ہونے والے مذاکرہ کے لئے مولانا اعظم طارق نے شیعہ کی دل آزار کتب جمع

کرنا اور علماء سے ملاقاتیں کرنا شروع کر دی ہیں تاکہ ٹی وی پر اپنے موقف کو ٹھوس انداز میں پیش کیا جا سکے اور مولانا اعظم طارق سخت علیل ہونے کے باعث چلنے پھرنے سے قاصر ہیں لیکن پھر بھی وہ اسلام آباد پہنچ رہے ہیں"۔ ۲۳ اپریل کی صبح جبکہ میری حالت اس قدر خراب تھی کہ میں اپنے قدموں پر کھڑا ہونے سے بھی معذور تھا۔ مجھے میرے ساتھیوں نے گھر کے کمرے سے اپنے بازوؤں پر اٹھا کر کرسی پر بٹھایا اور میری گاڑی تک لے گئے۔ پھر وہاں سے بازوں پر اٹھا کر گاڑی میں بٹھایا۔ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ڈاکٹروں کے لگائے ہوئے درد کے انجیکشن بھی اپنا اثر کھو بیٹھے تھے اور جسم کے مختلف حصوں سے درد کی ٹیسیں اٹھ اٹھ کر مجھے تڑپا رہی تھیں۔ گاڑی فیصل آباد ایئرپورٹ کی طرف فراٹے بھرنے لگی تو معمولی سا جھٹکا بھی میرے وجود کے مختلف حصوں میں پوشیدہ زخموں کے درد کی لہروں کو بیدار کر دیتا تھا۔ بہر حال مجھے کرسی پر بٹھا کر جہاز پر سوار کیا گیا اور اس طرح اسلام آباد ایئرپورٹ سے مولانا غلام محمود صاحب کے گھر لے جایا گیا۔ اسلام آباد کے علماء کرام تشریف لا کر اپنی آراء اور تجاویز دینے لگے۔ اندرون ملک سے ٹیلی فون پر عہدیداران و کارکنان اور علماء کرام کی آراء کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ بیرون ملک برطانیہ، سعودیہ، دبئی اور ابوظہبی سے دوستوں کے فون آ رہے تھے العین عرب امارات سے مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب کے کم از کم پانچ فون آ چکے تھے وہ بہت ہی متفکر تھے اور قابل قدر مشورے دے رہے تھے۔ اور ادھر مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی لال مسجد اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے اور دعاؤں سے نواز رہے تھے۔ تمام علماء کرام اس سے آگاہ تھے کہ آج کا مذاکرہ ایک بین الاقوامی مذاکرہ ہے۔ اس میں کسی طور پر بھی ایسی بات نہ ہو جائے جس سے اہل سنت والجماعت کو خفت کا سامنا کرنا پڑے۔ میں ان کو یقین دلا رہا تھا کہ انشاء اللہ العزیز آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ نصیب فرمائیں گے اور آج سپاہ صحابہؓ کی فتح کا پھریرا بلند ہو گا۔

اس مذاکرہ کے لئے میں کس قدر تیاری کر چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک طرف میرے دو عدد بڑے بیگ شیعہ کتب سے بھرے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سپاہ صحابہؓ کی گیارہ سالہ زندگی کا گوشوارہ اور تمام سیاسی معاملات سمیت سابقہ امن کمیٹیوں کی رپورٹیں میرے ہمراہ تھیں نیز سپاہ صحابہؓ کے قیام سے اب تک کے مخالف حلقوں سے جو الزامات سپاہ صحابہؓ پر لگائے جا رہے تھے ان تمام کے جوابات مدلل انداز میں موجود تھے۔ ادھر ہم نے معلومات حاصل کیں کہ شیعوں کی طرف سے کس قسم کی تیاریاں جاری ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ کافی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں۔ شاید ان کا پروگرام ہے کہ وہ ٹی وی اسٹیشن کا گھیراؤ کیے رکھیں گے تاکہ میں ذہنی طور پر دباؤ کا شکار رہوں اور اگر کوئی "ایسی ویسی" بات میرے منہ سے نکل جائے تو وہ فوراً ٹی وی اسٹیشن پر چڑھ دوڑیں میں نے ساتھیوں سے کہا کہ وہ بھی تیاری کریں اور ٹی وی اسٹیشن پر اپنی زیادہ سے زیادہ حاضری یقینی بنائیں۔ جہاں تک ذہنی دباؤ کی بات ہے انشاء اللہ العزیز میں آج ایسے ایسے حقائق بیان کروں گا کہ لوگ صدیوں تک یاد رکھیں گے اور ہمارا موقف دنیا کے سامنے واضح ہو جائے گا۔ اور مجھے سو فی صد یقین ہے کہ۔۔ بقول شاعر

طوفاں سے الجھنے کبھی ساحل نہیں آتا
جھوٹا ہو تو پھر سچ کے مقابل نہیں آتا
تاریخ زمانہ سے یہ ثابت ہے حقیقت
حق سامنے ہو تو کبھی باطل نہیں آتا

بعد نماز مغرب پولیس کی دو گاڑیاں ہمیں لینے پہنچ گئیں۔ چنانچہ ان کے ہمراہ میں روانہ ہوا۔ ٹی وی اسٹیشن پر افسران بالا نے میرا استقبال کیا اور ویل چیرء پر مجھے بٹھا کر ایک کھلے دفتر میں لے گئے۔ جہاں اسلام آباد انتظامیہ اور پولیس کے حکام براجمان تھے۔ ان حضرات نے

اس قدر زخموں اور تکلیف کی حالت میں سفر کرنے پر میرا شکریہ ادا کیا اور میرے جذبے کو سراہا کہ میں نے ایک قومی مسئلہ پر گفتگو کے لئے یہ تکلیف اٹھائی، اس کے بعد ٹی وی حکام نے فون پر افتخار نقوی صاحب سے رابطہ کیا کہ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ تو جواب ملا کہ بس چلنے ہی والے ہیں قریباً دس منٹ بعد پھر فون پر صورت حال معلوم کی تو جواب ملا کہ تیاری جاری ہے۔ ٹی وی حکام نے ان سے کہا آپ کا شدت سے انتظار ہو رہا ہے کیونکہ مولانا اعظم طارق صاحب پہنچ گئے ہیں۔ یہ بات سنتے ہی یوں لگا جیسے دوسری جانب والے شخص کو بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔ اس نے پوچھا کیا مولانا طارق واقعی پہنچ گئے ہیں؟ ہم نے تو سنا تھا کہ وہ چلنے پھرنے سے قاصر ہیں اور نہیں پہنچ سکیں گے۔ تو انہیں بتایا گیا کہ وہ واقعتاً چل پھر نہیں سکتے ہیں مگر وہ پہنچ گئے ہیں۔ ادھر سے نہایت مریل سی آواز میں جواب ملا۔ ہم دس منٹ بعد سوچ کر آپ کو بتاتے ہیں کہ ہمارا کیا پروگرام ہے۔ اس پر ٹی وی حکام کے چہروں پر گھبراہٹ و پریشانی کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے اور وہ فون پر ہونے والی گفتگو پر تبصرہ کرنے لگے کہ کیا وجہ ہے ابھی تو شیعہ لیڈر افتخار نقوی صاحب اپنی آمد آمد کی باتیں کر رہے تھے اور آج سارا دن ہر گھنٹے کے بعد ہم سے پروگرام کے بارے میں معلومات لیتے رہے ہیں۔ اب عین وقت پر جب یہ سنا ہے کہ مولانا طارق پہنچ گئے ہیں تو کہا جا رہا ہے کہ ہم سوچ کر بتاتے ہیں میں نے ان کی یہ باتیں سن کر کہا میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ لوگ نہیں آئیں گے۔ آپ لوگ مجھے تکلیف میں مبتلا نہ کریں مگر آپ لوگ ماننے کو تیار ہی نہ تھے۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد پھر فون کا نمبر ڈائل کیا گیا اور ٹی وی حکام نے افتخار نقوی سے بات کرتے ہوئے کہا جناب پونے نو بج رہے ہیں۔ آپ کی شدت سے انتظار ہے۔ آپ جلدی پہنچیں تاکہ پروگرام سے قبل چند ضروری باتیں طے کر لی جائیں۔ تو آگے سے افتخار نقوی صاحب نے جواب دیا کہ ہماری جماعت کی اہم میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ چونکہ مولانا طارق صاحب "گستاخ امام زمانہ" ہیں لہٰذا ان کے ساتھ مذاکرے میں ہم نہیں بیٹھیں گے۔

ٹی وی حکام نے کہا۔ جناب والا یہ اعتراض تو آپ کو چار پانچ روز قبل اٹھانا چاہیے تھا۔ اب تو ساری دنیا میں اس مذاکرہ کا انتظار ہو رہا ہے اور کچھ دیر قبل تک آپ آنے کو تیار بھی تھے۔ اگر آپ نہیں آئیں گے تو تمام پروگرام تباہ ہو جائے گا۔ مگر ادھر سے مسلسل انکار جاری تھا۔ چونکہ فون پر ہونے والی گفتگو میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ میں نے ٹی وی حکام کے ذریعہ نقوی صاحب کو کہلوایا کہ آپ آ جائیں۔ چلو آج اس عنوان پر بات کر لیتے ہیں کہ امام مہدی کا گستاخ کون ہے؟ مگر ٹی وی حکام کی ہزار منتوں سماجتوں اور اپیلوں کے باوجود ادھر سے ایک ہی جواب تھا کہ "ہم نہیں آ سکتے"۔ بالآخر مایوس ہو کر مجھے حکام نے کہا! ہم جو آج تک سنتے آئے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ واقعی یہ لوگ "میدان دے چتو" ہیں اور بہت بڑے دھوکے باز اور چالباز ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ یہ لوگ اپنی جماعت کے اتنے بڑے علامہ اور لیڈر ہو کر اس قدر غلط بیانی اور وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ آج واقعتاً آپ کی اخلاقی فتح کا دن ہے۔ اب میں نے کہا کہ اگر شیعہ لیڈر نہیں آئے ہیں تو آپ پروگرام شروع کریں اور مجھے اپنا نظریہ پیش کرنے کا موقع دیں۔ انہوں نے اس بات سے اتفاق کیا اور وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات مشاہد حسین سے فون پر بات کی کہ ایسے کیوں نہ کر لیا جائے۔ مشاہد حسین جو ایک متعصب شیعہ ہیں۔ انہوں نے کہا ہرگز نہیں۔ ہم مولانا اعظم طارق صاحب کو وقت نہیں دے سکتے۔ لہٰذا ٹی وی پر اعلان نشر کر دیں کہ "مذاکرا کا پروگرام ناگزیر وجوہات کی بناء پر پیش نہیں کیا جا سکتا ہے۔" ٹی وی حکام کی پریشانی قابل دید تھی۔ ادھر میں ان پر چڑھائی کر رہا تھا مگر ان کے پاس کہنے کو صرف یہ الفاظ تھے کہ مولانا! آپ جو کہیں صحیح ہے۔ ہم مجبور ہیں۔ ہمارے دل تو آپ کے ساتھ ہیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا اگر آج خدانخواستہ میں نہ پہنچتا اور شیعہ لیڈر آ جاتا تو آپ یک طرفہ طور پر نہ صرف ٹی وی پر اسے وقت دیتے بلکہ یہاں تک کہتے کہ سپاہ صحابہؓ والے فرار ہو گئے ہیں۔ ٹی وی حکام نے کہا یہ بات بھی آپ کی بالکل بجا ہے مگر اس

وقت ہم کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔

مجبوراً ٹی وی اسٹیشن سے ہم نے اخبارات کے دفاتر کا رخ کیا اور رات بارہ بجے تک اخبارات کو تمام کاروائی سے مطلع کرتے رہے تاکہ صبح کو عوام کے سامنے ہمارا نقطہ نظر آسکے۔ اور ایک بجے شب حافظ نصیر احمد صاحب کے گھر اسلام آباد پہنچے تو وہاں بھی ٹیلیفون کالوں کی بھرمار تھی۔ دنیا بھر سے لوگ پریشانی کے عالم میں یہ معلوم کر رہے تھے کہ پروگرام کیوں نشر نہیں ہوا جب انہیں شیعہ کے فرار کی خبر سنائی جاتی تو وہ خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے کہتے آج ثابت ہو گیا ہے کہ باطل حق کے مقابلہ میں آنے سے قاصر ہے۔

عظیم ڈاکٹر سرجن محسن گھیانہ صاحب:۔

سرزمین جھنگ سے اٹھنے والے علمی، سیاسی اور مذہبی میدان کے نامور شہ سوار جہاں دنیا بھر میں اپنی قابلیت کا لوہا منوا چکے ہیں۔ وہاں سرجری کے شعبہ میں ڈاکٹر محسن گھیانہ صاحب بھی بین الاقوامی سطح پر اپنا ایک مقام پیدا کر چکے ہیں۔ گذشتہ صفحات میں میرے معالج کی حیثیت سے ان کا مختصر تذکرہ ہوا تو میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کا تعارف کراتا چلوں۔ گھیانہ صاحب صرف ایک ماہر سرجن ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ادیب و مصنف ہیں۔ زیادہ تر موصوف نے اپنے سفرناموں یا اپنے تعلیمی دور اور ذاتی حالات کے عنوان پر قلم اٹھایا ہے۔ آپ کا انداز بیان اس قدر دلچسپ ہے اور کتب میں اپنی ذات سے ہٹ کر گرد و پیش کے نظائر پر اس انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود ان حسین و رنگین وادیوں اور نادیدہ دیس کی فضاؤں میں گھوم رہا ہے۔

گھیانہ صاحب طبعاً ایک خلیق، خوش طبع خوبصورت و خوب سیرت انسان ہیں۔ وہ دوستوں کی محفل میں توجہ کا مرکز ہوتے ہیں۔ مریض کی دیکھ بھال کرتے ہوئے ایک عظیم

مسیحا نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے میرے علاج معالجہ میں مخلصانہ طور پر رات دن ایک کر دیئے۔ میں اس پر دل کی گہرائیوں سے ان کا ممنون ہوں۔ انہوں نے صرف علاج ہی نہیں کیا بلکہ مجھ پر اپنی محبت کا جادو بھی کر دیا ہے۔ شاید اس جادو کا اثر ہے کہ میں اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بھی انہیں یاد رکھے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین!

شیخ حاکم علی اور یوسف مجاہد کی گرفتاری:۔

۲۷۔ اپریل کو میرے سابق سیکرٹری محمد یوسف فاروقی کی شادی خانہ آبادی ہونا قرار پائی تھی۔ اس کے باوجود کہ میں چلنے پھرنے سے معذور تھا تاہم بعد نماز عشاء اس کے گھر پہنچا۔ علاقہ کے ممبران صوبائی اسمبلی اور سپاہ صحابہؓ کے مرکزی عہدیداران موجود تھے۔ کھانے پر پابندی کے سرکاری احکامات کے باوجود ہلکا پھلکا کھانا مہمانوں کو کھلایا گیا۔ اسی دوران موسلادھار بارش شروع ہو گئی تو میں وہاں سے اپنی گاڑی پر سوار ہو کر چلا آیا۔ کچھ دیر بعد شیخ حاکم علی صاحب اور یوسف مجاہد صاحب بھی چلے آئے۔ رات دو بجے فون کی گھنٹی بجی۔ رسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے شیخ حاکم علی صاحب بول رہے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس میرے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اور نظربندی کے آرڈر لے کر مجسٹریٹ صاحب آئے ہوئے ہیں۔ جو دیواریں پھلانگ کر گھر میں بلا اجازت داخل ہوئے ہیں۔ میں نے پولیس انسپکٹر سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ اوپر سے آرڈروں کے تحت ہم آئے ہیں۔ لہٰذا شیخ صاحب سے کہیں کہ جھگڑنے یا ضد کرنے کی ضرورت نہیں گرفتاری پیش کر دیں۔ میں نے شیخ صاحب کو فون پر کہا کہ یہ سب کچھ لاہور میں بیٹھے لوگ کرا رہے ہیں۔ لہٰذا ان ماتحت افسران سے الجھنے کا فائدہ نہیں ہے۔ آپ گرفتاری دے دیں۔ چنانچہ شیخ صاحب

نے گرفتاری پیش کردی۔ میں نے فوراً یوسف مجاہد کے گھر فون کیا تاکہ انہیں خبردار کردوں تو معلوم ہوا کہ انہیں پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے۔ باقی ذمہ داران سے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ پولیس ان کے ہاں نہیں آئی ہے۔ اب حکومت پنجاب تین مرکزی راہنماؤں کو گرفتار کر چکی تھی۔ میں نے صبح پریس کانفرنس کی اور حکومت کو وارننگ دی کہ بلاوجہ سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں کی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے راہنما رہا نہ کیے گئے تو میں اس بیماری کی حالت میں لاہور اور دوسرے شہروں میں احتجاج کے لئے سڑکوں پر آجاؤں گا۔

سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس:۔

سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس کئی روز پہلے سے ۳۰ اپریل کو ٹوبہ ٹیک سنگھ بلا لیا گیا تھا۔ چنانچہ زخموں کی حالت میں سخت تکلیف کے باوجود میں اجلاس میں پہنچا۔ جہاں چاروں صوبوں سے جماعت کی شوریٰ کے ارکان آئے ہوئے تھے۔ اس اجلاس میں سپاہ صحابہؓ کا ترمیمی دستور جسے پندرہ روز قبل دستور کمیٹی کافی غور و خوض کے بعد مرتب کر چکی تھی۔ شوریٰ کے اجلاس میں پیش ہوا، جسے منظور کر لیا گیا۔ مرکزی عاملہ کے نئے انتخابات مرکزی راہنماؤں کی گرفتاری کے باعث ملتوی کر دیئے گئے اور راہنماؤں کی رہائی کے مسئلہ پر غور و خوض ہونے لگا تو میں نے شرکاء اجلاس کو بتایا کہ یکم مئی کو وزیر اعلیٰ نے سپاہ صحابہؓ کے راہنماؤں اور دیگر علماء کرام کا اجلاس طلب کیا ہے اگر جماعت کی شوریٰ ہمیں شرکت کی اجازت دے تو اس اجلاس میں اس مسئلہ کو اٹھایا جائے گا اگر رہائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو پھر جماعت احتجاج کا فیصلہ کر لے گی۔ شوریٰ کے اس اجلاس میں از سر نو رکنیت سازی کی منظوری کے بعد تمام شرکاء میں رکنیت سازی کی کاپیاں تقسیم کی گئیں تاکہ اپنے اپنے علاقوں میں رکنیت سازی کا آغاز کیا جا سکے۔

وزیر اعلیٰ پنجاب سے سپاہ صحابہؓ کے وفد کی ملاقات اور صوبائی افسران سے نوک جھونک:-

۲۸-اپریل کو وزیر اعلیٰ پنجاب کی طرف سے یکم مئی کے اہم اجلاس کی اطلاع ملنے پر میں نے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کیا اور آہستہ آہستہ چلنے کی مشق شروع کر دی۔ تاکہ جب سیون کلب لاہور میں شیعہ لیڈروں کے آمنے سامنے بیٹھنے کا موقع ہو تو میں خود چل کر وہاں جاؤں۔ دشمن میری صحت یابی پر پریشان ہو جائے۔ کیونکہ دشمن کو تقریباً دو سال کے بعد مجھے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے لہٰذا اسے اس بات کی خوشی نہیں ہونی چاہیے کہ میں چلنے سے معذور ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں اس مقصد میں کامیاب ہو گیا اور ے کلب میں خود آہستہ آہستہ چلتا ہوا داخل ہوا۔ لیکن اس روز صرف سپاہ صحابہؓ کے وفد سے الگ ملاقات کا اہتمام کیا گیا تھا۔

سپاہ صحابہؓ کے وفد میں قائد سپاہ صحابہؓ علامہ علی شیر حیدری، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا محمد احمد لدھیانوی، اقبال صدیقی شہید اور راقم کے علاوہ چند اور احباب بھی تھے۔ ہمارے علاوہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے مولانا عبدالرحمٰن اشرفی، مولانا فضل الرحیم اشرفی، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور دیگر علماء کرام بھی مدعو تھے۔ اس موقع پر ہم نے کھل کر اپنا موقف پیش کیا۔ شیخ حاکم علی صاحب، یوسف مجاہد کی گرفتاری اور سپاہ صحابہؓ سے ہونے والی زیادتیوں، شیخ محمد اشفاق کی ڈیڑھ ماہ قبل گرفتاری اور چوہنگ بھیجے جانے پر احتجاج کیا۔ اس دوران چوہنگ سینٹر کے انچارج ڈی۔ آئی۔ جی سی۔ آئی۔ ڈی میجر مشتاق احمد نے کہا ہمارے پاس تو اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ سپاہ صحابہؓ کی قیادت تخریب کاروں کی سرپرستی کرتی ہے۔ حضرت قاسمی صاحب مدظلہ نے جواب دیا کہ ہم آپ کا چیلنج قبول کرتے ہیں۔

آپ یہ ثبوت لائیں۔ ادھر میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا "ایسا دعویٰ پہلے بھی بہت دفعہ کیا گیا ہے لیکن کبھی بھی آپ لوگ کسی موقعہ پر اپنا یہ دعویٰ ثابت نہیں کر سکے ہیں۔" اخبارات میں بیانات دینا الزامات عائد کرنا آسان ہے۔ وزیر اعلیٰ کی موجودگی میں ہمارے سامنے آپ بات کریں پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ حقائق کیا ہیں؟ میں نے وزیر اعلیٰ صاحب کو مخاطب کر کے کہا جناب! اس طرح کے افسران ہر حکومت کو گمراہ کرتے ہیں۔ آج سے سوا سال قبل S.S.P لاہور نے سپاہ صحابہؓ کے پانچ لڑکے گرفتار کر کے پریس کانفرنس میں دعویٰ کیا تھا کہ "یہ نوجوان کرکٹ ورلڈ کپ کے فائنل میچ کے موقع پر وزیر اعظم بے نظیر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور ان سے خطرناک اسلحہ برآمد ہوا ہے جبکہ اس وقت آپ کے مسلم لیگی رکن اسمبلی میاں معراج دین نے انہیں خالی ہاتھ پولیس کو پیش کیا تھا۔ اس سے آپ اندازہ کر لیں کہ یہ لوگ حکمران طبقہ اور عوام کی آنکھوں میں کس قدر دھول جھونکتے ہیں۔ ہماری اس چڑھائی سے میجر مشتاق صاحب بغلیں جھانکنے لگے لیکن آہستہ آہستہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگے میں ثابت کر کے دکھاؤں گا۔

وزیر اعلیٰ نے امن و امان کے حوالہ سے گفتگو کی اور صوبہ میں شیعہ سنی عنوان پر ہونے والی قتل و غارت گری پر تشویش کا اظہار کیا اور سپاہ صحابہؓ سے تعاون کے خواستگار ہوئے۔ جس پر ہم نے انہیں غیر مشروط تعاون کا یقین دلایا انہوں نے سوال کیا کہ "میں شیعہ لیڈران کے ہمراہ آپ لوگوں کو بٹھا کر کوئی متفقہ امن فارمولہ تیار کرانا چاہتا ہوں آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟ ہم نے کہا ہم بالکل اس مقصد کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ طے پایا کہ ۵ مئی کو دوبارہ اہم اجلاس طلب کیا جائے گا۔ جس میں فریقین شریک ہوں گے۔

اس کے بعد وزیر اعلیٰ (میاں شہباز شریف) نے مجھے علیحدہ لے جا کر کہا میں آپ سے تعاون کا طلبگار ہوں۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ میں آپ سے مخلصانہ تعاون کرونگا۔ شرط یہ ہے کہ آپ انتظامیہ کے افسران کی باتوں میں نہ آئیں۔ انہوں نے کہا میں آپ کو

ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ہم بھی آپ کے اعتماد پر پورا اتریں گے اور ملک میں مذہبی فسادات کے خاتمہ کے لئے ہر ممکن تعاون کریں گے۔

علماء کرام کے اہم اجلاس میں شیعہ کے چہرہ سے تقیہ کی چادر تار تار:۔

یکم مئی کو لاہور کے مذکورہ اجلاس سے واپسی پر اگلے روز جھنگ میں جمعہ کا خطبہ دیا اور چار مئی اتوار کے روز مولانا عبد الغفور جھنگوی کے بھائی کا نکاح پڑھانے کے بعد بچوں سمیت چیچہ وطنی روانہ ہو گیا۔ آبائی گاؤں میں عرصہ ڈیڑھ سال بعد یہ میری پہلی آمد تھی اس سے ساڑھے تین ماہ قبل والدہ کے جنازہ کے موقع پر تین یوم کے لئے پیرول پر رہا ہو کر آیا تھا لیکن اس وقت میں چلنے پھرنے کے قابل نہ تھا۔ چنانچہ اب جب گاؤں پہنچا تو دیہات کے لوگ جوق در جوق ملنے کے لئے آنے لگے اسلئے مسجد سے اعلان کرایا گیا کہ بعد عشاء مسجد میں تقریر ہو گی وہیں ملاقات بھی ہو جائے گی۔ گاؤں کے بچے، بوڑھے اور جوان مجھے چلتا پھرتا دیکھ کر بہت خوش تھے کیونکہ انہیں اس بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ میری ٹانگیں ٹھیک ہو چکی ہیں۔ گو کہ اب بھی زخم کافی گہرے تھے۔ تاہم آسانی سے میں آہستہ آہستہ چل سکتا تھا۔ دن میں دو تین پٹیاں تبدیل ہوتی تھیں۔

اگلے روز صبح لاہور روانہ ہوئے اور ساڑھے نو بجے اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچ گئے۔ سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر جب جائے اجلاس پر پہنچا تو علماء کرام کی ایک بڑی تعداد نے والہانہ استقبال کیا اور صحت یابی پر مبارک باد دی۔ ادھر تحریک جعفریہ اور سپاہ محمد کے لیڈران مجھے اس حالت میں دیکھ کر دنگ رہ گئے اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں کیونکہ ان کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ کبھی بھی اس اجلاس میں شریک نہیں ہونگے۔ جہاں ان کے امام زمانہ کا گستاخ اعظم طارق ہو گا۔ لیکن یہاں اب ان کی حالت "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" والی تھی۔

وزیر اعلیٰ پنجاب اچانک گذشتہ رات اپنے والد صاحب کی صحت کی خرابی کے باعث لندن جا چکے تھے۔ اس اجلاس کی صدارت سینئر وزیر سردار ذوالفقار کھوسہ کر رہے تھے۔ مہمان خصوصی مشاہد حسین وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات تھے۔ چنانچہ اجلاس میں ہر جماعت سے ایک شخص کو بات کرنے کا موقع دیا گیا۔ سپاہ صحابہ کی طرف سے مولانا ضیاء القاسمی صاحب نے نمائندگی کی۔ تحریک جعفریہ کی طرف سے افتخار نقوی نے لکھی ہوئی تقریر پڑھی جس میں انہوں نے کہا کہ صحیح بخاری میں بھی روایات ہیں جس میں صحابہؓ کی توہین پائی جاتی ہے تو اس پر انہیں سب علماء نے ٹوکا کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ افتخار نقوی کی لکھی تقریر کافی غیر سنجیدہ اور بے معنی سی تھی۔ پھر سپاہ محمد کے صدر منور عباس علوی نے تقریر کی تو اس نے یہاں تک کہدیا کہ میں صاف طور پر کہنا چاہتا ہوں کہ "ہم حضرت ابوبکر حضرت عمر، حضرت عثمان کو صحابی تو مانتے ہیں خلیفہ راشد نہیں مانتے ہیں" اس کا یہ کہنا تھا کہ تمام بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث علماء نے لاحول ولاقوۃ پڑھتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ یہ سراسر کفر ہے اور جماعت اہل سنت کے راہنما صاحبزادہ محمد افضل نے کہا پھر ہم آپ کو کافر مانتے ہیں ان کی حمایت میں کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ میں نے کہا جناب یہی ہمارا قصور ہے۔ ہمیں آج تک اس جرم کی سزا دی گئی ہے جبکہ آج بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔ آپ خود سن رہے ہیں کہ ہم سب کی موجودگی میں یہ لوگ یہاں تک جرات کر چکے ہیں ویسے کیا کچھ کرتے ہوں گے۔ اجلاس کا ماحول سخت کشیدہ ہو چکا تھا۔ سیاست دان حکمران اور انتظامیہ کے صوبائی افسران و پولیس افسران بھی اس ناپاک جسارت سے سخت کبیدہ خاطر ہوئے۔ لیکن ان کی کوشش تھی کہ بات ٹل جائے لیکن ماحول ٹھنڈا نہیں ہو پا رہا تھا۔

چنانچہ جلدی ہی جلدی میں دو چار دیگر مقررین کو وقت دیا گیا۔ ان کی تقاریر کے بعد سپاہ صحابہؓ کی طرف سے اور چند دیگر علماء کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ مولانا اعظم طارق کو کچھ کہنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن پوری شیعت بھڑک اٹھی کہ نہیں ہم مولانا اعظم طارق کی

بات نہیں سنیں گے۔ آخر مجبوراً انہوں نے کہا اگر انہوں نے تقریر کی تو ہماری طرف سے فلاں صاحب تقریر کریں گے۔ چنانچہ اس شرط کو منظور کر کے مجھے بولنے کا موقع دیا گیا تو میں نے ایک تو امام مہدی کے عنوان پر اپنے نقطہ نظر کو بیان کر کے کہا کہ کوئی بھی اہل سنت کے عالم دین اگر میرے اس نقطہ نظر سے اختلاف رکھتے ہیں تو بے شک وہ مجھے ٹوک دیں۔ دوسری بات میں نے یہ کہی کہ اس اجلاس سے اب بھرپور فائدہ اسی صورت میں اٹھایا جا سکتا ہے کہ ہم ایک ایسا ضابطہ اخلاق تیار کریں جس پر حکومت قانون سازی کرے تاکہ مذہبی فسادات کا سبب بننے والے عوامل کا خاتمہ ہو سکے۔ میری اس تجویز کو سراہا گیا۔ بعد میں شیعہ کے راہنما نے اتحاد واخوت کے موضوع پر رٹے رٹائے چند جملے کہے اور اجلاس کی پہلی نشست اختتام کو پہنچی۔

جب ہم کھانے پر علماء سنت کے ہمراہ بیٹھے تو انہوں نے ہمیں مبارک باد دی کہ آج شیعہ نے اپنے بد عقیدہ کا اظہار کر کے سپاہ صحابہؓ کے موقف کو سچا ثابت کر دیا ہے۔ دوسری طرف ہم دیکھ رہے تھے کہ منور عباس علوی کو تمام شیعہ لیڈر کوسنے دینے میں مصروف تھے کہ تم نے بیڑا غرق کر دیا ہے اور وہ بار بار کہہ رہے تھے کہ کیا ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ اگر ہم خلفاء ثلاثہ کو خلفاء راشدین مان لیں تو پھر ہمارا سینوں کے ساتھ جھگڑا کیسا؟ لیکن اسے سمجھایا جا رہا تھا کہ عقیدہ اپنی جگہ (امام باڑے میں) یہی ہے یہاں اس کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

چنانچہ نماز ظہر کے بعد پھر اجلاس بلایا گیا کہ ہر جماعت کے دو دو نمائندے شریک ہوں تاکہ ضابطہ اخلاق مرتب کیا جائے چنانچہ اب جب محض چند نمائندوں کا اجلاس صوبائی وزیر مذہبی امور واوقاف صاحبزادہ فضل کریم کی صدارت میں شروع ہوا تو منور عباس علوی نے کہا میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ اسے اجازت دی گئی تو اس نے کہا میں اپنے قائد افتخار نقوی صاحب کے کہنے پر یہ کہہ رہا ہوں کہ میرے الفاظ سے جن حضرات کے جذبات

مجروح ہوئے ہیں میں ان سے معذرت خواہ ہوں۔ اس پر میں نے کہا ایسے نہیں ہو گا بلکہ آپ یہ کہیں کہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ خلیفہ راشد ہیں اور میں نے پہلے غلط کہا تھا"۔ اس پر منور عباس علوی نے پھر کہہ دیا کہ خلیفہ راشد میں انہیں نہیں مانتا ہوں۔ بس اس کا اتنا کہنا تھا کہ پھر ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ ہم کھڑے ہو گئے کہ ہم لوگ ان کے ساتھ اب بیٹھنے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ باقی علماء بھی کھڑے ہو گئے۔ اس پر ایک مرتبہ پھر منور علوی پر لعن طعن شروع ہو گئی اور خود شیعہ لیڈر اسے ملامت کرنے لگ گئے۔ ضابطہ اخلاق مرتب کرتے وقت میں نے پوری لڑائی لڑ کر "حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کی خلافت خلافت راشدہ ہے اس کا ماننا ضروریات اسلام میں سے ہے" کی عبارت لکھوائی اور کوشش کی کہ کسی بھی صورت ضابطہ اخلاق کی عبارت سپاہ صحابہؓ کے موقف سے ہٹنے نہ پائے۔ چنانچہ جب اس ضابطہ اخلاق پر دستخط کی باری آئی تو پھر شیعہ جماعتیں ڈٹ گئیں کہ ہم اس پر دستخط نہیں کریں گے۔ مگر بالآخر انہیں اس پر دستخط کرنے پڑے۔

اب اجلاس کے اختتام پر حکومت کے وزیروں اور افسران بالا نے صحافیوں کو بریفنگ دینا شروع کی تو مجھے کہا کہ آپ افتخار نقوی کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر تصویر بنوائیں میں نے کہا میں ہرگز ایسا کرنے کو تیار نہیں۔ ایک تو شیعہ لوگ آج اپنے عقیدے کا علماء کے سامنے اظہار کر کے اپنی حقیقت سے سب کو آگاہ کر چکے ہیں۔ اس لئے میں ان کو مسلمان نہ سمجھتا تھا نہ سمجھتا ہوں۔ دوسرے ویسے بھی تصویر کشی حرام ہے۔ لہٰذا میں تصویر نہیں بنواتا ہوں۔ میری اس بات سے اخباری نمائندوں کو بھی پتہ چل گیا کہ اندر اجلاس میں کس بات پر جھگڑا ہو رہا تھا۔

حکومت کو میرے اس انداز سے سخت تکلیف ہوئی اور بقول ان کے "ہمارے سارے کیے کرائے پر آپ نے پانی پھیر دیا" میں نے کہا پانی انہوں نے پھیرا ہے جنہوں نے آج کے اجلاس میں تبرا کیا ہے میں تو اس بات پر شرمندہ ہوں کہ اس تبرا کے باوجود میں وہاں بیٹھا

کیوں رہا۔ اس بات کے پیش نظر حکومت نے مجھے اس گستاخی کا مزہ چکھانے کا فیصلہ کر لیا۔

شیخ عرفان کے گھر تین مرتبہ آمد۔ تینوں مرتبہ گرفتاری:۔

گوجرانوالہ میں میرے ایک دوست شیخ عرفان صاحب رہتے ہیں۔ جن کا ذکر روپوشی کے دوران اور ۲۰ نومبر ۱۹۹۵ء کو گرفتاری سے ایک رات قبل کے عنوان پر گذر چکا ہے۔ اب کے صحت یابی کے بعد ان کا اصرار تھا کہ میں ان کی دعوت قبول کروں۔ میں نے انہیں جھنگ سے ہی فون پر بتایا کہ میں پانچ مئی کو لاہور آرہا ہوں۔ اجلاس سے فارغ ہو کر میں رات کا قیام آپ کے پاس کروں گا تاکہ اگلے دن پھر لاہور جاسکوں۔

چنانچہ وہ مجھے لینے کے لئے اسٹیٹ گیسٹ ہاؤس پہنچے ہوئے تھے۔ ادھر میں نے لاہور پہنچتے ہی اپنے ہمراہ پولیس اسکواڈ کی گاڑیوں کے انچارج کو بتادیا تھا کہ اجلاس کے بعد مجھے گوجرانوالہ جانا ہے آپ گوجرانوالہ پولیس کو اطلاع کردیں۔

چنانچہ شیخ عرفان کے ہمراہ پولیس کی آٹھ گاڑیوں کی اسکواڈ کے ساتھ گوجرانوالہ کی طرف روانہ ہوئے گوجرنوالہ کی حدود سے وہاں کی پولیس ہمراہ ہوگئی اور ہم مغرب کے وقت شیخ عرفان کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ مغرب کی نماز ادا کی ہی تھی کہ D.S.P سٹی آگئے۔ انہوں نے سکیورٹی کا جائزہ لیا۔ مکان کی چھت پر پولیس اہلکار کھڑے کیے۔ گھر کے باہر پولیس کا ناکہ لگایا کہ کوئی مشکوک یا غیر متعلقہ شخص اس گلی میں بھی نہ آئے۔ اس دوران S.S.P گوجرانوالہ اشرف مارتھ صاحب کا فون آگیا اور انہوں نے انتظامات کے بارے میں پوچھا تو D.S.P صاحب نے انہیں تفصیلات سے آگاہ کردیا اور بتایا کہ اپنی طرف سے سیکورٹی کے انتظامات سخت کرادیئے ہیں۔ چنانچہ تسلی بخش انتظامات کرانے کے بعد وہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر واپس چلے گئے۔

رات گذر گئی صبح کو ناشتہ کرکے جب ہم گاڑیوں پر سوار ہو کر لاہور کی طرف روانہ

ہونے لگے تو پولیس اسکواڈ کے انچارج نے میرے کان میں بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے S.S.P گوجرانوالہ اشرف مارتھ صاحب اور ان کے گن مینوں کو فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا آپ جلدی شہر سے باہر چلے جائیں تاکہ ہم بعد میں اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔ اشرف مارتھ صاحب کے حادثے کی خبر سن کر میں بھونچکا رہ گیا۔ ادھر جب میں لاہور پہنچا تو دوپہر کے اخبارات میں S.S.P کے قتل کی خبروں کے ساتھ یہ خبر بھی موجود تھی کہ "چند گھنٹے قبل S.S.P سے مولانا اعظم طارق کی ملاقات ہوئی"۔ حالانکہ میری زندگی بھر ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ پھر اسی روز شام کو مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں تین مرتبہ شیخ عرفان صاحب کے گھر مہمان بنا ہوں اور ان کے گھر میں گذاری گئی ہر رات کے بعد اگلی رات میں نے پولیس کی تحویل میں گذاری ہے۔ یہ ایسا اتفاق ہے کہ جس پر میرے ساتھی شیخ عرفان کی دعوت کو مذاقاً منحوس قرار دیتے ہیں مگر اس کے اخلاص کا پہلے بھی قائل تھا۔ اب بھی قائل ہوں۔ کیونکہ اس نوجوان کو مجھ سے دوستی کا بڑا مہنگا خمیازہ بھگتنا پڑا اور کئی روز تک پولیس کی تحویل میں تشدد کا نشانہ بننا پڑا لیکن آج بھی اس کے جذبات تازہ ہیں۔ ادھر میرے دل میں بھی اس کی محبت کا چراغ روشن ہے۔



پھر وہی کنج قفس پھر وہی صیاد کا گھر

فروری ۹۵ء کے بعد تیسری گرفتاری۔ پولیس حکام کی کذب بیانی:۔

زندان و قفس سے ہمیں اتنا نہ ڈراؤ
ہم لوگ کبھی تیر و کماں سے نہیں ڈرتے

ہم لوگ شہیدوں کی وراثت کے امیں ہیں
صدموں کے کسی کوہ گراں سے نہیں ڈرتے

ہم گلشن ہستی کو سجاتے ہیں لہو سے
یعنی کسی پت جھڑ سے، خزاں سے نہیں ڈرتے

ہم قافلے والے تو الجھتے ہیں ستم سے
چلتے ہیں تو اندیشہ جاں سے نہیں ڈرتے

جو جان ہتھیلی پہ لئے پھرتے ہوں لوگو!
وہ لوگ کبھی سود و زیاں سے نہیں ڈرتے

ہم جسم پہ ہر مشق ستم جھیل چکے ہیں
زخموں کے کسی سیل رواں سے نہیں ڈرتے

توقیر صحابہؓ کے نوا سنج ہیں ہم تو!
اے کفر تری تیغ گماں سے نہیں ڈرتے

لاہور پہنچ کر میں نے لٹن روڈ پر واقع سپاہ صحابہ کے مرکزی رابطہ آفس میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس پریس کانفرنس کا پروگرام گزشتہ روز ہی طے کر لیا

گیا تھا۔ پہلی مرتبہ اس پریس کانفرنس میں "بی بی سی" اور وائس آف جرمنی کے نمائندے بھی شریک ہوئے تھے۔ بعد ازاں پنجاب سول سیکرٹریٹ میں کچھ عوامی مسائل کے لئے صوبائی وزیر اوقاف صاحبزادہ فضل کریم اور صوبائی سیکرٹری صحت سے ملاقات کی، اور دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے ماڈل ٹاؤن میں ایک دوست کے گھر چلا گیا، قریباً پونے تین بجے کھانا کھا کر فارغ ہوا ہی تھا کہ ایس پی ماڈل ٹاؤن میجر مبشر وہاں آ گئے اور انہوں نے بتایا کہ ساڑھے چار بجے پنجاب سیکرٹریٹ میں ہوم سیکرٹری آفس میں ہونے والی ایک اہم میٹنگ میں آپ کو طلب کیا گیا ہے چنانچہ وہاں سے واپسی پر لٹن روڈ آفس سے ہوتا ہوا جب میں سیکرٹریٹ پہنچا تو وہاں سوائے ایس پی ایڈمن محمد اسلم ساہی اور ایس پی میجر مبشر کے کوئی ذمہ دار افسر موجود نہ تھا۔ ان حضرات نے کہا کہ اب یہ میٹنگ گوجرانوالہ میں ہے۔ لہٰذا آپ ہماری گاڑی میں سوار ہو کر گوجرانوالہ چلیں، آپ کی دونوں گاڑیاں بھی ہوں گی چنانچہ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر جب ہم سیکرٹریٹ سے باہر نکلے تو یہ گاڑی مال روڈ پر دوڑنے لگی۔ ان دونوں افسران نے کہا کہ پروگرام بدل دیا گیا ہے "اب یہ میٹنگ چوہنگ سب جیل میں ڈی آئی جی، سی آئی ڈی میجر مشتاق احمد کی صدارت میں ہونی ہے۔ ہم وہاں جا رہے ہیں۔" میں نے ان سے کہا کہ آپ نے دو مرتبہ غلط بیانی سے کام لیا ہے جبکہ میں نے گارڈز اور ڈرائیور کو گوجرنوالہ کی طرف چلنے کا بتایا ہے اس پر وہ خاموش رہے۔ شام ساڑھے پانچ بجے ہم چوہنگ سب جیل میں ڈی آئی جی کے آفس میں پہنچے تو وہاں پر وہ موجود نہ تھے۔ وہیں میں نے عصر کی نماز پڑھی پھر یہ افسران مجھے چھوڑ کر چلے گئے اور چند ہی لمحوں بعد دو سپاہی مجھے دائیں بائیں بازوؤں سے پکڑ کر چوہنگ میں موجود بدنام زمانہ عقوبت خانہ میں لے گئے اور سیل نمبر ۴ میں لے جا کر بند کر دیا اور یوں ایک دفعہ پھر میری گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ دوسرے روز مجھے ڈپٹی کمشنر کے آرڈر دکھا کر ان پر وصولی کے دستخط کرائے گئے۔ جن کے تحت مجھے تین ماہ کے لئے نظر بند کر کے چوہنگ سب جیل میں رکھا جانا تھا۔

چوہنگ کے بدنام زمانہ ٹارچر سیل کا تعارف:۔

مغل بادشاہوں نے جب لاہور قلعہ کی تعمیر شروع کرائی تو ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ سینکڑوں سال بعد جب یہ لاہور اسلام کے نام پر بننے والی مملکت کا صوبائی دارالسلطنتہ ہوگا تو اس قلعہ کو شاہوں اور شہزادوں کا مسکن بنانے کی بجائے جن بھوتوں اور چڑیلوں کی آماجگاہ کے ساتھ ساتھ مظلوموں، مجبوروں اور حکمران طبقہ کے مخالفین کے لئے ایک ایسا قصاب خانہ بنادیا جائے گا جہاں زندہ انسانوں کی چمڑی ادھیڑنے والے آزاد ہوں گے اور چیختے چلاتے بے کس و بے بس انسان ذبح ہوتے رہیں گے۔ جہاں سے ستم رسیدہ انسانوں اور تشدد کی سولی پر لٹکے ہوئے افراد کی آہوں اور سسکیوں کی آوازیں قلعہ کی بلند وبالا فصیل سے ٹکرا کر واپس تو آتی رہیں گی لیکن سامنے کی شاہی مسجد کے مینار خاموش تماشائی کے سوا اور کوئی کردار ادا نہ کرسکیں گے۔

شاہی قلعہ میں درندگی و بہیمیت کی کوکھ سے جنم لینے والی داستانیں جب آہستہ آہستہ اس کے مین گیٹ سے باہر آنے لگیں تو پھر صرف پاکستان ہی کیا ان مجبور آوازوں نے دنیا بھر میں تہلکہ برپا کردیا۔ بے حس انسانی ضمیر بھی اس تشدد و بربریت کے گھناؤنے کھیل کو برداشت نہ کرسکے۔

چنانچہ یہ بدنامی کا داغ مٹانے کے لئے لاہور ہی سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کرکے مارشل لاء کی چھتری کے سائے میں اقتدار کے سنگھاسن پر براجمان ہونے والے "شریف شاہوں" نے شاہی قلعہ کے خفیہ متبادل کی تلاش شروع کردی۔ جس میں انہیں کامیابی نہ ہوئی تو لاہور سے پندرہ کلومیٹر دور ملتان روڈ پر ایک نئے "شاہی قلعہ" یعنی ٹارچر سیل کی بنیاد رکھی گئی۔ جسے آج دنیا چوہنگ کے بدنام زمانہ ٹارچر سیل کے نام سے جانتی ہے۔

چوہنگ کا ٹارچر سیل کیا ہے؟ جیتے جاگتے انسانوں کے گوشت پوست اور ہڈیوں کو

نوچنے کے لئے وہ بچڑ خانہ ہے جہاں کے قصاب رحم اور ضمیر جیسی دولت سے محروم ہیں۔

وہ ایک ایسا قبرستان ہے کہ جس کی ۱۶ قبروں میں زندگی دفن ہو کر رہ جاتی ہے اور چشم فلک مجبوروں کی شکلیں دیکھنے کو ترس جاتی ہے۔ ہوا بھی داخل ہونے سے روک دی جاتی ہے۔

وہ ایک ایسی اندھیر نگری ہے جہاں حکومتی گماشتے تشدد بربریت کا ننگا ڈانس کرتے ہیں اور انسانیت کا وجود ظلم کی آہنی کنگھیوں سے چھیدا جاتا ہے۔

وہ ایک ایسی بے رحم بستی ہے کہ جہاں کے مکین پتھروں کے وجود رکھنے والے ہیں جن پر کسی مظلوم کی التجا اور آہ وزاری کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی چیخ ان کے کانوں کو متاثر کر سکتی ہے۔

وہ ایسا کفرستان ہے جہاں علماء کی داڑھیاں نوچی جاتی ہیں۔ قرآن سے لبریز سینوں پر پاؤں رکھ کر تلاوت کرنے والی زبانوں کو کھینچا جاتا ہے اور جرم حق گوئی کی سزا اس انداز میں دی جاتی ہے کہ آئندہ وہ زبان اور ذہن سوچنے اور بولنے کے قابل ہی نہ رہے۔

وہ ایسا بجلی گھر ہے جہاں انسانی خون کو الیکٹرک شارٹ سے خشک کر کے چنگیزیت کے بلب روشن کیے جاتے ہیں اور فرعون وہامان کے اصولوں کی پاسداری کی جاتی ہے۔

ہاں۔ وہ ایسی جگہ ہے جہاں تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند انسان تو آسمان کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکتے ہیں البتہ چھت پر لگے ہوئے کیمرے ان کی ایک ایک ادا حتیٰ کہ غسل و پیشاب کی حالت میں بھی انہیں براہ راست ٹھنڈے دفتروں میں بیٹھے ہوئے بھیڑیوں کے سامنے پیش کر کے ان کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔

وہ ایسی قیام گاہ ہے جہاں لائے گئے مہمانوں کو شروع کے ۹۰ گھنٹے قیام کی حالت میں دن رات کھڑے ہو کر ناکردہ گناہوں کی تفصیلات بتانا ہوتی ہیں۔

وہ ایسا علاقہ غیر ہے جہاں کوئی قانون نہیں ہے اور جہاں کسی سے کسی اپنے کی

ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔

چوہنگ کے عقوبت خانہ میں نظربندی اور تفتیشی مراحل:۔

٦ مئی ١٩٩٧ء کو مجھے جیسے ہی چوہنگ کے عقوبت خانہ کے سیل نمبر ٤ میں بند کرکے تالا لگایا گیا تو میں نے وہاں پڑے ہوئے دو عدد ٹاٹوں کو بچھایا اور ان پر بیٹھ کر سیل کا جائزہ لینے لگا۔ یہ سیل سات فٹ چوڑا اور نو فٹ لمبا تھا۔ جنوب کی طرف ایک چھوٹا سا روشندان تھا۔ دروازہ لوہے کی موٹی سلاخوں والا اور اس پر باریک جالی لگی ہوئی تھی۔ دوسرے سیل بھی اسی طرح بنے ہوئے تھے لیکن کسی بھی قیدی کو نہ دوسرے قیدی کا علم تھا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے کیونکہ یہاں پر موجود ١٦ سیلوں کی تعمیر اس طرح کی گئی ہے کہ ہر سیل کی پشت کی دیوار کے سامنے دوسرے سیل کا دروازہ کھلتا ہے۔

چنانچہ میں نے سیل کے درودیوار کو قریب ہوکر دیکھنا شروع کیا تو ان پر پہلے آئے ہوئے ساتھیوں کے درج کردہ نعرے اور نام موجود تھے۔ اگرچہ دیواروں پر تازہ تازہ چونا کیا گیا تھا تاہم مولانا حق نواز شہید کو خراج تحسین کے جملے اور سپاہ صحابہ کے مشہور نعرے آسانی سے پڑھے جاسکتے تھے۔ میں نے مغرب کی نماز پڑھ کر کچھ دیر وظیفہ پڑھا اور پھر عشاء کی نماز پڑھ کر ٹاٹ پر لیٹا ہی تھا کہ میرے سیل کا تالا کھلا اور آنے والوں نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر کندھوں سے پکڑ کر باہر چلنے کو کہا اور مجھے وہاں سے نکال کر ڈی۔ آئی۔ جی کے دفتر میں لایا گیا۔ وہاں ایڈیشنل ڈی۔ آئی۔ جی اور بالا افسران موجود تھے۔ جن کے سامنے کھڑا کردیا گیا اور سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ میرے زخم چونکہ ابھی تازہ تھے اور ان پر پٹیاں لگیں ہوئیں تھیں میں نے وہاں موجود افسران سے کہا کہ آپ مجھ سے تفتیش ضرور کریں۔ لیکن یہ بات میں آپ پر واضح کردوں کہ آپ کا مجھ زخمی حالت انسان کے ساتھ رویہ انتہائی سفاکانہ ہے۔ مگر شاید ان کے قلب وجگر میں

رحم نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ تاہم جب مزید کھڑا ہونا میرے بس سے باہر ہو گیا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ اب آپ کی مرضی میں جو آئے کریں میں گرنے لگا ہوں تب کہیں جا کر بیٹھنے کی اجازت ہوئی اور فجر کی نماز تک تفتیش کا سلسلہ جاری رہا۔ تفتیش میں نام ایڈریس، تعلیم کہاں سے حاصل کی گویا کہ پوری زندگی کا مکمل گوشوارہ اجمالی طور پر مرتب کرنے کے بعد بار بار یہ سوال دہرایا گیا کہ تم نے ایس ایس پی کو جڑانوالہ اشرف مارتھ کو کیوں قتل کرایا؟ اور لشکر جھنگوی کی سرپرستی کس وجہ سے کر رہے ہو؟ ان دونوں سوالات کا جواب تفصیل سے جواب دیتے ہوئے میں نے کہا کہ آپ حضرات یا تو دلائل سے یہ ثابت کریں کہ میں ایس ایس پی مارتھ کے قتل میں ملوث ہوں اور لشکر جھنگوی کی سرپرستی کر رہا ہوں یا پھر میری بات کا یقین کریں کہ میرا ان دونوں باتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن الزامات اور ناکردہ گناہوں کے اعتراف کر لینے کے اصرار کے سوا ان کے پاس کوئی بات نہیں تھی۔ اعلیٰ افسران کی یہ ٹیم صبح ہوتے ہی روانہ ہو گئی اور چھوٹے افسران کی دوسری ٹیم مجھے وہاں سے لیکر عقوبت خانہ کے سامنے انٹیروگیشن کے ایک کمرہ میں آ گئی اور اس نے سوال وجواب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سارا دن یہ لوگ مغز کھاتے رہے رات کو پھر اعلیٰ افسران نے طلب کر لیا۔ غرض کہ تین دن اور تین راتوں تک مسلسل آنکھیں باندھ کر بار بار کھڑا کر کے تفتیش اور ظلم و تشدد کا سلسلہ جاری رکھا گیا۔ اسی دوران بعض ایسے حربے اور انداز بھی اپنائے گئے جن کا ذکر میں محض اس لئے نہیں کرنا چاہتا کہ اس سے کارکنوں میں اشتعال بھی پھیل سکتا ہے اور بعض کمزور دل لوگ کسی صدمہ کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔

تیسرے روز جبکہ میرے جسم کے زخموں سے خون رسنے لگا تھا اور میرے جسم پر موجود واحد کپڑوں کا سوٹ نہ صرف میلا کچیلا ہو گیا بلکہ خون کے دھبوں سے رنگین ہو چکا تھا اور پاؤں سوج کر پھٹنے کو آ گئے تھے تو مجھے واپس سیل نمبر ۴ میں لا کر بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد دس روز تک مجھے دو چار گھنٹوں کے لئے نکالا جاتا اور مختلف تفتیشی

ٹیمیں سوالات کر کے جوابات لکھتی رہیں اور پھر سیل میں بند کر کے ایسے بھول گئے جیسے کو یا کہ یہاں کوئی شخص آیا ہی نہیں ہے۔

نوٹ:۔ مجھ پر ہونے والے تشدد کی اگر جھلک دیکھنا ہو تو چند صفحے قبل چو ہنگ کے تعارف کے عنوان سے لکھی گئی سطور پر دوبارہ نظر ڈال لیں اگر چہ وہ تمام حربے تو استعمال نہیں کیے گئے تاہم ان میں سے اکثر حربے آزمائے گئے ہیں۔

تشدد کے بعد رستے زخموں پر مرہم کے لئے ڈاکٹروں کو بلوانا:۔

کی میرے قتل کے بعد اس نے جفاء سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

آنکھیں باندھ کر ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا کر مسلسل تشدد اور کھڑا رکھنے اور کئی دیگر شرمناک حربے آزمائے جانے کی وجہ سے جب میرے زخموں سے خون رسنے لگا اور پاؤں میں بہت زیادہ ورم آگیا تو یہاں کا پورا عملہ پریشان ہو گیا، انہوں نے تیسرے روز مقامی ہیلتھ سینٹر کے ڈاکٹر کو بلوایا جس نے میری حالت کو دیکھ کر کہا کہ "میرے بس سے یہ مسئلہ باہر ہے۔" آپ سروسز ہسپتال سے ماہر سرجنوں کو بلوائیں ورنہ ان زخموں میں بم کے ٹکڑوں کا زہر پھیل جانے کا سخت اندیشہ ہے چنانچہ پانچویں روز سروسز ہسپتال کے ڈاکٹروں نے جب آکر میری حالت دیکھی تو انہوں نے اس عقوبت خانہ کے عملہ اور تفتیشی افسران کو بہت سخت سست کہا اور فوری طور پر ادویات لا کر دینے کی ہدایت کی مگر تین روز اور گزر گئے کہ دوائیاں نہ پہنچیں۔ معلوم ہوا کہ مہنگی ادویات خرید کر دینے کے لئے یہاں کی انتظامیہ تیار نہیں ہے۔ میری جیب سے پہلے ہی روز ساڑھے سات ہزار روپے جامہ تلاشی کے وقت نکال لئے گئے تھے میں نے کہا کہ آپ لوگ میرے پیسوں سے ہی دوائی لا دیں۔ تب جا کر آٹھویں روز مجھے ادویات اور ایک جوڑا کپڑے دو پلیٹیں ایک جگ و گلاس اور

کچھ چھوٹی موٹی چیزیں خرید کر دی گئیں۔ اس طرح ساڑھے تین ماہ کے بعد جب میں وہاں سے چیف جسٹس سپریم کورٹ کے طلب کرنے پر نکلا تو میری ذاتی رقم سے دس ہزار روپیہ مجھ ہی پر خرچ کر کے مجھے حساب پیش کیا گیا۔ اگر میرے پاس بچوں سے ملاقات کے وقت مزید رقم نہ آئی ہوتی تو نہ معلوم ان کا کیا رویہ ہوتا۔

قریباً ڈیڑھ ماہ تک روزانہ میرے زخموں پر مرہم پٹی ہوتی رہی اور اسی دوران زخموں سے بم کے ٹکڑے بھی برآمد ہوئے اور قریباً دو ماہ بعد میرے زخم باہر سے بھر گئے جبکہ اندر سے اب بھی کچے ہیں اور دوائی و علاج و معالجہ کا سلسلہ جاری ہے۔

ڈاکٹر حضرات بیس پچیس دن کے بعد چکر لگاتے تھے اور ادویات میں رد و بدل کر جاتے تھے۔

چوہنگ سینٹر میں میرے دشمنوں کی موجودگی اور هرزه سرائی:۔

شروع شروع کے ایام میں تو مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ یہاں باقی پندرہ سیلوں میں کون کون کہاں کہاں بند ہے۔ تاہم دس پندرہ روز کے بعد تفتیشی افسران کی زبانی معلوم ہوتا گیا کہ مجھ سے قریب دس فٹ آگے سیل نمبر۲ میں پیر جی عبدالعلیم شہید آف چیچہ وطنی کے قتل کیس و تلمبہ فائرنگ کیس اور ایک شیعہ تنظیم کے قائد مرید عباس یزدانی کا قاتل موسیٰ بند ہے اور سیل نمبر۱۰ میں جو مجھ سے قریباً چالیس فٹ کے فاصلہ پر تھا۔ اس میں غلام رضا نقوی اور سیل نمبر۱۱ میں فاروقی شہیدؒ اور ۲۶ افراد کے قتل کا محرم علی بند ہے جب مجھے تفتیش کے لئے باہر نکالا جاتا تو موسیٰ اور غلام رضا نقوی کی نظر مجھ پر پڑتی تھی اور وہ غور سے دیکھتے رہتے تھے اور ملازموں سے پوچھتے رہتے کہ مولانا اعظم طارق ٹھیک طرح سے چلتے ہیں یا ان کی ٹانگ خراب ہوگئی ہے۔

جب ملازم انہیں بتاتے کہ مولانا اعظم طارق تو بالکل ٹھیک ہیں اور ان کے زخم

تیزی سے مندمل ہو رہے ہیں تو یہ لوگ دل مسوس کر رہ جاتے۔ تفتیشی افسران نے مجھے بتایا کہ جب محرم علی پہلے ہی روز گرفتار کر کے یہاں لایا گیا تھا تو اس کا پہلا سوال یہ تھا کہ مجھے صرف اتنا بتا دو کہ اعظم طارق زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ تو اسے بتایا گیا کہ وہ سخت زخمی ہے لیکن زندہ ہے پھر دوسرے روز اسے کسی نے بتایا کہ اعظم طارق کی ٹانگیں کٹ گئیں ہیں۔ تو اس خبر پر وہ بہت خوش ہوا اور خوشی سے نعرے لگانے لگا۔ جب اس سے خوشی کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ اعظم طارق نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "اگر تمہارا امام زمان واقعی ہر چیز پر قادر ہے تو میری ٹانگ توڑ کر دکھائے۔ اب تو اسے پتہ چل گیا ہو گا کہ ہمارے امام نے اس کے ساتھ کیا حشر کیا۔ (ابھی یکم اپریل ۱۹۹۹ء کو جب مجھے سینٹرل جیل فیصل آباد لایا گیا تو جیل کے حکام نے بتایا کہ محرم علی اکثر حسرت و افسوس سے یہ بات کہا کرتا تھا افسوس جسے میں نے قتل کرنا تھا وہ زندہ ہے اور مجھے سولی پر لٹکایا جانے والا ہے۔ حتیٰ کہ جس روز اس کی آخری ملاقات آئی تو اس کی ہمشیرہ نے جذبات میں آکر اس کا گریبان پکڑ کر کہا۔ "اب تمہارا وہ بیاسی لاکھ کہاں ہے؟ اور تمہاری جماعت کدھر گئی جو تمہیں کہتی تھی کہ ہم بچالیں گے۔ جسے قتل کرنا تھا وہ تو زندہ ہے اور تجھے پھانسی دی جا رہی ہے لیکن اس کا جواب محرم علی کے پاس کچھ نہ تھا۔"

چوہنگ میں میں کبھی کبھی بلند آواز سے کہتا تھا کہ مجھے شاید اللہ تعالیٰ نے یہاں اس لئے بھیجا ہے کہ میں اپنے قاتلوں کے سامنے چل پھر کر انہیں بتاؤں کہ جسے اللہ رکھے اس کون چکھے۔ یوں اس موقع پر میں یہ شعر پڑھتا تو انہیں آگ لگ جاتی۔

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

قرآن کریم کی تلاوت کا معمول:۔

تحدیث نعمت کے طور پر میں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ قید کے ایام اور بالخصوص چونگ سینٹر میں اذیت کے مراحل سے سرخروئی میں میرے تلاوت قرآن کریم کے معمول کا گہرا عمل دخل ہے۔ شروع کے دس ایام میں تو تفتیش کے لئے بار بار نکالے جانے کے باعث میں صرف دو قرآن پاک تلاوت کرسکا۔ لیکن جب تفتیش سے فارغ ہوا تو پھر ۶ایوم تک ایک قرآن مجید اور پندرہ پارے روزانہ تلاوت کا معمول رہا ایک دو مرتبہ تو دو دو قرآن مجید بھی روزانہ ختم ہوتے رہے اور پھر آخری دن تک روزانہ ایک قرآن مجید نہایت آسانی سے ختم کرلیتا۔ تہجد سے لے کر فجر تک دس پارے تلاوت کرتا۔ پھر بعد فجر وظائف سے فارغ ہو کر اشراق کے نوافل کے بعد کچھ دیر آرام کرتا اور نو بجے کھانا کھا کر پھر دس پارے تلاوت کرلیتا۔ پھر ظہر سے عصر تک قرآن مجید مکمل کرلیتا۔ آخری دو ماہ میں ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق مجھے صبح و شام ایک ایک گھنٹہ کی چہل قدمی کا موقع مل جاتا تھا۔ اس قدر تلاوت و وظائف کے باوجود ڈیوٹی پر موجود عملہ کا یہی کہنا تھا کہ آپ تو اکثر سوتے ہی رہتے ہیں الحمد للہ کہ اس عقوبت خانہ میں ۱۰۸دن میں ۱۰۸قرآن مجید ختم کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور روزانہ تفسیر عثمانی کا نصف پارہ بھی مطالعہ ہو جاتا تھا۔

اگرچہ روپوشی کے ایام میں بھی دو ماہ تک لگاتار روزے اور ایک قرآن کریم کی تلاوت کا معمول رہا تھا لیکن چونگ میں تلاوت کا جو لطف و سرور آتا تھا اس کی بات ہی کچھ اور تھی۔ کیونکہ تنہائی کی حالت میں پوری توجہ تلاوت کی طرف رہنے سے نہ صرف زبان ہر لمحہ الفاظ قرآن سے تر رہتی بلکہ ذہن بھی مفہوم و معانی کے سمندر میں غوطہ زن رہتا۔ ایسے ایسے علوم و اسرار کا انکشاف ہوتا کہ میری عقل دنگ رہ جاتی۔ حالات و واقعات کے مطابق قرآنی آیات خود بخود زبان پر جاری ہو جاتیں۔

عقوبت خانہ میں تلاوت قرآن کریم اور سپاہ صحابہؓ کے ترانوں کی گونج:-

جب کبھی لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بجلی چلی جاتی تو پھر اپنے اپنے سیل میں موجود ہر شخص کچھ نہ کچھ گنگانے لگتا۔ محرم کے مہینہ میں شیعہ قیدیوں نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ جواب میں ہم نے قرآن مجید کی با آواز بلند تلاوت شروع کر دی۔ مجھ سے اگلے والے سیل نمبر۳ میں لاہور کے قاری محمد ابوبکر فاروقی اور سیل نمبر۶ میں ملتان کے آصف شاہ اور سیل نمبر۸ میں قصور کے ابوبکر بسرا سیل نمبر۱۶ میں لاہور کے محمد عثمان (برادر قاری ابوبکر) بند تھے۔ چنانچہ ہم لوگ سورۃ یٰسین، سورۃ ملک اور تیسواں پارہ مکمل اس طرح بلند آواز تلاوت کرتے کہ ایک آیت میں پڑھتا دوسری قاری ابوبکر تیسری آصف شاہ اور چوتھی ابوبکر بسرا پانچویں آیت محمد عثمان تلاوت کرتا۔ اس طرح تلاوت قرآن کریم سے مرثیہ پڑھنے والے شیعہ لیڈروں اور نوحہ خوانی و سینہ کوبی کرنے والے ماتمیوں کو بہت تکلیف ہوتی۔

ہم گاہے بگاہے عربی میں آپس میں ایک دوسرے کا حال واحوال بھی پوچھ لیتے تھے اور سپاہ صحابہ کے ترانے نظمیں اور نعتیں بھی پڑھتے تھے۔ جس سے دشمنان صحابہ کو آگ لگی رہتی۔ ایک رات قاری ابوبکر بسرا "تمہیں یارو مبارک ہو عمر ابن خطاب آیا" والی نعت پڑھ رہا تھا تو محرم علی نے حضرت عمر فاروقؓ پر تبرا کرنا شروع کر دیا۔ جس پر ہم سب سیخ پا ہو گئے اور سخت انداز میں اپنی اپنی جگہ پر اس کا نوٹس لینے لگے، پورے عقوبت خانہ میں شور برپا ہو گیا اور باہر سے افسران و پولیس ملازم اندر آ گئے جب ہم نے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تو انہوں نے ان تبرائیوں پر خوب لعن طعن کی اور انہیں وارننگ دی کہ اگر تم نے آئندہ ایسا کیا تو پھر ہم مسلمان ہونے کا حق ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ان دنوں میرے ساتھ والے سیل نمبر۶ میں جھنگ کے ساتھی اور میرے ڈرائیور

ملک عبداللہ، سیل نمبر ۷ میں سپاہ صحابہ کے مرکزی خازن شیخ محمد اشفاق، سیل نمبر ۹ میں سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی، سیل نمبر ۱۳ میں سپاہ صحابہ کے مرکزی جنرل سیکرٹری محمد یوسف مجاہد بھی تھے۔ یہ تمام حضرات ایک ایک ماہ نظربندی کی مدت ختم ہونے کے بعد چلے گئے۔ شیخ محمد اشفاق جو ہم سب سے پہلے آئے تھے وہ بھی تین ماہ رہ کر ۲۴ جون کو چلے گئے۔ بعد ازاں قریباً اڑھائی ماہ کبھی میں اکیلا ہوتا اور کبھی ایک دو ساتھی اور آجاتے۔ دوسری طرف آٹھ دس شیعہ دہشت گرد ہوتے۔ اس دوران دشمنان صحابہ کو خوب بک بک کرنے کا موقع ملا اور مجھ اکیلے کو ان کا جواب تلاوت قرآن مجید سے دینا پڑا۔

کیمرہ والے سیل میں منتقلی:-

دیکھ کر رنگ چمن ہو نہ پریشان مالی
کوکب غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی
گل برانداز ہے خون شہداء کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

مجھے قریباً چالیس روز گزرنے کے بعد سیل نمبر ۲ میں منتقل کیا گیا۔ جس کی چھت پر نصب کیمرہ میری تمام حرکات و سکنات اور سیل کے تمام منظر کو براہ راست ایس پی جو ہنگ کے دفتر میں رکھے ہوئے کمپیوٹر کی اسکرین پر پیش کرتا تھا۔ اس کیمرہ کی وجہ سے مجھے اس قدر تکلیف تھی کہ بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک طرف تو خود مجھے ہر وقت کی نگرانی کا احساس رہتا اور دوسرے وہاں ڈیوٹی پر عملہ بھی بہت خوف زدہ رہتا۔ وہ لوگ میرے سیل کے سامنے کھڑے ہونے سے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں کیمرہ میں ان کی تصویر یا آواز نہ آ

جائے۔ آخری دو ماہ اسی کیمرہ والے سیل میں گزارنے پڑے۔

اخبار پر پابندی کے باوجود شیعہ افسر کے ہاتھوں اخبار ملنا:۔

جوہنگ کے عقوبت خانہ میں قیدی کا کل سرمایہ بدن کے کپڑے اور دو ٹاٹ ہوتے ہیں۔ جنہیں کمبل کہا جاتا ہے۔ جوتے تک دروازہ سے باہر کھلوا لیے جاتے ہیں میرے لئے سب سے زیادہ ذہنی پریشانی اخبار کی تھی۔ کیونکہ سیاست میں آنے کے بعد اخبار بینی کا نشہ کچھ ایسا ہو گیا کہ جس روز اخبار کی چھٹی ہوتی ہے۔ سارا دن طبیعت بے چینی میں مبتلا رہتی ہے۔ اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ پاکستان کی سیاست اور حکومت کا حال ساون کے بادلوں کا سا ہے۔ ابھی بارش ابھی دھوپ۔ ایک دن اقتدار کی کرسی مضبوط ہوتی ہے۔ دوسرے روز وہ الٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اسی طرح ملک میں امن وامان کی حالت کی بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ گھر سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد جانے والے نمازی کو بھی خطرہ ہوتا ہے کہ واپس گھر بھی پہنچ پاؤں گا یا نہیں۔

مگر جوہنگ میں اخبار نام کی چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہاں کوشش کی جاتی ہے کہ باہر کی دنیا کے بارے میں نہ صرف لاعلم رکھا جائے بلکہ اس حد تک تشویشناک باتیں کی جائیں کہ انسان خوف زدہ ہو جائے۔ اب مجھے شروع کے دس روز تک تفتیش میں یہی بتایا جاتا کہ "آج اخبارات میں آپ کے خلاف آپ کی جماعت نے لاتعلقی کا اعلان کر دیا ہے"۔ "S.S.P گوجرانوالہ نے پریس کانفرنس میں ثبوت پیش کر دیئے ہیں کہ آپ سابقہ S.S.P گوجرانوالہ اشرف مارتھ کے قتل میں ملوث ہیں"۔ "آپ کے گن مینوں نے انکشاف کیا ہے کہ مولانا کے پاس ریاض بسرا اور ملک اسحٰق آتے تھے"۔ "باہر کی دنیا میں آپ کی جماعت اتنی بدنام ہو چکی ہے کہ ہر طرف سے اس پر پابندی کا مطالبہ ہو رہا ہے۔" "جھنگ کے مرکزی دفتر سے بڑی تعداد میں اسلحہ برآمد ہو چکا ہے"۔ "آپ کے ٹیلی فون

کے ریکارڈ سے ایسے ثبوت مل گئے ہیں کہ آپ کا رابطہ دہشت گردوں سے تھا"۔ غرض کہ خوب خوب جھوٹ بولا جاتا۔ مجھے چونکہ علم تھا کہ ان کی ساری باتیں محض جھوٹ ہیں۔ کیونکہ مرکز سپاہ صحابہ میں ناجائز ایک گولی تک نہیں ہے۔ رہائی کے بعد بسرا اور ملک اسحٰق کی آواز تک میں نے نہیں سنی تھی۔ نہ کسی سے رابطہ تھا۔ اور نہ ہی S.S.P گوجرانوالہ کے قتل سے کہیں دور کا بھی میرا تعلق تھا۔ تو مجھے یقین ہوتا تھا کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ادھر مجھے اخبارات کا رہ رہ کر خیال آتا۔ مگر یہ ممکن نہ تھا۔ ایک دن میں نے اپنے سیل نمبر۲ سے قریباً دو اڑھائی ماہ بعد دیکھا کہ ایک شیعہ سب انسپکٹر سامنے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے روزنامہ صحافت پڑھ رہا ہے۔ پھر اس نے اخبار کو تہہ کیا اور دوسری طرف چلا گیا اور پھر جلد ہی اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا اب اس کے ہاتھ میں اخبار نہیں تھا۔ یقیناً اس نے اخبار شیعہ لیڈر غلام رضا نقوی کو دیا تھا۔ دس منٹ بعد پھر اخبار اس کے پاس تھا۔ چونکہ میرے سیل کے دروازہ پر باریک جالی تھی اسے روشنی میں بیٹھے ہوئے میں اندھیرے میں نظر نہیں آرہا تھا۔ جبکہ میں اسے صاف دیکھ رہا تھا۔ میں نے دروازے پر ہاتھ مارا تو وہ میرے پاس آگیا۔ پوچھنے لگا مولانا! کیا بات ہے؟ میں نے کہا آپ دوسروں کو اخبار پڑھاتے اور باہر کی خبریں بتاتے ہیں۔ میں افسران سے بات کروں گا کہ یہاں یہ کیا ہو رہا ہے؟ میری اس بات سے وہ گھبرا گیا۔ میں نے کہا میں سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔ لہٰذا فوراً وہ اخبار اٹھا کر لائیں اور مجھے بھی پڑھائیں۔ وہ اس قدر پریشان ہو چکا تھا کہ اسے کچھ سمجھ نہ آیا اس نے فوراً جا کر مجھے اخبار لا دیا اور آہستہ سے کہنے لگا اس کونے میں جا کر پڑھیں کیونکہ اس کونے کی تصویر کیمرے میں نہیں آتی ہے۔ ورنہ ہم دونوں مارے جائیں گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ اب مجھے نہ صرف اخبار مل چکا تھا بلکہ یہ علم ہو گیا کہ اس سیل کا یہ کونہ چھت پر لگے کیمرہ کی آنکھ سے محفوظ ہے۔ چنانچہ جونہی میں نے اخبار کی بڑی سرخی پڑھی تو وہ اس خبر پر مشتمل تھی۔ "مولانا اعظم طارق کے گن مین کے بھائی سابق کونسلر حاجی محمد یوسف کو جھنگ

میں قتل کر دیا گیا" میں اس خبر پر کس قدر دل گرفتہ ہوا اور میری پریشانی کتنی بڑھ گئی۔ اس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ حاجی محمد یوسف شہید صرف ایک کونسلر ہی نہیں بلکہ سبزی منڈی جھنگ کے بڑے آڑھتی تھے۔ پورا خاندان سپاہ صحابہؓ کے لئے ہر قربانی کے موقعہ پر آگے آگے ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کی قربانی کیا ہوگی کہ اپنے بھائی سرفراز کو مستقل میرے ساتھ گن مین کے طور پر لگا دیا اور وہ مجھ پر ہونے والے اکثر قاتلانہ حملوں میں میرے ساتھ رہا۔ اللہ تعالیٰ حاجی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین! اس واقعہ کے بعد مجھے اور زیادہ تجسس پیدا ہو گیا کہ روزانہ اخبار پڑھنے کو ملنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے اس شیعہ افسر کو کہا کہ چونکہ آج کے اس اخبار میں ہمارے خاص آدمی کے قتل کی خبر تھی۔ اس لئے آپ یہ اخبار خصوصی طور پر غلام رضا نقوی کو دکھانے کے لئے لائے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ یہاں بیٹھ کر باہر آپ لوگوں کی وساطت سے تخریب کاری کر رہے ہیں۔ وہ اس بات پر صفائیاں دینے لگا اور کہنے لگا میں تو روزانہ اخبار اپنے لئے خریدتا ہوں بس آج ساتھ لے آیا۔ آئندہ نہیں لاؤں گا۔ میں نے کہا نہیں آپ روزانہ اخبار لایا کریں گے اور مجھے بھی پڑھائیں گے۔

اس نے کہا اگر آپ یقین دلائیں کہ اس بات کو کسی کے سامنے بیان نہیں کریں گے تو میں ضرور ایسا کیا کروں گا۔ چنانچہ پھر اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی اخبار دیکھنے کو ملتا رہا۔ میں آج بھی اس واقعہ کو بیان تو کر رہا ہوں لیکن اس کا نام نہیں لکھ رہا ہوں کیونکہ وعدہ چاہے کافر ہی سے ہو اسکا ایفاء ضروری ہے۔ تاہم اس واقعہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کس طرح ایک شیعہ افسر ہر موقعہ پر اپنے دوسرے ہم مذہب کا خیال رکھتا ہے اور اسے سہولت بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کا ایسا ہی رویہ دوران تفتیش رہا۔ کاش سنی افسران کو بھی احساس ہو۔

شیعہ افسر کی طرف سے بدتمیزی اور اس کا منہ توڑ جواب:-

ابھی میں سیل نمبر ۴ میں ہی تھا- مجھے چوہنگ آئے ہوئے بیس پچیس روز گذر چکے تھے کہ جب ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق شام کے وقت صرف پندرہ منٹ ٹہلائی کے لئے نکالا گیا تو واپسی پر میں نے اپنے سیل میں داخل ہوتے وقت دیکھا کی میری دوائی کی شیشیاں اور گلاس جگ وغیرہ سیل کے باہر پڑی تھیں- میں نے ڈیوٹی پر موجود سپاہی سے پوچھا یہ کس نے نکالی ہیں؟ تو اس نے کہا غالب صاحب نے- میں نے پوچھا یہ غالب صاحب کون ہیں؟ تو سپاہی نے جواب دیا کہ ایس پی چوہنگ کے اسسٹنٹ ہیں- یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ غالب صاحب آ گئے اور کہنے لگے میں نے باہر نکالیں ہیں- اسکی شکل دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص شیعہ ہے- میں نے اسے کہا تجھے جرات کیسے ہوئی کہ تم میری ادویات باہر نکالتے- تم شیعہ ہو اور میں تم جیسے کمینے لوگوں سے نمٹنا جانتا ہوں- میں نے کہا میں دوائی اٹھا رہا ہوں جرات ہے تو آگے آ کر روکو پھر دیکھو میں تمہیں کیسا سبق سکھاتا ہوں- میری اس بات پر اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ خاموشی سے واپس چلا گیا- اس نے جا کر S.P چوہنگ کو شکایت کی کہ مولانا اعظم طارق نے مجھے گالیاں بھی دیں اور کہا ہے کہ تم شیعہ ہو- لہٰذا مجھے گالیوں کا دکھ نہیں ہے- مجھے صرف اس بات پر افسوس ہے کہ ہمارے ملازمین نے انہیں یہ کیوں بتایا کہ میں شیعہ ہوں- S.P صاحب نے تمام ڈیوٹی پر موجود افسران و سپاہوں کو طلب کر لیا کہ تم میں سے کس نے بتایا کہ غالب شیعہ ہے- اس پر سب نے حلفاً کہا ہم نے تو نہیں بتایا- ایک پرانے سب انسپکٹر نے مزاحیہ انداز میں کہا- سر! مولانا کو دن رات شیعوں سے واسطہ پڑتا ہے میرے خیال میں مولانا نے غالب صاحب کی عادت اور شکل سے ہی اندازہ لگا لیا ہے کہ یہ شیعہ ہیں کیونکہ انہوں نے جو کام کیا ہے وہ کوئی سنی افسر نہیں کر سکتا تھا- اگر ادویات سیل سے باہر نکالنا بھی تھیں تو ہم لوگ مولانا کو ادب و احترام سے کہہ دیتے تو وہ

مان جاتے لیکن غالب صاحب کے انداز نے نہ صرف ان کی بے عزتی کرائی بلکہ ان کی حقیقت بھی کھول دی۔

شیعہ تفسیر پڑھ کر تفتیشی افسران دنگ رہ گئے:۔

چوہنگ میں مجھے اب اڑھائی ماہ کے قریب عرصہ ہو چکا تھا۔ تفتیشی افسران سے اب جان پہچان پیدا ہو چکی تھی۔ تمام تفتیشی مراحل مکمل ہو چکے تھے اور رپورٹیں اوپر جا چکی تھیں۔ اب مجھے محض چوہنگ سینٹر میں اس لئے رکھا جا رہا تھا تاکہ زیادہ سے زیادہ وقت قید تنہائی میں گذارنے کے باعث مجھے ذہنی کوفت کا شکار ہونا پڑے ادھر سیل نمبر۲ کی چھت پر نصب کیمرہ ذہنی واعصابی تناؤ میں مبتلا کیئے ہوئے تھا۔ چونکہ صبح وشام آدھ آدھ گھنٹہ مجھے اس قبر سے نکال کر ٹہلانا ان کی مجبوری تھی ورنہ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق میری ٹانگیں شل ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے یہ وقت میری ذہنی تسکین اور اعصابی راحت کا باعث ہوتا۔ اس وقت میں تفتیشی افسران سے گپ شپ بھی ہونے لگی تھی اور بعض افسران قصداً شیعہ سنی مسئلہ چھیڑ لیتے۔ ایک روز ایسا ہوا کہ عقیدہ تحریف قرآن پر بات چلی۔ میں نے بتایا کہ شیعہ مذہب میں اس قرآن کو محرف ومبدل مانا جاتا ہے اور ان کے نزدیک یہ قرآن حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اتفاق سے اس وقت وہاں ایک شیعہ افسر موجود تھا۔ وہ میری اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور کہا مولانا! آپ لوگ کس دیدہ دلیری سے شیعہ پر جھوٹے الزامات لگاتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو خدا کا خوف کرنا چاہیے میں نے حیران ہو کر پوچھا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں خود شیعہ ہوں۔ ہمارے گھروں میں یہی قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اور کوئی دوسرا قرآن مجید نہیں ہے اور ہمارا ہرگز ایسا عقیدہ نہیں ہے جیسے آپ کہہ رہے ہیں۔ یہ صورت حال کافی پریشان کن تھی۔ میں قیدی تھا اور افسران کے سامنے شیعہ افسر مجھے جھٹلا رہا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ اس کا

واضح مطلب یہ ہو گا کہ سنی افسران یہ سمجھیں گے کہ میں نے پہلے بھی غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ اچانک اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے ذہن میں ایک بات آئی۔

میں نے افسران سے کہا آپ ایسا کریں اندر جائیں اور شیعہ لیڈر غلام رضا نقوی جو سیل نمبر ۱۰ میں بند ہے اس سے قرآن کی تفسیر لائیں کیونکہ مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ یہاں شیعہ اسیروں کے پاس شیعہ تفاسیر قرآن موجود ہیں۔ چنانچہ ایک ملازم فوری طور پر جاکر تفسیر لے آیا۔ میں نے جب تفسیر کا ٹائیٹل دیکھا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی کیونکہ وہ مجتھد فرمان علی کی تفسیر تھی۔ میں نے تفسیر ہاتھ میں لے کر کہا یہ تفسیر جو آپ ہی کے لیڈر سے منگوائی ہے۔ اگر میں اس سے ثابت کر دوں کہ شیعہ کے نزدیک یہ قرآن مجید بدلی ہوئی کتاب ہے۔ تو پھر آپ اسے تسلیم کریں گے۔ اب شیعہ افسر کا رنگ فق ہو گیا اور وہ کچھ جواب نہیں دے رہا تھا۔ ادھر سنی افسران بھی سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ ان سنی افسران نے کہا مولانا صاحب! جب یہ ترجمہ والا قرآن پاک ہم خود شیعہ لیڈر سے لائے ہیں تو پھر یہ کیسے نہیں مانے گا۔ آپ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہمیں دکھائیں۔ میں نے ان سے کہا۔ آپ ایسا کریں کہ ایک مرتبہ اندر جاکر غلام رضا نقوی سے یہ پوچھیں کہ جس شیعہ عالم نے یہ تفسیر لکھی ہے وہ کوئی مستند عالم ہے یا عام سا "علامہ" ہے اور ہاں اسے یہ مت بتانا کہ تفسیر اس وقت مولانا طارق کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے کہیں کہ ہم مسئلہ دیکھ رہے ہیں۔ ہمارے ایک افسر کہتے ہیں یہ کسی مستند عالم کی تفسیر نہیں ہے۔ چنانچہ تین افسران اپنے مخصوص تفتیشی انداز میں اندر چلے گئے اور اس انداز میں سوال کیا کہ گویا وہ اس تفسیر سے کوئی مسئلہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ آگے سے نقوی نے اس تفسیر کی وہ تعریف کی کہ زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ افسران نے واپس آکر بتایا کہ جناب یہ تفسیر شیعہ مذہب کے صرف ایک مستند عالم کی نہیں ہے بلکہ اس پر اس وقت کے پانچ بڑے شیعہ مجتھدین نے دستخط کیئے ہیں اور اسے شیعہ مذہب کے لئے اردو زبان کی سب سے اعلیٰ تفسیر کہا ہے۔ اب

میں نے چودھویں پارہ کا پہلا صفحہ کھولا اس کے حاشیہ پر سرسری نظر ڈالی پھر ایک افسر سے کہا کہ ذرا قریب ہو کر حاشیہ کی یہ اردو عبارت پڑھیں۔ تفتیشی افسر نے عبارت پڑھنا شروع کی تو سب نے یہ الفاظ سنے کہ "ظاہر ہے کہ اس زمانے تک قران مجید میں کیا کیا تغیرات ہو گئے" میں نے تفسیر اپنے ہاتھ میں لی اور شیعہ افسر سے کہا لیجئے آپ بھی پڑھ لیں کہ آپ کے مجتہد کیا لکھتے ہیں۔ مگر وہ حیران ہو کر خاموش بیٹھا رہا میں نے تفسیر دوبارہ ہاتھ میں لے کر سورۃ ہود بارھویں پارہ سے وہ جگہ نکالی جہاں فرشتوں نے حضرت سارہؓ (زوجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام) کو مخاطب کر کے کہا اے نبی کے اہل بیت! کیا آپ اس بات پر تعجب کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بڑھاپے کی عمر میں بیٹا کیسے دے گا؟" اس آیت کی تشریح میں حاشیہ پر شیعہ مجتہد نے تحریر کیا ہوا تھا کہ "اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خواہ مخواہ داخل کی گئی ہے۔ میں نے یہ عبارت پڑھ کر سنائی اور تفتیشی افسروں کو کہا لیجئے خود شیعہ مجتہد نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید میں خاص مقصد کے لئے آیات ایک مقام سے اٹھا کر دوسرے مقام پر رکھ دی گئی ہیں۔ تو جناب تحریف و تغیر اس کا نام نہیں ہے تو اور کس کا ہے۔ اس پر سب افسران حتیٰ کہ سپاہیوں نے بھی خود آگے بڑھ کر عبارت پڑھنا شروع کر دی اور لاحول ولاقوہ...... استغفر اللہ استغفر اللہ پڑھنا شروع کر دیا۔

میں نے کہا تفسیر مجھے دیں۔ میں نے پھر بائیسواں پارہ کھول کر پہلے ہی صفحہ پر موجود آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت ویطھرکم تطھیرا کی تشریح میں لکھی جانے والی تفسیر کو حاشیہ سے پڑھنا شروع کر دیا۔ جہاں شیعہ مجتہد نے ایک مرتبہ پھر لکھا تھا کہ اس آیت کو درمیان سے نکالو اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خواہ مخواہ کسی خاص غرض سے داخل کر

دی گئی ہے" میں نے پھر بلند آواز سے یہ عبارت پڑھ کر سنائی تو اب ہر ایک افسر کی زبان سے یہ بات نکلی۔ "مولانا! بس کافی ہے۔ اب ہم مان گئے ہیں کہ شیعہ واقعتاً اس قرآن کو اصلی قرآن نہیں مانتا ہے۔ اور جو کچھ اس تفسیر میں لکھا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیعہ کے نزدیک ہمارا قرآن بدلی ہوئی کتاب ہے"۔

اب شیعہ افسر کی یہ حالت تھی کہ کاٹو تو خون نہ نکلے۔ میں موقع کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ آج آپ نے میرا آدھا گھنٹہ اس کام کے لئے لے لیا ہے اور مجھے ٹہلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

شیعہ لیڈر کا غلط قرآن مجید پڑھنا اور انتظامیہ و شیعہ قیدیوں کا روکنا:۔

چوہنگ کے عقوبت خانہ میں جولائی کا مہینہ میرے لئے اس وجہ سے کافی پریشان کن تھا کہ سخت گرمی بھی تھی اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ بھی اور پھر یہ کہ میں اب اس سینٹر میں اکیلا تھا۔ بعد میں ایک دو ساتھی آ گئے تھے مگر وہ بالکل نئے تھے اور خوف زدہ تھے۔ ادھر شیعہ کے نو کے قریب تخریب کار موجود تھے۔ جس میں غلام رضا نقوی، محرم علی، موسیٰ، جبار نقوی، بلوبٹ نمایاں تھے۔ جیسے ہی بجلی رات کو یا دن کو بند ہوتی۔ یہ لوگ طوفان بدتمیزی پیدا کر دیتے۔ مرثئیے، دوھڑے اور اوٹ پٹانگ کی بک بک شروع کر دیتے۔ ان کی باتوں کی تان مجھ پر آ کر ٹوٹتی۔ محرم کے ایام میں جیسے میں ذکر کر چکا ہوں کہ ہم خوب باری باری تلاوت سے وقت گذارتے تھے اور شیعہ اس پر خاموش رہتے تھے۔ اب معاملہ بر عکس تھا۔ میں نے اب فیصلہ کر لیا کہ جب لوڈ شیڈنگ ہو تلاوت بلند آواز سے شروع کر دی جائے۔ چنانچہ دو تین روز ایسے ہی ہوا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ تلاوت کی آواز سنتے ہی ڈیوٹی پر موجود بعض افسران اندر آ جاتے اور سبحان اللہ سبحان اللہ کہہ کر داد دیتے اور میں حیران ہوں کہ میری آواز اور سانس اس قدر میرا ساتھ دینے لگے کہ لمبے لمبے سانس اور خوبصوت آواز

سے تلاوت کلام پاک ایک سماں باندھ دیتی۔ شیعہ کو اس سے بڑی تکلیف ہونے لگی۔ وہ اب تلاوت کے دوران باقاعدہ کھسر پھسر شروع کرنے لگے۔ میں نے تلاوت کے دوران رک کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ جس کے پاس قرآن ہے وہ قرآن سنائے گا اور جس سینہ میں قرآن کی بجائے کوئی اور چیز ہے مجبوراً وہ وہی سنائے گا۔ پھر تلاوت شروع کر دیتا۔ آخر ایک دن غلام رضا نقوی نے انتظامیہ کے افسران کو کہہ ہی دیا کہ آپ لوگ سنی ہونے کے باعث اس کی طرف داری کرتے ہیں اور ہمیں بولنے نہیں دیتے ہیں۔ وہ گھنٹہ گھنٹہ تلاوت کرتا ہے۔ پھر مزے کی بات یہ تھی کہ میں اکثر جو آیات تلاوت کرتا تھا۔ وہ منافقین کے تذکرہ والی ہوتی تھیں۔ اب ترجمہ کسی کو سمجھ آئے یا نہ آئے لیکن بار بار منافقین کا لفظ ضرور اسے سمجھ آتا مثلاً۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ المنافقون والمنافقات بعضهم من بعض تو اب انتظامیہ کے افسران کو یہ بھی شکایت کرتے کہ یہ ہمارے خلاف قرآن کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اس پر انتظامیہ کے افسر اور بھی محظوظ ہوتے اور کہتے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید شیعوں کے خلاف ہے۔ اس بات سے وہ سٹپٹا کر رہ جاتے۔ ایک روز ڈیوٹی افسران نے غلام رضا نقوی کو کہہ ہی دیا کہ علامہ رضا نقوی صاحب کیا آپ کو قرآن نہیں آتا ہے؟ آپ بھی پڑھیں ہم سنیں گے۔ اب مجبوراً نقوی نے سورۃ الملک کی تلاوت شروع کر دی۔ بمشکل دو آیات وہ بھی نہایت ہی غلط انداز میں پڑھ کر بھولنے لگا۔ کبھی رکتا کبھی پڑھتا۔ کبھی آگے چلا جاتا کبھی پچھلی آیت کو دھرانے لگتا۔ میں نے اپنے سیل سے غلط غلط کا شور بلند کر دیا اور ساتھ کہنا شروع کر دیا۔ اگر صحیح قرآن نہیں آتا ہے تو غلط تو نہ پڑھا جائے۔ قرآن مجید کا کیا قصور ہے؟ اس پر ظلم بند کرو" ادھر ڈیوٹی افسران میں سے بھی بعض کو سورۃ الملک آتی تھی۔ انہوں نے بھی کہا نقوی صاحب آپ غلط پڑھ رہے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ آپ دیکھ کر پڑھ لیں اور نہ خود گنہگار ہوں نہ ہمیں کریں۔ اس واقعہ کا دوسرے شیعہ قیدیوں پر

بہت اثر پڑا۔ انہوں نے صاف کہنا شروع کر دیا کہ نقوی صاحب ہمیں بڑی شرم آ رہی ہے
کہ آپ کو قرآن بھی صحیح نہیں آ رہا ہے۔ سپاہ محمد کے ایک لیڈر جبار نقوی نے تو صاف
صاف کہہ دیا مولانا طارق صاحب! ہمارے لیڈروں کو قرآن نہیں آتا ہے آپ ہی قرآن
پاک کے عالم و قاری ہیں لہٰذا آپ ہمیں قرآن سنائیں۔ اب میں نے خود بلند آواز میں
سورۃ الملک کی تلاوت شروع کر دی۔ ایک تو جذبہ حق سے ذہن سرشار تھا دوسرے شیعہ
کی زبان سے کھلی شکست کا اعتراف ہو چکا تھا۔ بس اللہ کی قدرت تھی کہ ایسی دلاویز آواز
میں تلاوت شروع ہوئی کہ جب میں سانس لینے کے لئے رکتا تو چاروں طرف سے شیعہ کے
سیلوں سے بھی سبحان اللہ کی آوازیں بلند ہونے لگتیں۔ پھر تو یہ تقریباً عادت بن
گئی تھی کہ جب لوڈشیڈنگ ہوتی خود شیعہ کے نوجوان کہتے قرآن کی تلاوت سنائیں۔

چوہنگ میں تین شیعوں کا قبول اسلام:-

قرآن مجید تو پھر اللہ کا کلام ہے۔ اسے اگر کوئی سنانے والا تو ہو ضرور اثر دکھاتا ہے۔
اب چوہنگ کا ٹارچر سیل حکمرانوں کا ظلم اور ایک زخمی انسان جسے شیعہ واجب القتل جانتے
ہیں اور پھر ان لوگوں کی موجودگی جو خود گستاخ امام زمان قرار دے کر راکٹ لانچروں اور
بموں سے قتل کرنے کے تمام حربے آزما کر بھی ناکام ہو چکے تھے۔ اس ماحول میں قرآن
کریم کی تلاوت کا جو سرور و لطف خود مجھے نصیب ہوتا تھا۔ وہ پہلے اور بعد میں کبھی نہیں
ہوا۔ چنانچہ مذکورہ بالا واقعہ کے بعد شیعہ نوجوان خود قرآن سننے کی فرمائش کرتے اور میں
آدھا آدھا گھنٹہ کبھی پورا پورا گھنٹہ قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ
غلام رضا نقوی اور محرم علی کے علاوہ وہاں شیعہ کے تین اہم عہدیداران نے ڈیوٹی
افسران کے ذریعہ سے پیغام بھیجے کہ ہم شیعہ مذہب چھوڑنے کا اعلان کرتے ہیں اور سنی
مذہب قبول کرتے ہیں۔ پھر ڈیوٹی افسران سے ان لوگوں نے کہا کہ ہمیں مولانا کی زیارت

کراؤ۔ چنانچہ صبح و شام جب میں باہر نکلتا تو انکے سیلوں کے سامنے تھوڑی دیر رک جاتا وہ لوگ اپنے اپنے انداز میں نہایت ہی عقیدت و محبت کا اظہار کھڑے ہو کر اشاروں سے سلام کے ذریعہ کرتے۔ میں ان نوجوانوں کے نام قصداً تحریر نہیں کر رہا ہوں کیونکہ ان کے لئے سخت خطرہ بن سکتے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر اخلاص سے کوئی شخص کوشش کرے تو بہت سے ایسے شیعوں کی اصلاح ہو سکتی ہے جو محض حب اہل بیت کے نام پر شیعیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وہ جب بھی جیلوں سے باہر آئے تو ضرور راہ حق پر گامزن ہوں گے۔ اللھم اھد ھم سبل السلام واخرجھم من الظلمت الی النور

راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ کی شہادت اور شیخ اشفاق کی رہائی:۔

۲۴ جون ۹۷ء کے اخبار میں سپاہ صحابہؓ کے اسیر کارکنوں کے لئے بے لوث انداز میں قانونی جنگ لڑنے والے نہایت ہی مخلص اور سرگرم ممتاز وکیل راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ کی شہادت کی خبر پڑھ کر مجھ پر سکتہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ صرف پانچ روز قبل ۱۹ جون کو وہ مجھ سے میرے بچوں کی ملاقات کروانے کے لئے چوہنگ آئے تھے۔ اگرچہ اس روز ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی لیکن وہ اس سے پہلے مئی کے آخری عشرہ میں بھی ہائی کورٹ سے اجازت لے کر مجھ سے ملاقات کر گئے تھے۔ میں نے بوقت ملاقات ان سے کہا بھی کہ راؤ صاحب! اپنا خیال رکھیں اور احتیاط کیا کریں کیونکہ دشمنوں کو یہ بات گوارا نہیں ہے کہ آپ ہماری پیروی کریں اگر ممکن ہو تو آپ آئی جی پولیس سے مل کر اپنی حفاظت کے لئے دو پولیس اہلکار ہمراہ لے لیں۔ مجھ سے ملاقات کے بعد انہوں نے اخبارات میں ملاقات کے حوالہ سے بیانات جاری کیے اور عدالت میں نظر بندی کے خلاف رٹ دائر کر دی۔ دوبارہ انہیں ملاقات نہ کرنے دی گئی مگر انہوں نے ایک مرتبہ پھر چوہنگ کے حوالہ

سے میرے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر اخبارات میں احتجاج کیا۔ اخبارات کے بیانات کے باعث وہ اور زیادہ دشمنوں کی نظر میں آ گئے اور انہیں فون پر دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں۔ مشکوک افراد ان کا تعاقب کرنے لگے۔ راؤ صاحب نے آئی جی پنجاب سے رابطہ کیا۔ جس پر انہیں دو حفاظتی گارڈ دینے کا حکم جاری کیا گیا۔

خدا کی قدرت دیکھیے کہ! جس روز یہ دو حفاظتی گارڈ ان کے دفتر سلیمی چیمبر میں پہنچے اس روز گھر سے دفتر آتے ہوئے راؤ خلیل احمد صاحب دشمن کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور جام شہادت نوش کر گئے۔

دوسرے روز جب اخبار کی اس خبر سے میں سخت اضطراب و پریشانی میں مبتلا تھا۔ اس وقت معلوم ہوا کہ شیخ محمد اشفاق کی رہائی کے آرڈر آ گئے ہیں۔ کیونکہ شیخ صاحب کی نظربندی تین ماہ کے لئے تھی اور آج تین ماہ پورے ہو رہے تھے۔ شیخ صاحب نے پیغام بھجوایا کہ باہر کے لئے کوئی پیغام ہو تو زبانی بتا دیں۔ میں نے کہا ایک ہی پیغام ہے کہ راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ کے بچوں کے لئے جماعت جس قدر بھی ممکن ہو سکے ضرور تعاون کرے اور ماہانہ وظیفہ جاری کر دے تاکہ ان کے بچوں کی کفالت ہو سکے۔ نیز آپ کے پاس جو قرآن مجید کی تفسیر عثمانی ہے وہ مجھے دے جائیں۔

تفسیر عثمانی کا مطالعہ:۔

اردو زبان میں اب تو قرآن کریم کی ماشاء اللہ بہت سی تفاسیر مارکیٹ میں آ چکی ہیں جو کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں۔ لیکن ایک ہی جلد میں یعنی قرآن کریم کے حواشی پر شائع شدہ تفسیر عثمانی ایک ایسا علمی و تحقیقی جواہر پاروں کا خزینہ ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی ہے۔ اس تفسیر میں ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا ہے۔ جو حضرت نے مالٹا کی جیل میں لکھا اور تفسیر میں بھی کئی مواقع پر حضرت شیخ الہند کے ارشادات ہیں۔ لیکن تفسیر کا تمام تر

کام بانی پاکستان کے قریبی ساتھی اور مغربی پاکستان (یعنی موجودہ پاکستان) میں سب سے پہلے پاکستان کا پرچم لہرانے والے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے ہاتھوں سے مکمل ہوا ہے۔ یہ تفسیر اتنی مختصر بھی نہیں ہے کہ عام آدمی کو کچھ سمجھ نہ آئے اور طوالت تو بالکل نہیں ہے۔ لیکن ایک خوبی اس کی یہ ہے کہ صاحب مطالعہ شخص نے اگر قرآن کریم کی مستند درجنوں تفاسیر کی ورق گردانی کر رکھی ہو اور پھر وہ اس تفسیر کا مطالعہ کرے تو اسے ایسے محسوس ہو گا جیسے اس نے چند سطور میں تمام تفاسیر کا نچوڑ پا لیا۔

چنانچہ جوہنگ کی قید تنہائی میں روزانہ ایک قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ ساتھ نصف پارہ تفسیر کے گہرے مطالعہ کا خوب موقع ملا اور اس قدر فائدہ ہوا کہ جسے بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔

اقبال صدیقی کی شہادت:۔

اقبال صدیقی نام ہے اس شخص کا جسے مولانا حق نواز شہید کے ابتدائی ساتھیوں میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل تھا اور پہلے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری اور سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ جھنگ میں رہائش کے ساتھ ساتھ فیصل آباد میں کپڑے کا اچھا کاروبار تھا اور رہائش فیصل آباد میں تھی۔ جماعت کے لئے فنڈز مہیا کرنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ بڑے کھرے آدمی لگی لپٹی بات کرنے کے سخت مخالف۔ جس بات کو صحیح سمجھا مخاطب کے منہ پر کہہ دی، چاہے اسے اچھی لگے یا بری، جھنگ سے فیصل آباد جائیں اور ان کی میزبانی سے لطف اندوز نہ ہوں یہ ممکن نہیں تھا۔ جماعت کے شعبہ نشرواشاعت میں دل کھول کر خرچ کرتے۔ یکم مئی ۱۹۹۷ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملاقات میں وہ ہمارے ساتھ تھے۔ ایک روز جوہنگ میں ان کی شہادت کی خبر اس وقت پڑھی جب ان کی شہادت کے بعد جھنگ میں حالات خراب ہو گئے تھے۔ کیونکہ جوہنگ میں اخبار کا روزانہ ملنا ناممکن

تھا۔ لیکن جیسے کہ میں لکھ چکا ہوں کہ کبھی کبھی کسی نہ کسی انداز میں اخبار مل جاتا تھا۔ اس خبر سے بہت ہی صدمہ ہوا لیکن "قہر درویش برجان درویش" والی بات تھی۔ نہ کسی سے ایسے غم کا اظہار کر سکتا تھا اور نہ ہی کوئی زخمی دل پر مرہم رکھنے والا تھا۔ بس ایک ہی چارہ تھا کہ بارگاہ ایزدی میں ان شہداء ناموس صحابہؓ کے درجات کی بلندی کے لئے ہاتھ اٹھاتا رہوں۔ سو اس میں کمی نہیں آئی۔

نظر بندی کے اختتام پر شیخ اقبال قتل کیس میں گرفتاری، رہائی کا راستہ روک دیا گیا۔

میری نظر بندی کی مدت پانچ اگست ۱۹۹۷ء کو ختم ہونا تھی، چنانچہ ۵۔ اگست صبح کو تمام جیل کا عملہ مجھے مبارک باد دے چکا تھا کہ آج آپ رہا ہو جائیں گے۔ لیکن صبح آٹھ بجے جھنگ سٹی تھانہ کا سب انسپکٹر عبدالباری وہاں پہنچ گیا اور اس نے کہا کہ میں آج سے اڑھائی سال قبل جھنگ کے شیخ اقبال قتل کیس میں آپ کی گرفتاری ڈالنے آیا ہوں اور مجھے گزشتہ رات حکومت نے جھنگ سے خصوصی طور پر اس کام کے لئے طلب کیا ہے۔ جس سے میں سمجھ گیا کہ ابھی امتحان و آزمائش کے دن ختم نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس کیس میں گرفتاری ڈال کر میری رہائی کا رستہ روک دیا گیا۔ جبکہ میں شیخ اقبال قتل کیس کے بعد اس سے قبل دو مرتبہ قریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ پاکستان بھر کی جیلوں میں گزار چکا ہوں اور اس کیس میں مشہور تفتیشی افسر ایس پی کرائم برانچ غلام محمد کلیار میری تفتیش کر کے مجھے بے گناہ تسلیم کر چکے تھے اور انہوں نے اس کیس میں میری گرفتاری تک نہیں ڈالی تھی۔ اس مقدمہ میں پہلے ہی روز شیخ اقبال کے ورثاء پر حکومت پنجاب نے زور دے کر میرا نام درج کرایا تھا حالانکہ میں اس وقت روپوشی کا وقت گذار رہا تھا اور میرا کسی اور

سے کیا رابطہ ہوتا خود اپنے گھر بھی رابطہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اور اس وقت جھنگ میں جماعت کے اکثر ذمہ دار جیل میں ڈالے جا چکے تھے۔ باقی بہت عہدیداران گھروں سے باہر تھے۔ لیکن شیخ حاکم علی کو جیل میں ہونے کے باوجود اور حاجی منیر احمد شاہد کو شہر سے باہر ہونے کے باوجود اس مقدمہ میں ملوث کر دیا گیا۔

جامعہ ضیاء العلوم لاہور کا حادثہ اور چیف جسٹس سپریم کورٹ کا اقدام:۔

ایک طرف محب وطن راہنماؤں اور عوام کے منتخب نمائندہ کو چوہنگ کے ٹارچر سیل میں بند کر کے انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ دوسری طرف قاتلوں تخریب کاروں اور درندہ صفت انسانوں کو معصوم جانوں کے خون سے ہولی کھیلنے، مساجد و مدارس کا تقدس پامال کرنے اور بارگاہ ایزدی میں سر بسجود انسانوں کو گولیوں سے چھلنی کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی۔ صرف لاہور میں میری نظر بندی کے بعد راؤ خلیل احمد ایڈووکیٹ، ڈاکٹر سیف اللہ خالد، ڈاکٹر مطیع الرحمٰن کے علاوہ نصف درجن وکلاء، ڈاکٹر اور تبلیغی جماعت سے وابستہ افراد کو شہید کیا جا چکا تھا۔ قاتلوں تخریب کاروں اور دہشت گردوں کے حوصلے بہت بڑھ چکے تھے۔ جس کے باعث انہوں نے لاہور میں بڑی سطح پر دہشت گردی کا پلان تیار کیا اور ۶ اگست کو جامعہ ضیاء العلوم بیگم پورہ لاہور میں نماز مغرب کی ادائیگی میں مصروف نمازیوں اور قرآن و حدیث کے طالب علموں پر فائرنگ کر دی۔ وہ نہایت اطمینان سے میگزینیں بدل بدل کر فائرنگ کرتے رہے۔ گولیوں کی بارش سے ایک قیامت برپا ہو چکی تھی۔ صحن مسجد نمازیوں کے خون سے تر ہو چکا تھا۔ جب فائرنگ کا سلسلہ ختم ہوا اور قاتل فرار ہو گئے تو پتہ چلا کہ دس نمازی شہید اور بارہ زخمی ہو چکے ہیں۔ اتنے بڑے واقعہ پر بھی حکومت کا رویہ وہی تھا کہ ۲۴ گھنٹوں میں قاتل گرفتار کر لینے کے دعوے تھے۔ مگر عملاً قاتل اور انکے سرپرست حکومت کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سپاہ صحابہؓ کی

قیادت کو گرفتار کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے کہ شیعہ نے اپنے مقتول کی F.I.R میں ان کا نام لکھوا دیا ہے جبکہ تحریک جعفریہ اور شیعہ گروہ کے قاتل پہچانے جانے اور بعض اوقات گرفتاری کے نتیجے میں تفتیش کے ذریعے ان کے اس اقرار کے بعد کہ ہم نے یہ تخریب کاری فلاں لیڈر کے ایماء پر کی ہے اور اسلحہ ہمیں ہمارے فلاں لیڈر نے دیا ہے حکمران اتنی جرات نہیں کرتے کہ اصل تخریب کار لیڈروں پر ہاتھ ڈالیں۔ جن لیڈروں نے ایرانی دولت سے تیس تیس لاکھ روپے کی کوٹھیاں بنا کر فلمی اداکاراؤں کے حسن کا شکار ہو کر کوٹھیاں ان کے نام الاٹ کردیں اور غیر ملکی حکمرانوں کو سرعام اپنے اداروں میں استقبالیے دے کر پاکستان کے خلاف تقاریر کے مواقع دیئے اور صوبہ سرحد میں کروڑوں روپے ممبران صوبائی اسمبلی کو دیکر سینٹ کے انتخاب میں اپنے امیدوار کامیاب کرائے۔ وہ تو حکمرانوں کے منظور نظر ہونے کے باعث قانون کی گرفت سے محفوظ اور آئے دن ملک میں دہشت گردی کی ناپاک سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف تھے۔ حکمرانوں کے اس دوہرے معیار کے باعث لاہور میں خصوصاً اور پنجاب بھر میں عموماً ایسے واقعات وسانحات کا رونما ہونا ایک معمول بن گیا تھا۔ جن میں انسانی خون پانی سے سستا سمجھ کر بہایا جا رہا تھا۔

چیف جسٹس سپریم کوٹ سید سجاد علی شاہ نے ان واقعات کا نوٹس لیتے ہوئے خود یہ قدم اٹھایا کہ لاہور میں ڈیرے ڈالدیئے اور مذہبی، سماجی، سیاسی، عوامی راہنماؤں اور صحافیوں، وکلاء، دانشوروں سے ملاقاتیں شروع کردیں۔ تاکہ ان فسادات کے اسباب و عوامل معلوم کیے جائیں اور اس قتل وغارت گری کا ٹھوس بنیادوں پر سدباب کیا جائے۔ چنانچہ لاہور میں بہاں شیعہ جماعتوں نے چیف جسٹس کے سامنے اپنا موقف پیش کیا۔ وہاں سپاہ صحابہؓ کے مرکزی رہنماؤں نے مولانا علی شیر حیدری قائد سپاہ صحابہؓ کی قیادت میں چیف جسٹس کو حکمران طبقہ کی جانبدارانہ پالیسیوں سے آگاہ کیا اور شیعہ سنی فسادات کی

آگ بھڑکانے والے عوامل کو بیان کرتے ہوئے شیعہ کی سینکڑوں ایسی کتب پیش کیں۔ جن میں خلفاء راشدین، ازواج مطہرات اور صحابہ کرامؓ کے خلاف انتہائی ناقابل برداشت زبان استعمال کی گئی تھی۔ ان کتب سے جب چند حوالہ جات پڑھ کر انہیں سنائے گئے تو چیف جسٹس صاحب اور ان کے رفقاء کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اس موقعہ پر سپاہ صحابہؓ کے وفد نے مجھ پر ہونے والے مظالم اور حکومت کی انتقامی کاروائیوں کا بھی ذکر کیا۔ جس پر چیف جسٹس صاحب نے ایکشن لینے کی یقین دہانی کرائی۔

چیف جسٹس سپریم کورٹ کی طرف سے غلام رضا نقوی کی طلبی:-

سپاہ محمد نے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے سامنے اپنا عذر پیش کیا کہ ہمارے لیڈر چونکہ چوہنگ میں ہیں۔ لہٰذا آپ ان کو بلوا کر ان کا موقف سنیں۔ اس لئے ۱۷ اگست شام کو چیف جسٹس کے سامنے اپنا موقف بیان کرنے کی بجائے نقوی نے چوہنگ سینٹر میں ہونے والی زیادتیوں پر واویلا شروع کر دیا اور کہا "مجھے گولی ماردیں لیکن واپس چوہنگ نہ بھیجیں۔" ادھر چوہنگ کے عنوان پر میری طرف سے بھی درخواستیں چیف جسٹس کو موصول ہو چکی تھیں لہٰذا انہوں نے چوہنگ سینٹر کے حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔

سپریم کورٹ و ہائی کورٹ کے رجسٹرار حضرات کی چوہنگ آمد اور C.I.D کے عملہ کی بدحواسیاں:-

چیف جسٹس سپریم کورٹ کی ہدایت پر ۱۸ اگست کو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ لاہور کے رجسٹرار اچانک چوہنگ کے بدنام زمانہ عقوبت سینٹر میں پہنچ گئے۔ چوہنگ سینٹر کو چلانے والے سی۔ آئی۔ ڈی عملہ کو اس وقت پتہ چلا جب یہ ٹیم بالکل سر پر پہنچ گئی۔ چنانچہ

فوری طور پر اس ٹیم کے ارکان کو D.I.G جوہنگ کے ٹھنڈے دفتر میں بٹھا کر چائے پیش کی گئی اور ادھر جلدی سے میرے سیل کا تالہ کھول کر مجھے کہا گیا کہ آپ باہر تشریف لائیں۔ آپ کو سروسز ہسپتال چیک اپ کے لئے جانا ہے اور بڑے ہی پر تپاک انداز میں مجھے عقوبت خانہ کے بڑے گیٹ سے نکال کر پچھلی جانب تین منزلہ عمارت پر لے جایا گیا جہاں ملازمین رہائش رکھتے ہیں۔ ایک افسر کے کمرہ میں پڑے ہوئے بیڈ پر آرام کرنے کا مشورہ دیا اور چائے لانے کا کہہ کر ملازم نیچے چلے گئے۔

گو کہ ساڑھے تین ماہ کے بعد ایک آرام دہ بیڈ پر لیٹنا میرے لئے راحت جنت سے کم نہ تھا۔ لیکن فوراً میں نے سوچنا شروع کر دیا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ آج تک تو مجھے ہسپتال میں شفٹ کرنے کا حکومت کو خیال نہ آیا۔ بلکہ نظر بندی کے خاتمہ پر ایک قتل کیس میں گرفتاری ڈال کر پھر اسی عقوبت خانہ میں بند رہنے پر مجبور کر دیا گیا۔ اب اچانک مجھے اتنی جلدی نکالنے اور یہاں بٹھانے کا مقصد آخر کیا ہے؟ میرے ذہن میں فوری یہ بات آئی کہ لازماً عدالت کی طرف سے یا انسانی حقوق کی تنظیموں کی طرف سے کوئی وفد مجھے ملنے آیا ہو گا یا کسی اور خطرہ کے پیش نظر صرف مجھے ہی نکالا گیا ہے۔ تاکہ میں اِن کے سامنے حقائق کو بیان نہ کروں یا اگر کوئی ڈاکٹروں کا پینل آیا ہو گا تو انہیں کہہ دیا جائے گا کہ مولانا ہسپتال میں ہیں تاکہ وہ مجھ سے نہ مل سکیں۔

یہ سوچ کر میں بیڈ سے اٹھا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا۔ اس آواز پر پورے عملہ میں تھرتھلی مچ گئی اور میرے پاس آکر پوچھنے لگے مولانا کیا بات ہے؟ میں نے کہا مجھے فوراً واپس میرے سیل میں لے چلو ورنہ میں یہاں کوئی بڑا مسئلہ پیدا کر دونگا۔ انہوں نے بہت سمجھایا کہ آپ کو ہسپتال لے کر جانا ہے لیکن میں نے کہا میں اب ہسپتال نہیں جاؤنگا کیونکہ جب میرے زخم تازہ تھے۔ اس وقت تم لوگ مجھ پر تشدد کرتے رہے اور اب میرے "چچازاد" بن رہے ہو۔ مجھے فوری واپس لے کر چلو۔

میرے اس شور و غوغا سے وہ لوگ گھبرا اٹھے اور مجھے لے کر واپس عقوبت خانے کا گیٹ کراس کر کے جب اس ہال کے سامنے پہنچے ۔ جس کے دروازے کے اندر داخل ہو کر دائیں بائیں اندھیرے میں سیل بنے ہوئے ہیں تو ہال میں سامنے ہی کرسی پر S.P سی۔ آئی۔ ڈی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ مجھے اندر نہ لایا جائے لیکن میں تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اندر داخل ہو گیا اور ایس پی صاحب سے کہا جناب والا! آپ کہاں ہیں؟ یہاں اتنا ظلم ہو رہا ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ وہ فوراً کرسی سے اٹھے اور میرے کان کے قریب منہ لا کر کہنے لگے خدا را چپ ہو جاؤ۔ ہماری عزت کا مسئلہ ہے۔ ہم آپ سے تعاون کی امید رکھتے ہیں اور آئندہ آپ کے تمام مسائل حل کریں گے۔ ادھر میری نظر بائیں جانب پڑی تو سیل نمبر۵ کے سامنے کچھ لوگ کھڑے نظر آئے جو سیل میں بند نوجوان سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اب معاملہ کچھ کچھ میری سمجھ میں آ گیا۔ چنانچہ میں اپنے سیل میں داخل ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد یہ وفد میرے پاس آ پہنچا۔ وفد نے اپنا تعارف کرایا کہ ہم سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے رجسٹرار ہیں۔ یہاں کے حالات معلوم کرنے اور آپ کے مسائل جاننے کے لئے آئے ہیں۔ میں نے انہیں کہا خدا کا شکر ہے کہ ایک ایسا شخص آپ کو دستیاب ہو گیا ہے جو یہاں کے صحیح صحیح حالات بتائے ورنہ یہ سہمے قیدی بے چارے آپ کو کیا بتائیں گے؟

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ ابھی ہونا باقی ہے کہ آیا چوہنگ سینٹر ایک تفتیشی مرکز ہے یا سب جیل۔ اگر تفتیشی مرکز ہے تو پھر یہاں پر وہی ملزم لائے جا سکتے ہیں جن کا عدالت ریمانڈ دے۔ یہاں پر ڈائریکٹ کسی جیل سے ملزم کو منتقل کرنا یا نظر بند شخص کو رکھنا خلاف قانون ہے۔ وفد کے ارکان نے کہا آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔ میں نے کہا پھر مجھے یہاں پر غیر قانونی رکھا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ جیل ہے تو پھر یہاں سے کسی قیدی کو عدالت سے

ریمانڈ لئے بغیر تفتیش کے لئے نہیں نکالا جا سکتا ہے۔ وفد کے ارکان نے کہا یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ میں نے کہا آپ وہ سامنے پڑا رجسٹر اپنے قبضہ میں کر لیں اور اس سے چیک کریں کہ دن رات میں کتنی مرتبہ ہمیں یہاں سے سامنے والی عمارت میں آنکھیں باندھ کر ہتھکڑیاں پہنا کر لے جایا جاتا ہے اور تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

تیسری بات اگر یہ سب جیل ہے تو پھر اسے جیل کے عملہ کے سپرد ہونا چاہیے جبکہ یہاں عملہ C.I.D کا ہے اور وہی عملہ اس جگہ ہمیں بند کرتا ہے اور وہی تفتیش کرتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر یہ جیل ہے تو جیل مینوئل کے مطابق گھر والوں سے ملاقات کی سہولت اور کم از صبح و شام ہر شخص کو گھنٹہ گھنٹہ ٹہلائی کا وقت دینے کی وہ سہولت دی جائے جو جیلوں میں سزائے موت تک کے قیدیوں کو بھی حاصل ہوتی ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اگر یہ سب جیل ہے تو پھر اس کے سیلوں میں کیمرے کیوں لگائے ہوئے ہیں۔ آپ دیکھیں یہ میرے سیل کی چھت پر کیمرہ موجود ہے۔ جو براہ راست میری نقل و حرکت کو ڈی۔ آئی۔ جی اور ایس پی کے دفتر میں پیش کر رہا ہے۔ میں اپنی مرضی سے نہ سو سکتا ہوں نہ پیشاب کر سکتا ہوں۔

یہ باتیں سن کر وفد کے ارکان نے کہا کہ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر یہاں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ہم ابھی واپس جا کر تمام تفصیلات چیف جسٹس صاحب کو اسلام آباد فیکس کر دیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ وہ ضرور اس کا نوٹس لیں گے۔"

وفد کے جانے کے بعد چوہنگ سینٹر کا چھوٹا عملہ بڑا خوش تھا کہ آپ نے اچھا کیا تمام تفصیلات بتا دیں لیکن بڑے افسران کے منہ سوجے ہوئے تھے۔ میں نے کہا مجھے کیا پرواہ ہے۔ آپ راضی ہوں یا ناراض۔ مجھے موقع ملا تو میں اس مسئلہ پر انشاء اللہ اسمبلی میں حکمرانوں کا گریبان پکڑوں گا اور ان سے پوچھوں گا کہ چوہنگ سینٹر کا قانونی جواز کیا ہے؟ کس قانون کے تحت تم لوگ یہاں پر ظلم و جبر کی اندھیر نگری کا بازار گرم کیئے ہوئے ہو۔ کیا

تم یہ سمجھتے ہو کہ تم سے پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔ نہیں، اس مغالطہ میں مت رہو۔ ابھی اس دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں۔ جو فرعون وقت کے لئے کردار موسیٰؑ ادا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

چیف جسٹس کی طلبی پر جوہنگ سے اسلام آباد کا سفر:-

چیف جسٹس سپریم کورٹ کی ہدایت پر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے رجسٹرار جوہنگ کے عقوبت خانہ کا دورہ کر کے واپس جا چکے تھے۔ تو میں نے جوہنگ کے عملہ کو بتا دیا کہ اب میں اسلام آباد جانے والا ہوں۔ وہ کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے کہا آپ دیکھ لیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا ۲۰ اگست شام کے وقت بعض افسران نے مجھے بتا دیا کہ آپ کا بلاوا آ گیا ہے۔ تیاری کر لیں۔ میں نے کہا میری تیاری ہی تیاری ہے اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جوہنگ کے عقوبت خانہ سے نکلنے پر مجھے اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ جتنی رہائی پر ہوتی ہے۔ چنانچہ رات نو بجے پولیس کی گاڑیاں بکتر بند گاڑی اور بڑی بسیں جوہنگ پہنچ گئیں۔ اس سے قبل خود S.P جوہنگ نے مجھے اپنے دفتر بلوایا چائے پلائی اور بڑی میٹھی میٹھی گفتگو کی۔ اپنا تعلق بعض بزرگوں سے جوڑتے ہوئے بتایا کہ میرا پورا خاندان ان کا نیاز مند ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ہمارے بزرگوں کے نیاز مند خاندان کے چشم و چراغ کا یہ حال ہے اور میرے ساتھ ساڑھے تین ماہ تک روا رکھا جانے والا یہ سلوک نیازمندی والا ہے تو جو نیازمند نہ ہو اس کا کیا حال ہو گا؟ اس پر وہ بڑے شرمندہ ہوئے اور بولے بس مولانا! آپ تو جانتے ہیں کہ ہماری مجبوریاں کیا ہوتی ہیں؟

پولیس گاڑیاں مجھے لے کر لاہور ایئرپورٹ پر پہنچیں اور ہم ایئرپورٹ میں داخل ہوئے تو بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری شناسا چہروں سے واسطہ پڑا۔ فرق اتنا تھا کہ سرکاری طبقہ کے لوگ منہ دوسری طرف پھیر لیتے تھے اور اپوزیشن کے لوگ دور دور

سے آکر ہاتھ ملاتے اور پوچھتے تھے کہ کیا آپ رہا ہو گئے ہیں؟ میں انہیں بتاتا کہ نہیں جھنگ سے آیا ہوں چیف جسٹس صاحب نے بلوایا ہے۔ وہ رہائی کی دعائیں دے کر ایک طرف ہو جاتے۔ کیونکہ انہیں میرے ہمراہ سادہ کپڑوں میں پانچ سات کراما کاتبین کی گھورتی ہوئی آنکھیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔

شیعہ لیڈر افتخار نقوی سے آمنا سامنا:۔

جب ہم جہاز میں پہنچے تو مجھ سے اگلی نشست پر تحریک جعفریہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری افتخار نقوی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھی نوجوان نے جونہی مجھے دیکھا تو سرگوشی کے انداز میں انہیں بتایا۔ نقوی نے کن اکھیوں سے میری طرف دیکھا پھر آنکھیں بند کر کے کسی تصور میں کھو گئے۔ شاید ۲۳ اپریل کے ٹی وی مذاکرہ والی بات سوچ رہے ہوں۔ دوران سفر کوئی گفتگو نہ ہوئی۔ بلکہ ان کا باڈی گارڈ یا ساتھی بار بار میری طرف دیکھنے کی کوشش کرتا جیسے میں کوئی پیچھے سے حملہ کرنے والوں میں سے ہوں حالانکہ انہیں معلوم بھی ہے کہ ہم چھپ کر حملہ کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہم تو ہر بات منہ پہ کہتے اور سرمیدان دعوت مبارزت دینے والے لوگ ہیں۔ خیر اب جہاز اسلام آباد ایئرپورٹ پر اترا تو تمام لوگ سیٹوں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نقوی صاحب بھی کھڑے ہو گئے اور میری طرف دیکھ کر کہنے لگے۔ کیا حال ہے؟ میں نے کہا اللہ کے فضل سے بہت اچھا حال ہے۔ پوچھنے لگے کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا چیف جسٹس صاحب نے بلوایا ہے۔ کہنے لگے وہاں غلام رضا نقوی بھی گیا ہے شاید اس نے آپ کو بلوایا ہو۔ میں نے کہا آپ بھی چیف جسٹس سے ملے تھے شاید اس وجہ سے مجھے بلوالیا گیا ہو۔ بہرحال جس مقصد کے لئے بھی بلوایا ہے۔ آپ کو خبر ہو جائے گی۔ میرے ساتھ سرکاری ملازمین اور سول کپڑوں میں ملبوس ملازم اس گفتگو سے بڑے محظوظ ہوئے جہاز سے اتر کر ایئرپورٹ سے باہر کارگو گیٹ کی طرف

سے لایا گیا اور وہاں سے رات گیارہ بجے اڈیالہ جیل پہنچا دیا گیا۔

یہ وہ زنداں تھا کہ اطراف کی دیواروں پر
میرے قائد کے ارادوں کے شرر باقی تھے
لوٹ آیا تھا جو دیرینہ قفس میں پھر سے
ابھی شاید میرے حصے کے ثمر باقی تھی

ایک مرتبہ پھر اڈیالہ جیل آمد لیکن اب اکیلا تھا:۔

اڈیالہ جیل کے دیو قامت بلند و بالا آہنی گیٹ نے زہر خنداں سے استقبال کیا، حکام میرے منتظر تھے۔ سب چہرے شناسا تھے۔ سب نے آگے بڑھ کر ہاتھ ملایا اور ہمراہ لے کر ڈیوڑھی سے جیل کی طرف نکلے۔ میں نے کہا کہاں ٹھہراؤ گے؟ جواب ملا اسی جگہ جہاں پہلے رہے ہو۔ اب B کلاس کی طرف جا رہے تھے۔ مگر مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ راستہ اور در و دیوار مجھ سے پوچھ رہے ہوں کہ آج تم اکیلے آ رہے ہو تمہارے ساتھ تمہارے قائد فاروقی نظر نہیں آ رہے ہیں۔ یہ وہ سوال تھا کہ جس کا جواب میرے پاس سوائے خاموشی کے کچھ اور نہ تھا۔ جی ہاں

ہم B کلاس میں داخل ہو کر اسی کمرہ کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے جہاں میں نے حضرت فاروقی شہید کے ہمراہ پہلے پانچ ماہ گذارے تھے۔ جیل حکام نے کہا اگر آپ کہیں تو آپ کو الگ اے کلاس کی سہولتیں دے دیتے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ مجھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ اب جو ساتھی کمرہ میں سوئے ہوئے تھے وہ بیدار ہو چکے تھے۔ یہاں سوائے دو ساتھیوں کے سب کے سب نئے چہرے تھے۔ یہ دو چہرے رمضان طاہر اور عبد اللہ تھے جو ملتان جیل سے ایک روز قبل یہاں منتقل کیئے گئے تھے۔ چونکہ باقی ساتھی بھی

سپاہ صحابہؓ کے ہی تھے۔ اس لئے انہوں نے جونہی نیند سے بیدار ہو کر آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر مجھے دیکھا تو حیران رہ گئے اور پھر اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے۔

اس وقت اس کمرہ میں کھاریاں قتل کیس کے مقصود احمد (جو چند ماہ قبل راولپنڈی سے فرار ہو گئے تھے) کے دو بھائی منظور رزاق، ندیم رزاق اور مقصود کے برادر نسبتی ظہیر احمد کے علاوہ حافظ عبدالحکیم، چچا ذوالفقار، عبدالغفور (جس کی دراز ریش کے باعث میں نے اس کا نام بسرار کھ دیا ہے) محمد فاروق عبداللہ، رمضان طاہر اور فیصل آباد کے ساتھی قمر اقبال موجود تھے۔ رات دیر تک یہ ساتھی باتیں کرتے اور احوال دریافت کرتے رہے۔ میں انہیں بتاتا رہا کہ چوہنگ کے مقابلہ میں جیل مجھے ایسے لگ رہی ہے جیسے میں آگ سے نکل کر چمنستان میں آگیا ہوں۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ لوگ میرے ساتھ باتیں کر رہے ہیں ورنہ کسی انسان سے باتیں کرنے کو زبان ترس گئی تھی اور آسمان تک دیکھنے کو آنکھیں ترسا کرتی تھیں۔

چیف جسٹس سپریم کورٹ سے ملاقات:۔

۲۱۔ اگست صبح ساڑھے آٹھ بجے پولیس کی نصف درجن گاڑیاں اور چھ موٹر سائیکل سوار اڈیالہ جیل سے لیکر اسلام آباد کی طرف رواں دواں ہوئے۔ قریباً ڈیڑھ سال کے بعد شاہراہ دستور پر جانے کا موقع ملا اور پہلی بار کنونشن ہال کی عمارت کو دیکھا کیونکہ وہ ہماری گرفتاری کے عرصہ میں تعمیر ہوئی تھی۔

سپریم کورٹ پہنچ کر کچھ دیر ویٹنگ روم میں بیٹھے۔ پھر چیف جسٹس صاحب نے بلوالیا۔ وہاں چیف جسٹس کے سامنے میری دائیں جانب اٹارنی جنرل پاکستان چوہدری فاروق، ہوم سیکرٹری پنجاب شہزاد حسن اور ڈپٹی اٹارنی جنرل بیٹھے ہوئے تھے۔ چیف صاحب سے ہونے والی گفتگو درج ذیل ہے۔

چیف جسٹس صاحب: میرے پاس آپ کی اہلیہ کی طرف سے درخواست آئی ہے کہ مولانا کو چوہنگ جیل سے کسی دوسری جیل میں منتقل کیا جائے تو آپ کو چوہنگ جیل میں کیا تکلیف ہے؟

میں نے کہا: جناب محترم سب سے پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اہلیہ کی درخواست پر ایکشن لیتے ہوئے مجھے یہاں بلوایا۔ اس کے بعد میں ہوم سیکرٹری صاحب کی موجودگی میں یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ چوہنگ سنٹر ایک عقوبت خانہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر سب جیل ہرگز نہیں ہے۔ نہ تو اسے جیل کا عملہ چلاتا ہے اور نہ ہی وہاں جیل مینوئل کے مطابق قیدی کو سہولتیں حاصل ہیں بلکہ وہاں تو صبح شام سی۔ آئی۔ ڈی کا عملہ تفتیش کرتا رہتا ہے اور وہی اس ٹارچر سیل کو چلا رہا ہے۔

چوہنگ میں نہ تو جیل کی طرح بچوں، بھائیوں اور وکلاء سے ملاقات کی اجازت ہے اور نہ ہی کسی کی تفتیش کے لئے عدالت سے ریمانڈ لیا جاتا ہے۔ میں نے قریباً وہ ساری باتیں بیان کیں جو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے رجسٹراروں کے دورہ چوہنگ پر ۱۸ اگست کو بیان کر چکا تھا۔ اس پر چیف جسٹس نے ہوم سیکرٹری کی طرف دیکھا کہ وہ ان باتوں کا جواب دیں۔ لیکن ان کے پاس خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

چیف جسٹس صاحب: آپ کیا چاہتے ہیں کہ آپ کو کس جیل میں بھیجا جائے؟

میں نے کہا: مجھ پر تین ماہ کی نظربندی کے خاتمہ کے روز جو اڑھائی سال پرانا مقدمہ قتل ڈالا گیا ہے۔ وہ جھنگ کا ہے لہٰذا مجھے جھنگ جیل بھیج دیا جائے تاکہ میں اس مقدمہ کی پیروی کر سکوں۔

چیف جسٹس صاحب: یہ لوگ کہتے ہیں کہ جھنگ میں آپ کے ماننے والوں کا زور ہے۔ اس لئے وہاں انتظامات کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے

میں نے کہا: پھر مجھے فیصل آباد جیل بھجوا دیں۔

چیف جسٹس صاحب: ٹھیک ہے اس پر ہم غور کریں گے فی الحال آپ کو راولپنڈی جیل رکھیں گے۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس وقت ملک میں شیعہ سنی فسادات خانہ جنگی کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور مسجدیں تک محفوظ نہیں ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں کیا تعاون کر سکتے ہیں؟

میں نے کہا: چونکہ میں چوہنگ سے آ رہا ہوں مجھے حالات کا صحیح علم نہیں ہے۔ تاہم میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یکم مئی ۹۷ء کو ہوم سیکرٹری کی موجودگی میں میں نے وزیر اعلیٰ پنجاب کو یقین دلایا تھا کہ ہم حکومت سے شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ کے لئے بھرپور تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن انہوں نے ہماری طرف سے تعاون کی پیش کش کو ہماری کمزوری سمجھا اور الٹا ہماری ساری قیادت کو گرفتار کر کے سخت تشدد کا نشانہ بنایا اور کئی کئی ماہ تک چوہنگ میں رکھا۔ اب میرے سوا تمام مرکزی راہنما بے گناہ قرار پا کر رہا ہو چکے ہیں اور مجھ پر بھی کوئی نیا الزام لگانے میں یا کیس بنانے میں حکومت کامیاب نہیں ہو سکی ہے اور ایک پرانے مقدمہ کی گرفتاری ڈال دی ہے

لہٰذا اب حکومت سے ہمارا تعاون بالکل نہیں ہو گا۔ ہاں آپ سے ہم ہر وہ تعاون کریں گے جس سے شیعہ سنی فسادات کی جڑ کٹ جائے گی۔

چیف جسٹس صاحب: آپ کے ذہن میں وہ کیا تجاویز ہیں؟

میں نے کہا: میں اس سلسلہ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے وقت اور اجازت دیں کہ میں اپنی جماعت کے راہنماؤں سے بات چیت کر لوں۔ پھر ہم جماعتی سطح پر آپ کو اپنی تجاویز پیش کریں گے۔ کیونکہ میں ذاتی حیثیت میں کوئی بات کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ہوں۔

چیف جسٹس صاحب: آپ کی جماعت کا وفد مجھے لاہور میں مل چکا ہے اور تجاویز دے چکا ہے۔

میں نے کہا: میری جماعت نے جو تجاویز دی ہیں میں ان کی تائید کرتا ہوں اور اگر آئندہ

آپ نے ملاقات کا موقع دیا تو میں مزید بھی تجاویز پیش کرونگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب تک اس ملک سے ایسی تحریروں او تقریروں کا خاتمہ نہیں ہو جاتا جن سے شعائرِ اسلام۔ ناموس رسالت تقدس ازواج مطہرات اور عظمت صحابہؓ کی توہین و تنقیص ہوتی ہو۔ اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا ہے اور اس طرح جب تک ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنی مذہبی عبادات و رسومات کے لئے اپنے عبادت خانوں تک محدود نہیں کیا جاتا اور ملک کا سپریم لاء اکثریتی مسلمان کے مذہب کے مطابق نہیں بنایا جاتا، غیر ملکی مداخلت کا دروازہ بند کر کے وطن عزیز میں تخریب کار عناصر کے خلاف برابری کی بنیاد پر کاروائی نہیں ہوتی ہے۔ اس وقت تک مسئلہ کا پائیدار حل سامنے نہیں آسکتا ہے۔

یہ کیسا انصاف ہے کہ ایک طرف ہم منتخب نمائندے ہو کر جیلوں اور ٹارچر سیلوں میں اذیتیں جھیلیں۔ دوسری طرف جو لوگ کونسلر تک منتخب نہیں ہو سکتے ہیں۔ انہیں چونکہ غیر ملکی تعاون حاصل ہے وہ ہمارے بیسیوں شہداء کے قتل میں ملوث ہونے کے باوجود بھی حکمرانوں کی گود میں بیٹھے ہوئے قانون کا مذاق اڑا رہے ہیں اور انہیں کوئی پکڑنے یا پوچھنے والا نہیں ہے۔ اس لئے آپ اس جانبدارانہ حکومتی پالیسی کو ختم کرنے کے لئے اقدام کریں۔

چیف جسٹس صاحب: آپ نے مختصر انداز میں بہت اہم باتیں کی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور تجویز؟

میں نے کہا: اس وقت پاکستان میں دو جماعتیں علی الاعلان باہم دست و گریبان ہیں اور وہ جو کچھ کر رہی ہیں۔ اخبارات میں اسے قبول کرنے کا اعلان بھی کر رہی ہیں شیعہ کی طرف سے سپاہ محمد اور اہل سنت کی طرف سے لشکر جھنگوی ہے۔

میری رائے ہے کہ جناب محترم نے جس طرح سپاہ محمد کے سالار کو یہاں بلوایا ہے۔ اس طرح لشکر جھنگوی کے لیڈر کو بھی بلوائیں اور ان کا موقف بھی سنیں۔ میں نے رات

ہی اڈیالہ جیل میں ایک اخبار میں پڑھا ہے کہ لشکر جھنگوی کے امیر نے آپ کو خط لکھا ہے کہ ہماری طرف سے ہمارے نمائندہ غلام رسول شاہ کو بلوایا جائے وہ اس وقت فیصل آباد جیل میں ہے۔

چیف جسٹس صاحب: بات درست ہے۔ کیوں ہوم سیکرٹری صاحب! غلام رسول شاہ کوئی ذمہ دار آدمی ہے؟

ہوم سیکرٹری: جی، وہ لشکر جھنگوی کا اہم لیڈر ہے اور فیصل آباد جیل میں ہے۔

رجسٹرار سپریم کورٹ: جناب چیف صاحب یہ لشکر جھنگوی کے امیر ملک اسحٰق کا خط بھی آیا ہوا ہے۔

چیف جسٹس صاحب: خط کو پڑھو کہ کیا لکھا ہے (اس میں بھی یہی بات تھی کہ غلام رسول شاہ کو بلوایا جائے) تو کل ہی ۹ بجے اسے بلوایا جائے۔ چلو آج اجلاس ختم کرتے ہیں۔

میں نے کہا: محترم چیف جسٹس صاحب! میں نے آپ سے علیحدگی میں چند باتیں کرنا ہیں۔

چیف جسٹس صاحب: ہوم سیکرٹری صاحب چوہدری فاروق صاحب! آپ دوسرے کمرہ میں بیٹھیں میں مولانا کی باتیں سن لوں۔

میں نے چیف جسٹس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا جناب والا! مجھے اس رات ہی اڈیالہ جیل سے علم ہوا ہے کہ جس روز سے اس مسئلہ کو آپ نے خود حل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے اس روز سے پورے ملک میں اب تک کوئی تخریب کاری نہیں ہوئی اور تمام متحارب گروپ آپ کی ذات پر متفق ہو چکے ہیں۔ لیکن یہ باتیں حکومت کو سخت ناگوار گذری ہیں کہ آپ نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ قدم اٹھایا ہے اور امن وامان کا کریڈٹ آپ کو مل رہا ہے۔ مجھے اس سفر میں باوثوق ذرائع سے علم ہوا ہے کہ یہ حکومت آپ کے راستہ میں روڑے اٹکانے کا پروگرام بنائے ہوئے لہٰذا آپ اس مسئلہ کے لئے ایک بینچ

تشکیل دیجئے۔ جو اس مسئلہ کی باضابطہ سماعت کرے۔ تاکہ تاریخ اسلام میں پاکستان کی عدالت عالیہ کا یہ پہلا فیصلہ لوگوں کے سامنے آسکے۔ اس کے علاوہ کئی اور باتیں بھی ہوئیں۔ میں نے بتایا کہ حکومت کن وجوہ کی بناء پر سپاہ صحابہؓ سے انتقام لے رہی ہے۔

چیف جسٹس صاحب نے میری باتیں سن کر کہا۔ آپ سے ملاقات سے قبل ذہن بالکل کچھ اور تھا اور آپ کے بارہ میں خیالات بھی مختلف تھے لیکن آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ میں آئندہ بھی آپ کو بلواتا رہوں گا اور اس مسئلہ کو مستقل بنیادوں پر حل کیا جائے گا"۔

مگر افسوس کہ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ پاکستان کے حکمرانوں نے چیف جسٹس صاحب کو ایسے ایسے مسائل میں الجھادیا کہ وہ اپنی ریٹائرمنٹ سے قبل ہی چیف جسٹس کا عہدہ چھوڑ کر چھٹی لیکر چلے جانے پر مجبور ہوگئے۔

لشکر جھنگوی کے لیڈر کی اڈیالہ جیل آمد اور چیف جسٹس سے ملاقات:۔

اسی شام عشاء کی نماز کے بعد اڈیالہ جیل میں ہم لوگ ابھی فضائل اعمال کے درس سے فارغ ہوئے تھے کہ جیل حکام کے ہمراہ ایک نوجوان جس نے سر پر سفید جالی دار ٹوپی پہن رکھی تھی اور سفید چہرہ پر ٹھوڑھی کے اردگرد خوبصورت داڑھی سج رہی تھی۔ ہمارے کمرہ کی جانب چلے آرہے تھے۔ ساتھی رمضان طاہر نے بتایا کہ یہ غلام رسول شاہ ہیں۔ غلام رسول شاہ کو اس وقت سے چار پانچ سال قبل دیکھ چکا تھا۔ جب وہ ضلع بہاولنگر میں ہونے والے جلسوں کے روح رواں کی حیثیت سے پرجوش خطابت کے جوہر بھی دکھاتے تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ اس کے بعد عرصہ تک ان سے ملاقات نہ ہوئی پھر میں روپوشی اور قید و بند کی راہوں پر چل پڑا۔ اب جو غلام رسول شاہ سے ملاقات ہوئی تو وہ بالکل بدل چکے تھے۔ ان کی باتوں میں ٹھہراؤ طبیعت میں

نرمی، گفتار و لہجہ میں وقار اور چہرہ مہرہ سے تدبر جھلک رہا تھا۔ میں نے ان کو گزشتہ روز کی کاروائی بتائی اور انہوں نے مجھے اس اچانک سفر کی روائیداد سنائی اور بتایا کہ وہ فیصل آباد کی بجائے ملتان جیل سے آرہے ہیں۔ وہ اپنے ہمراہ شیعہ کی ایک صد کتب کے فوٹو سٹیٹ لائے تھے جو اردو زبان میں پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں لشکر جھنگوی کے اغراض و مقاصد بھی تحریر کر کے لائے تھے۔

مزید انہوں نے "امن کا فارمولہ" کے عنوان پر ایک فائل مرتب کی ہوئی تھی اور نہایت عمدہ تجاویز بھی تحریر کر رکھی تھیں۔ چنانچہ اگلے روز چیف جسٹس پاکستان سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ واپسی پر بہت مسرور تھے۔ انہوں نے بتایا کہ چیف جسٹس صاحب نے پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ آئی جی پولیس پنجاب ہوم سیکرٹری اور دیگر افسران کی موجودگی میں ان کا موقف سنا ہے اور انہوں نے اپنی جماعت کی طرف سے چیف جسٹس کو ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا ہے۔

بلاشبہ چیف جسٹس سپریم کورٹ سید سجاد علی شاہ کا یہ کارنامہ تاریخ اسلام کا ایک روشن باب بن جاتا اگر وہ ججز کے ایک فل بینچ کی موجودگی میں شیعہ سنی فسادات کے باعث بننے والے عوامل کا جائزہ لیتے اور پھر ان کے سدباب کے لئے ٹھوس بنیادوں پر فیصلہ صادر کرتے۔ لیکن شاید ابھی یہ کریڈٹ کسی اور شخصیت کی قسمت میں لکھا ہوا ہے۔

4-8-1998

جیل منتقل ہوتے ہی ملاقات پر پابندی کا آرڈر جاری ہو گیا:۔

ہے جو ہنگامہ بپا یورش یلغاری کا
غافلوں کے لئے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے تیرے ایثار کا، خود داری کا
کیوں ہراساں ہے صہیل فرس اعداء سے؟
نور حق بجھ نہ سکے گا نفس اعداء سے

۲۰ اگست کی شب جب چوہنگ کے عقوبت خانہ سے اڈیالہ جیل لایا گیا تو رات گئے سپرنٹنڈنٹ جیل عبدالستار عاجز صاحب تشریف لائے کمرہ کے پشت کی جانب کھڑکیوں کے پاس باہر کھڑے ہو کر انہوں نے سلام کیا اور حال واحوال پوچھے۔ سانحہ سیشن کورٹ پر گہرے دکھ درد کا اظہار کیا۔ پھر انہوں نے بتایا کہ آپ صبح چیف جسٹس صاحب کے پاس تو جا ہی رہے ہیں جہاں اور باتوں اور مسائل پر آپ گفتگو کریں وہاں یہ مسئلہ بھی حل کرانا کہ ابھی حکومت پنجاب کی طرف سے آرڈر آئے ہیں کہ آپ کی ملاقات پر پابندی ہو گی۔ ہر ملاقاتی اپنے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کا اجازت نامہ لائے گا تو تب ملاقات ہو گی۔

میں نے اس اچانک پہنچنے والے آرڈر کی وجہ پوچھی تو وہ مسکرا کر کہنے لگے۔ جہاں آپ ہونگے وہاں اسطرح کے آرڈر تو ہونگے۔ صبح میں نے چیف جسٹس صاحب سپریم کورٹ سے ہوم سیکرٹری پنجاب کی موجودگی میں جب ان آرڈروں کے بارے میں بات کی تو ہوم سیکرٹری کا رنگ فق ہو گیا۔ اور انہوں نے آئیں بائیں شائیں کرنا شروع کر دیا۔ میں نے کہا اصل تکلیف تو حکومت کو مجھ سے ہے اب وہ اس تکلیف کے ازالہ کے لئے اگر آرڈر جاری ہی کرنا چاہتی ہے تو صرف میرے لئے جاری کر دے۔ پنجاب بھر کے اسیروں کو تنگ کرنے کا پروگرام کیونکر بنایا گیا ہے؟

چیف جسٹس صاحب نے تاکید بھی کی کہ جیل مینوئل کے مطابق باقی قیدیوں کی طرح مولانا کو اور دیگر اسیروں کو سہولتیں دی جائیں مگر جو لوگ انتقام کی آگ بھڑکائے ہوئے

تھے بھلا انہیں کیسے یہ بات برداشت ہو سکتی تھی کہ جیل میں مجھ سے کارکنوں اور عہدیداروں و عزیز و اقرباء کو ملاقاتوں کی عام اجازت ہو۔ حکومت کے انتقام اور قانون کے پس پشت ڈالنے کا انداز یہ ہے کہ کسی ایک بھی جیل میں قانون کے مطابق حاصل ہونے والی سہولت مجھے دینے کی آج تک کوشش نہیں کی گئی بلکہ مجھ سمیت سپاہ صحابہؓ کے تمام اسیران کو ہر سہولت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

اڈیالہ جیل کے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ملاقاتیں اور پرانی یادیں:۔

میری اڈیالہ جیل آمد پر B کلاس وارڈ میں کئی پرانے قیدی حضرات بھی تھے۔ جن کے ساتھ قائد شہید کے ہمراہ وقت گذارا تھا۔ چنانچہ ۲۱ اگست صبح کو ان سب حضرات نے میرے ہمراہ نماز فجر ادا کی اور دیر تک پرانی یادیں تازہ کرتے رہے۔ ان واقعات کا تذکرہ ہوتا رہا جو اس وارڈ میں حضرت قائد شہید کی موجودگی میں پیش آئے تھے۔ وہ جگہ جہاں پر قائد شہید اپنا سرخ رنگ کیا ہوا لکڑی کا ٹیبل رکھ کر تصنیف و تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ اب سونی سونی نظر آ رہی تھی۔ وہ سیل جس میں قائد شہید کی رہائش تھی۔ ابھی تک ان کی مہک سے دماغ کو معطر کر رہا تھا۔ پورے وارڈ میں یادوں کی کہانی کے اوراق بکھرے پڑے تھے۔ قدم قدم پر بیتے لمحوں کا فسانہ گریہ کناں دکھائی دیتا تھا۔

اڑائی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری
اٹھائے کچھ ورق لالہ نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری پڑی ہے داستان میری

میں قدرت کے فیصلوں پر حیران تھا کہ صرف آٹھ ماہ کے عرصہ کے بعد میں آگ د

خون کے ایک خوفناک سمندر کو عبور کر کے رستے زخموں کے ساتھ پھر وہاں پہنچ گیا تھا جہاں سے اپنے قائد شہید کے ساتھ لاہور کے لئے رخت سفر باندھا تھا۔

مقدمہ سیشن کورٹ میں گواہی کے لئے لاہور کا سفر اور حکومت کی شرمناک یکطرفہ کاروائی:۔

۲ ستمبر بدھ کے روز عشاء کے بعد ایک مرتبہ پھر پولیس کی بھاری نفری مجھے لینے کے لئے اڈیالہ جیل پہنچ گئی تو ساتھی گھبرا اٹھے۔ لاہور لیجانے کی بات سن کر مجھے بھی تشویش ہوئی تاہم جب معلوم ہوا کہ اگلے روز صبح لاہور کی دہشت گردی کی عدالت میں سانحہ سیشن کورٹ کے مقدمہ کی سماعت ہے تو دل کو تسلی ہوئی۔ رات بارہ بجے بذریعہ جہاز لاہور پہنچے تو مجھے سیدھا کیمپ جیل لے جایا گیا۔ مگر وہاں کی انتظامیہ نے یہ کہہ کر جیل کا گیٹ کھولنے سے انکار کر دیا کہ ہمارے پاس شیعہ قیدی ہیں۔ اس لئے آپ انہیں کوٹ لکھپت جیل لے جائیں۔

گو کہ اس جیل میں صبح کو مقدمہ کی سماعت ہونا تھی کیونکہ سیشن کورٹ بم دھماکہ کا ملزم محرم علی بھی یہیں بند تھا لیکن جیل کے عملہ میں بھی کافی شیعہ ملازم موجود تھے۔ چنانچہ رات ایک بجے مجھے کوٹ لکھپت جیل پہنچا دیا گیا اور کمرہ نمبر ا میں رہائش دی گئی۔ یہ وہی کمرہ تھا۔ جس سے ۱۸ جنوری ۹۷ء کو تیار ہو کر سیشن کورٹ گیا تھا۔ لیکن اب اس کمرہ میں کوئی اور ساتھی نہیں تھا کیونکہ ہمارے سابقہ احباب اور جماعت کے کئی ذمہ دار ساتھی مثلاً محمود اقبال صاحب، ڈاکٹر منظور شاکر صاحب، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی صاحب اور ان کے تمام رفقاء کو سیالکوٹ، جہلم اور گوجرانوالہ کی جیلوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ میرے اصرار پر رات گئے دو ساتھی لائے گئے ایک "ماموں خان" جو ہمیں اس جیل میں سالن پکا

کر دیتا تھا۔ دوسرا ماسٹر سعید افضل کا چھوٹا بھائی تھا۔ جسے ماسٹر صاحب سے جدا رکھنے کے لئے اس جیل میں رکھا گیا تھا اور ماسٹر صاحب کو سیالکوٹ جیل بھیج دیا گیا۔ ۴ ستمبر صبح نو بجے پولیس کی ایک درجن گاڑیاں مجھے لے کر کیمپ جیل پہنچیں تو گاڑی کے اندر ہی ایک وکیل صاحب میرے پاس آکر بیٹھ گئے اور مجھے بتایا کہ میں حکومت کی طرف سے یہ کیس لڑ رہا ہوں اور میں نے ہی آپ کو گواہی کے لئے بلوایا ہے چونکہ آپ موقع کے گواہ ہیں اور زخمی بھی ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو میں کہوں دو حرفی گواہی دینا ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو کافی لمبی شہادت دینے کے لئے آیا ہوں مگر آج تو میں نے جج صاحب سے یہ پوچھنا ہے کہ اس مقدمہ کی F.I.R میں نامزد باقی ملزم گرفتار کیوں نہیں کرائے گئے ہیں اور عدالت نے انہیں طلب تک کیوں نہیں کیا ہے؟ اس سرکاری وکیل صاحب نے حیران ہو کر پوچھا کہ وہ کون سے ملزم ہیں؟ میں نے کہا ساجد نقوی، امان اللہ سیال وغیرہ۔ اس نے کہا آپ اس چکر میں مت پڑیں۔ بس محرم علی کے خلاف بیان دیں میں نے کہا واہ! آپ عجیب وکیل ہیں! ایک طرف حکومت نے ہمیں سات سالہ پرانے مقدمات میں صرف اس لئے جیل میں بند کر رکھا ہے کہ مدعیان نے ہمارا نام F.I.R میں درج کرایا تھا۔ دوسری طرف سیشن کورٹ کے اتنے بڑے سانحہ کے نامزد ملزم حکومت گرفتار نہ کرے اور ہم خاموش ہو جائیں۔

اس گفتگو سے سرکاری وکیل صاحب کو بہت تکلیف ہوئی اور مجھے بتانے لگے کہ اس واقعہ کی دو ایف آئی آر درج ہوئی تھیں۔ سرکاری F.I.R میں شیعہ لیڈروں کا نام نہیں ہے اور یہاں سماعت سرکاری F.I.R کی ہو رہی ہے۔ میں نے کہا یہ تو اور زیادہ تعجب کی اور مذاق کی بات ہے کہ کہ ملزم قتل کرنے ہمیں آیا تھا۔ اس کی دشمنی ہم سے تھی اور قائد ہمارے شہید ہوئے لیکن عدالت سماعت سرکاری ملازمین کے قتل والی F.I.R پر کر رہی ہے۔ میں اس بات پر عدالت کے جج صاحب سے بات کروں گا۔

جیل میں لگی عدالت میں پہنچ کر میں نے جج صاحب کے سامنے اپنا موقف پیش کیا کہ

آپ نے باقی ملزمان کی گرفتاری کے لئے کیا کیا ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس مقدمہ کے اصل مدعی مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید کے بھائی انجینئر طاہر محمود باہر روڈ پر کھڑے ہیں۔ انہیں عدالت میں کوئی آنے تک نہیں دیتا۔ یہ کیسا انصاف اور کیسی عدالت ہے کہ مدعی اور موقع کے حقیقی گواہوں سے بالا بالا ہی مقدمہ چلایا جا رہا ہے؟ اور مجھے سرکاری وکیل نے بتایا ہے کہ آپ ہماری ایف آئی آر کو ساعت ہی نہیں کر رہے ہیں۔ میری ان باتوں سے دہشت گردی کی اس عدالت کے جج صاحب مبہوت ہو کر رہ گئے۔ اسی اثناء میں ملزم کے وکیل اصغر روکھڑی صاحب بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے جب یہ باتیں سنیں تو انہوں نے پرجوش انداز میں میری باتوں کی تائید کی۔ جس پر جج صاحب اور بھی گھبرا گئے۔ میں نے کہا سب سے پہلے یہ کام کریں کہ باہر سے اس مقدمہ کے مدعی کو بلوائیں اور اس کی مجھ سے ملاقات کرائیں تاکہ ہم یہ فیصلہ کریں کہ ہمیں کس طرح یہ مقدمہ لڑنا ہے۔

چنانچہ کچھ دیر بعد انجینئر طاہر محمود صاحب وہاں پہنچ گئے اور یوں چار ماہ بعد ان سے میری ملاقات ہوئی ہم نے باہم مشورہ کر کے جج صاحب کو بتایا کہ ہم اپنے وکلاء سے مشورہ کر کے اگلی تاریخ پر آپ کو آگاہ کریں گے۔ جج صاحب نے چاہا کہ میں اپنی شہادت ریکارڈ کرا دوں۔ بقول ان کے باقی تمام پولیس افسران اور موقعہ کے گواہان کی شہادتیں ہو چکی تھیں۔ میں نے کہا میں اگلی تاریخ پر گواہی بھی دوں گا اور ہم مزید گواہ بھی پیش کرینگے اور اپنی ایف۔ آئی۔ آر کے مطابق اس کیس کو چلانے کے لئے یہاں وکلاء کو لائیں گے۔ جج صاحب نے ۵ ستمبر کی تاریخ دیتے ہوئے کہا کہ پرسوں آپ تیاری کر کے آئیں آپ کی شہادت ہو گی۔ چنانچہ مجھے کیمپ جیل کے اندر ہی سے پولیس گاڑی میں بٹھا کر کوٹ لکھپت جیل بھجوا دیا گیا۔ ۴ ستمبر کو ایڈیشنل ہوم سیکرٹری سے اجازت لے کر شیخ حاکم علی طاہر محمود، راشد محمود اور کچھ اور ساتھی کوٹ لکھپت جیل میں ملاقات کے لئے آئے، لیکن جیل حکام نے ملاقات کرانے سے انکار کر دیا۔ بمشکل شیخ حاکم علی صاحب سے

ملاقات ہوئی۔ میں نے انہیں تمام حالات سے آگاہ کر کے پابند کیا کہ کل وکلاء لے کر عدالت آئیں۔ لیکن ۵ ستمبر کو مجھے عدالت میں پیش ہی نہ کیا گیا اور ۶ ستمبر رات ۸ بجے لاہور سے واپس اڈیالہ جیل راولپنڈی بذریعہ جہاز پہنچا دیا گیا۔

منصف ہی مرا زیب عدالت نہیں ہوتا!
یہ جرم عجب ہے کہ سماعت نہیں ہوتا!
چڑھتا ہے جو دن، جرات اظہار کی ضو سے
وہ دن میرے جینے کی ضمانت نہیں ہوتا
ظالم کے مقابل یہ نظر خم نہیں ہوتی
آنکھوں میں کوئی عکس شکایت نہیں ہوتا
جھکتے ہیں وہی لوگ بہت جلد کہ جن کے
کاندھوں پہ کوئی بار امانت نہیں ہوتا
ظالم سے محبت کی امیدیں نہ رکھا کر
ظالم کبھی پابند مروت نہیں ہوتا
ملتی نہیں دنیا کو صداقت کی گواہی
جب تک کہ کوئی خون شہادت نہیں ہوتا
ہوتی ہے مرے اپنے ارادوں سے مسافت
ہونٹوں پہ کبھی حرف اجازت نہیں ہوتا
آتا ہوں بلندی سے نشیمن کی طرف تو
بازو میں کوئی پر بھی سلامت نہیں ہوتا
ملتی ہے الجھنے کی سعادت بھی کسی کو

ہر جسم پہ احرام بغاوت نہیں ہوتا
سچا ہو اگر منبر و محراب کا سایہ
دھبہ سر دستار فضیلت نہیں ہوتا
گہرا ہے یہ دل وسعت قلزم سے زیادہ
پانی یہاں تاحد ضرورت نہیں ہوتا!
اصحاب محمد کی جو توہین کو سن لے
اتنا کوئی پابند شرافت نہیں ہوتا
یہ ذوق شہادت بھی عجب چیز ہے ورنہ
ہر حال میں مرنا کوئی عظمت نہیں ہوتا
کب جانے کہاں جا کے بچھڑ جائیں گے ہم لوگ
جانے کے لئے موسم ہجرت نہیں ہوتا

دھماکہ سے ایک روز قبل تمام قومی اخبارات میں شائع ہونے والے ایرانی ڈپٹی سپیکر کا بیان:-

میں یہاں اپنے قارئین کو سانحہ سیشن کورٹ لاہور سے ایک روز قبل ۱۷ جنوری ۹۷ء کے اخبارات میں شائع ہونے والے اس بیان کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جس کے اگلے روز قائد سپاہ صحابہ مولانا ضیاء الرحمان فاروقی شہید اور مجھ پر عدالت کے احاطے میں ریموٹ کنٹرول بم کے ذریعے حملہ کیا گیا اور حضرت فاروقی جام شہادت نوش کر گئے۔

یہ بیان، الفاظ کی سنگینی اور ہمارے اندرونی معاملات میں مداخلت کا بین ثبوت ملاحظہ ہو۔

پاکستان اہل تشیع پر تشدد کرنے والوں کو لگام دے (ایران)

تہران (اے ایف پی) ایران نے پاکستان پر زور دیا ہے کہ اہل تشیع پر تشدد میں معروف انتہا پسند گروپوں کو لگام دی جائے ایران کی سرکاری خبر ایجنسی ارنا کے مطابق ایرانی پارلیمنٹ کے ڈپٹی سپیکر حسن روحانی نے پاکستان کے وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب سے مذاکرات کے حوالے سے بتایا ہے کہ ہم نے اسلام آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں انتہاء پسند گروپوں کو مزید قابو میں رکھا جائے اور انہیں اہل تشیع کے قتل سے روکا جائے۔ حسن روحانی نے کہا کہ یہ گروپ پاکستان کی سلامتی اور مسلمانوں میں اتحاد کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ایجنسی پریس نے "ارنا" کے حوالے سے یہ خبر دیتے ہوئے پنجاب خصوصاً لاہور اور ملتان میں شیعہ رہنماؤں کے قتل کے حالیہ واقعات کا حوالہ دیتے ہوئے یاد دلایا ہے کہ ایران نے ماضی میں بھی انتباہ کیا تھا اور پاکستان میں انتہا پسند سنی تنظیم "سپاہ صحابہ" کا خاص طور پر ذکر کیا تھا۔ ایران نے سپاہ صحابہ کا تعلق جنوب مشرقی ایران میں اہل تشیع کے خلاف سرگرمیوں سے بھی جوڑا تھا۔ (روزنامہ جنگ صفحہ اول ۱۷ جنوری ۱۹۹۷ء)

شیخ رشید احمد کی اڈیالہ جیل آمد اور کھری کھری باتیں:۔

قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ صرف دو سال قبل بہاولپور جیل میں بے نظیر کے ظلم و ستم کا نشانہ بن کر سات سال قید کی سزاء کاٹنے والے شیخ رشید احمد بے نظیر حکومت کی امریکہ میں سفیر ملیحہ لودھی کی وساطت سے پیپلز پارٹی سے معاملات طے کر کے بظاہر ہائی کورٹ سے بری ہو کر رہا ہوئے۔ پھر ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں منتخب ہو کر اب وفاقی وزیر ثقافت کی حیثیت سے اڈیالہ جیل کے دورہ پر آ رہے تھے۔ وہ شخص جس کے لئے کبھی B کلاس وارڈ اڈیالہ جیل کا چھوٹا دروازہ تک بند رکھا جاتا تھا۔ آج اس کے لئے جیل کا بڑا

گیٹ کھل رہا تھا اور جیل کا عملہ اسے سلامی دینے کے لئے تیار تھا۔ وقت بدلتے دیر نہیں لگتی ہے۔ جو آصف زرداری وزیراعظم ہاؤس میں بیٹھ کر ملک کے سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور ٹھیکیداروں سے اربوں روپے بٹور تا تھا۔ اس وقت کراچی، لاہور، راولپنڈی کی جیلوں میں دھکے کھانا اور عدالتوں میں پیشیاں بھگتنا اس کا مقدر بن چکا ہے اور اب تو ہائی کورٹ کے دو ججوں پر مشتمل احتساب بینچ نے اسے پانچ سال سزا بھی سنا دی ہے جس کا تفصیل ذکر آگے آنے والا ہے۔ کاش کہ وقت کے حکمران اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا کریں کہ جیسا بوتا ہے ویسا ہی کاٹتا ہے۔

۷ ستمبر صبح دس بجے شیخ رشید احمد صاحب چند ممبران صوبائی اسمبلی اور اخبارات کے صحافیوں کے ہمراہ جیل کا دورہ کرتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ B کلاس وارڈ میں آئے تاکہ اس جگہ کھڑے ہو کر ماضی کے آئینہ میں کچھ دیر جھانکیں جب وہ یہاں تنہا گرمی کے موسم میں صرف کچھا پہن کر چڑیوں کو دانہ ڈال کر دل بہلاتے تھے۔ B کلاس وارڈ میں آمد پر میری موجودگی کے باوجود مجھ سے نہ ملنا مروت اور انسانی اخلاقی اصولوں کے منافی تھا۔ ادھر میں بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قصداً کمرہ کے اندر بیٹھا رہا۔ تاکہ اگر وہ خود ملنے کے خواہش مند ہوں تو اندر آجائیں۔ چنانچہ شیخ صاحب جیل حکام کے ہمراہ کمرہ کے اندر آگئے اور بڑی گرم جوشی سے گلے ملے، ان سے درج ذیل گفتگو ہوئی۔

شیخ رشید احمد:۔ مولانا! کیا حال ہے؟ کیسے وقت گذر رہا ہے۔

میرا جواب:۔ بالکل ٹھیک ہوں بہت اچھا وقت گذر رہا ہے۔

شیخ رشید احمد:۔ ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔

میرا جواب:۔ آپ کی حکومت جو خدمت کر رہی ہے وہی کافی ہے۔ آپ کی حکومت نے تو وہ کچھ کر دیا ہے جو بے نظیر بھی نہ کر سکی۔ چوہنگ کے عقوبت خانے۔ تشدد و بربریت اور ملاقاتوں پر پابندی کے ہتھکنڈے خوب آزمائے جا رہے ہیں۔ ان سے کہہ دینا کہ اور

بھی جو کچھ کر سکتے ہیں کر گذریں ہم جھکنے والے نہیں ہیں۔

بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

شیخ رشید احمد:۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ آپ ضرور کھری کھری سنائیں گے لیکن میں نے کہا چلو ملتے چلیں۔

میرا جواب:۔ آپ کی تشریف آوری اور ذاتی حیثیت سے ملاقات کا ممنون ہوں۔ آپ اگر اس ظلم پر نادم ہیں تو مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔

یہ بات سنتے ہی وہ شکریہ کہہ کر الٹے پاؤں واپس چلے گئے۔ ان کے ہمراہ راولپنڈی کے ایم۔ پی۔ اے چوہدری تنویر خان بھی تھے جو رک گئے اور مجھ سے ملتے ہوئے کہا یہ معاملات تو آپ کے اور حکومت کے درمیان ہیں آپ کے ساتھ ہمارا پرانا دوستانہ تعلق ہے۔ آپ ہمارے علاقہ کی جیل میں ہیں۔ ہمیں کچھ خدمت کا موقع دیں۔ میں نے کہا میں آپ کا بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے محبت کا اظہار فرمایا۔ میری طرف سے بھائی چوہدری افضل خاں کو سلام کہنا اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہوئی تو آپ کو آگاہ کروں گا۔ تقریباً دو ماہ کے بعد چوہدری تنویز کے بھائی چوہدری افضل خاں بھی صاحبزادہ سعید الرشید عباسی کے ہمراہ ملاقات کو آئے ان کا ایک کام بھی تھا۔ جس کے لئے انہیں میرے سفارشی خط کی ضرورت تھی۔ میں نے خوشی سے خط دے دیا۔ بعد ازاں عباسی صاحب نے الگ لیجا کر بڑی رقم جیل میں خرچ کرنے کے لئے پیش کی اور کہا کہ یہ چوہدری صاحب آپ کے لئے لائے ہیں۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس وقت ضرورت نہیں۔ ان کا اصرار بڑھتا رہا کہ چوہدری صاحب کا دل رکھنے کے لئے صرف ایک ہزار ہی رکھ لیں۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ اب چونکہ میں چوہدری صاحب کے ایک کام کے لئے سفارشی خط لکھ چکا ہوں۔ اس لئے ایک روپیہ لینا بھی میں اپنے ضمیر پر بوجھ سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات کی محبت و خلوص اور چاہت ہی میرے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد

چوہدری محمد افضل صاحب ضلع کونسل راولپنڈی کے چیئرمین منتخب ہو چکے ہیں۔

صاحبزادہ سعید الرشید عباسی ایک پیارا دوست:۔

ذکر عباسی صاحب کا آیا ہے تو تھوڑا سا ان کا تعارف کراتا چلوں۔ صاحبزادہ سعید الرشید عباس گوناں گوں خصوصیات اور خوبیوں کی مالک شخصیت ہیں۔ ان سے تعارف پہلی مرتبہ ایم۔این۔اے منتخب ہونے کے بعد اسلام آباد آنے پر ہوا۔ پھر دوستی کا یہ سلسلہ دراز اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ عباسی صاحب نے بھی اپنی زندگی میں دوستیاں ہی "کمائی" ہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ وہ دوستوں کے مخلص دوست ہیں۔ میرے ساتھ ان کی مخلصانہ عقیدت اور بے لوث تعلق پر باقی احباب بھی حیران رہ جاتے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ عباسی صاحب آپ کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنے دوستوں کو بھی کھری کھری باتیں سنانے کے عادی ہیں۔ عباسی صاحب ہمیں جیل میں ملنے بہت کم آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے۔ "میں جیل کا دوست بننا پسند نہیں کرتا"۔ میں آزادی کا دوست ہوں۔ بہرحال مجھے ان کے مخلصانہ تعلق پر بہت خوشی ہے۔ اور میرے دل سے ان کے لئے دعائیں نکلتی رہتی ہیں۔

B کلاس وارڈ سے منتقلی اور ساتھیوں سے جدائی:۔

شیخ رشید احمد صاحب کے دورہ جیل پر زنانہ وارڈ کی خواتین قیدیوں نے ان سے اپیل کی کہ ہمارے لئے جیل کے اندر رہائش کا انتظام اچھا ہونا چاہیے اور ہمیں سہولتیں دی جائیں۔ نیز یہ وارڈ بہت چھوٹا ہے ہمیں کسی بڑے وارڈ میں منتقل کیا جائے۔ وفاقی وزیر شیخ رشید احمد صاحب نے خواتین کو B کلاس کی سہولتیں دینے کا اعلان کر دیا۔ جس سے خواتین نے ان کے حق میں نعرے لگائے۔ شیخ صاحب تو نعرے سن کر خوش ہو کر چلے گئے مگر

جیل حکام نے سارا نزلہ ہم پر گرا دیا اور حکم دیا کہ B کلاس کے باقی تمام قیدی فلاں فلاں وارڈوں کی طرف سامان اٹھا کر چلے جائیں اور سپاہ صحابہؓ کے لوگ زنانہ وارڈ کا رخ کریں۔ اب زنانہ وارڈ کو سیکورٹی وارڈ کا نام دے دیا گیا ہے اور B کلاس کے دس سیل دو بڑے ہال کمرے خواتین کو دیئے جا رہے ہیں۔ چونکہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ عبدالستار عاجز صاحب ایک نیک انسان ہیں اور سخت طبیعت کے بھی مالک ہیں۔ اس سے قبل ان سے اسی جیل میں خوب جھڑپیں بھی ہو چکی تھیں۔ وہ میری طبیعت سے واقف تھے۔ اس لئے انہوں نے مجھے اپنی مجبوری سے آگاہ کیا جس پر میں نے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ وہ B کلاس وارڈ چھوڑ دیں ورنہ ہم نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ہم کسی دوسری جگہ منتقل نہ ہونگے۔ اس طرح شام تک ہم تمام جماعتی ساتھی سامان سمیٹ کر سیکورٹی وارڈ میں آ چکے تھے۔ میری سپرنٹنڈنٹ صاحب سے خصوصی سفارش پر راجہ زاہد اور طارق ہاشمی کو ہمارے ساتھ سیکورٹی وارڈ میں رہنے کی اجازت مل گئی اور کچھ دنوں کے بعد راجہ طارق مسکین (جو آجکل سپاہ صحابہؓ راولپنڈی کے سرگرم راہنما ہیں) کو بھی ہم نے اپنے وارڈ میں بلوا لیا۔ پھر خود سپرنٹنڈنٹ صاحب نے لاہور کے حاجی اقبال (جو امریکہ میں جیل کاٹ کر واپس آئے تھے) اور اکرم اعوان صاحب کو ہمارے وارڈ کے خالی کمرہ میں بھجوا دیا۔ مگر چند دنوں کے بعد انہیں پھر واپس دوسرے وارڈ جانے کا حکم مل گیا۔

ایرانی کیڈٹوں کے قتل میں مجھے ملوث کرنے کے لئے حکومت کا بے گناہ کارکنوں پر تشدد:۔

۷ ستمبر سے ۱۶ ستمبر تک اڈیالہ جیل میں مجھ سے مولانا شعیب ندیم صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی اور ان کے ساتھ دو کارکن ملاقات کرنے میں کامیاب ہو سکے اور

ڈی سی کی اجازت والی شرط پوری نہ ہونے کے باعث سینکڑوں کارکن جیل کے سامنے آکر حسرت دیاس سے جیل کی دیواروں کو دیکھ کر واپس جاتے رہے۔

۱۷ ستمبر کی صبح چوہڑ چوک راولپنڈی میں پانچ ایرانی کیڈٹوں کے قتل کا سانحہ پیش آگیا اور نامعلوم قاتل موقعہ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ پولیس نے اس قتل کا تعلق میرے ساتھ جوڑنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیئے۔ اب میرے ساتھ چونکہ ملاقات ہی علامہ شعیب ندیم اور مولانا حبیب الرحمن صدیقی کی ہوئی تھی لہٰذا ان حضرات کے گھروں پر پولیس چھاپے شروع ہو گئے۔ اسی دوران ۲۹ ستمبر کو گجرات جیل سے سوا دو ماہ کی نظر بندی گذار کر رہا ہوتے ہوئے طاہر حمید اور اسحٰق بھائی کو راولپنڈی پولیس گرفتار کر کے تھانہ سول لائن راولپنڈی لے آئی اور وہاں سے کافی تفتیش کے بعد ایک نامعلوم کوٹھی پر لیجا کر سخت تشدد کا نشانہ بنایا اور پوچھا کہ ایرانی کیڈٹوں کو قتل کرنے کا آرڈر مولانا اعظم طارق نے کس کو دیا تھا؟ ان دونوں حضرات نے بہت کہا کہ ہم اس واقعہ سے دو ماہ پہلے سے گجرات جیل میں ہیں۔ مولانا اعظم طارق سے ہماری ملاقات کو پانچ ماہ ہو چکے ہیں۔ ہمارا یا مولانا اعظم طارق کا اس کیس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ مگر وہاں عقل کی بات نہ کوئی سننے کو تیار تھا نہ کسی کی سمجھ میں آرہی تھی۔ ان ساتھیوں کا جرم صرف یہ تھا کہ یہ لوگ ۹ ماہ قبل اڈیالہ جیل میں ہمارے ساتھ رہ چکے تھے اور کھاریاں بس فائرنگ کیس میں کافی عرصہ بعد انہیں ملوث کیا گیا تھا۔ جس طرح ہمیں اس کیس میں تین ماہ بعد گرفتار کر کے الجھایا گیا تھا۔

یہ لوگ جس قدر اپنی یا میری صفائی بیان کرتے اسی قدر پولیس کی نظروں میں قصور وار گردانے جاتے اور پولیس کے تشدد کے نئے نئے حربوں کا نشانہ بنتے۔ یہاں تک کہ سترھویں روز ۱۶ اکتوبر کو انہیں اس جرم میں جیل بھیج دیا گیا کہ انہوں نے کھاریاں قتل کیس کے ایک اور ساتھی مقصود احمد (جو آج کل اٹک جیل میں میرے ساتھ ہیں) کو ۲ مئی

۱۹۹۷ء کو راولپنڈی کی عدالت سے فرار کرایا تھا۔

ہمیں اخبارات سے ان ساتھیوں کی گرفتاری کا علم تو ہو چکا تھا لیکن ان اخباری خبروں پر سخت تشویش تھی۔ کیونکہ ان خبروں میں پولیس حکام کے یہ دعوے شائع ہوتے تھے کہ ایرانی کیڈٹوں کے قتل کی سازش پکڑی گئی ہے۔ کامرہ میں ایئرفورس کے سابق ملازم طاہر حمید اور اسحٰق سے زبردست انکشافات ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں کی مخبری پر ایرانی کیڈٹوں کو قتل کرنے کا پروگرام ترتیب پایا۔

چنانچہ ۱۶ اکتوبر کو عصر کے بعد جب یہ لوگ اڈیالہ جیل کے سیکورٹی وارڈ میں داخل ہوئے تو انہیں اچانک اپنے درمیان پاکر ہمیں حیرت انگیز خوشی ہوئی اور خود وہ بھی مجھے بیڈ منٹن کھیلتے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور میرے گلے لگ کر خوشی سے رونے لگ گئے اور کہنے لگے۔ "آپ کو اس حالت میں دیکھ کر ہمیں سب دکھ بھول گئے ہیں۔ اگر آپ کے زخم ٹھیک ہیں اور چوہنگ جیسے عقوبت خانہ کا تشدد برداشت کرکے بھی آپ کے حوصلے بلند ہیں تو پھر ہم بھی بالکل ٹھیک ہیں۔" ان دو ساتھیوں کی آمد سے ہماری جیل کی رونقیں دوبالا ہو گئیں۔ ۸ نومبر کو ان دونوں حضرات کی رہائی کا پروانہ آگیا۔ اور یہ حضرات برستی آنکھوں سے جیل سے باہر چلے گئے۔ طاہر حمید صاحب ایک تعلیم یافتہ سمجھدار زیرک اور دانا نوجوان ہیں۔ مجھے ان سے جماعت کے لئے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق بخشے کہ وہ اپنی صلاحیتیں جماعت کے کام میں لائیں۔

گردہ کی سخت تکلیف، جیل ڈاکٹر کا علاج اور حکومت پنجاب کی بے حسی:-

۱۶ اکتوبر بعد عصر بیڈمنٹن کھیلنے کے بعد میں نے تھوڑی دیر دوڑ لگانے کی ایکسرسائز کی

پھر نماز مغرب سے فارغ ہو کر کھانا کھانے بیٹھا تو ساتھیوں نے بہت ہی ذائقہ دار چائینیز طرز کے چاول تیار کر رکھے تھے۔ ہمارے شدید اصرار پر طارق ہاشمی، راجہ زاہد اور راجہ طارق کو ہمارے ساتھ سیکورٹی وارڈ میں رہنے کی اجازت مل چکی تھی۔ اور یہ حضرات بیڈ میٹن کے بھی زبردست کھلاڑی تھے۔ چنانچہ جب ہم سب مل کر کھانا کھانے بیٹھے تو ایک ساتھی رمضان طاہر نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا کہ اتنے لذیز چاولوں کے نہ کھانے کا کیا باعث ہے؟ تو انہوں نے کہا میں گردہ کا مریض ہوں اس لئے چاولوں سے پرہیز کرتا ہوں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہیں تھیں اور میں ساتھ ساتھ چاول کھانے میں مصروف تھا کہ اچانک میری پسلی کے نیچے دائیں طرف درد ہونے لگا اور یہ درد آہستہ آہستہ بڑھنے لگا۔ ابھی بمشکل چاولوں کی آدھی پلیٹ ہی کھا سکا تھا کہ درد برداشت سے باہر ہو گیا۔ مجبوراً میں لیٹ گیا۔ تو ساتھی پریشان ہو گئے۔ رمضان طاہر نے جب درد کی کیفیت دیکھی اور درد کا کبھی پیٹ کی جانب آنا کبھی پشت کی جانب جانا معلوم کیا، تو انہوں نے کہا یہ تو درد گردہ ہے۔ میں حیران تھا کہ ابھی درد گردہ کی باتیں ہوئی ہیں اور ادھر درد شروع ہو گیا ہے۔ ملازم کو فوری ڈاکٹر کو بلانے کے لئے بھیجا۔ ڈاکٹر رانا نصیر احمد ایک ایسے انسان ہیں کہ جن کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ جیلوں میں تو کیا باہر بھی عام غریب مریضوں کے ساتھ اس طرح کی محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرنے والا ڈاکٹر میری نظر سے نہیں گزرا۔ حضرت قائد شہید کا خصوصی خیال رکھا کرتے تھے اور ادھر قائد شہید بھی ڈاکٹر صاحب سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ان کی عمدہ خصائل وعادات کو سراہا کرتے تھے۔

ڈاکٹر رانا نصیر احمد صاحب نے آتے ہی مجھے انجکشن لگایا اور ڈریپ لگا دی لیکن درد کم ہونے کی بجائے اس قدر بڑھ گیا کہ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے میرے جسم کو ابھی کوئی چیز پھاڑ کر باہر آ جائے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید انجکشن لگانے شروع کر دیئے ادھر باہر بارش زوروں پر تھی اور ادھر درد اپنا جوش دکھا رہا تھا۔ یہاں تک کہ رات کے دو بجے

ادویات کے اثر سے مجھ پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور میں سو گیا۔ ڈاکٹر صاحب صبح ساڑھے تین بجے گھر پلٹے۔ اگلے روز سارا دن قئے ہوتی رہی اور آہستہ آہستہ درد اٹھتا رہا۔ جب کافی علاج سے بھی افاقہ نہ ہوا تو ڈاکٹر نصیر احمد صاحب نے حکومت پنجاب کو خط لکھا کہ مولانا کا ٹیسٹ اور الٹرا ساؤنڈ کرایا جائے تاکہ بیماری کی صحیح کیفیت سامنے آسکے۔ مگر حکومت پنجاب نے اس پر کوئی ایکشن نہ لیا۔ راولپنڈی ڈسٹرکٹ ہسپتال سے کچھ ڈاکٹر حضرات آئے بھی اور انہوں نے بھی تجویز کیا کہ مولانا کے خون اور پیشاب کے ٹیسٹ کرائے جائیں اور مکمل چیک اپ کرایا جائے۔ مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ ڈاکٹر حضرات کی تجویز کردہ ادویات کے استعمال ساتھ ساتھ اب بارگاہ ایزدی میں دعائیں اور التجائیں شروع کر دیں کہ اے علیم و حکیم ذات تو اپنے کرم سے اس مصیبت کو ٹال دے ورنہ اسباب کے میدان میں میرے پاس اب کوئی راستہ نہیں ہے تو چاہے تو بغیر ادویات کی بھی شفاء دے سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا کرم ہوا اور چند دنوں کے بعد ہی اس تکلیف دہ بیماری سے نجات مل گئی۔

علامہ شعیب ندیم کی گرفتاری جیل آمد اور چوھنگ روانگی:۔

سپاہ صحابہؓ کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری علامہ شیعب ندیم کے پیچھے پولیس لگی ہوئی تھی تاکہ انہیں ایرانی کیڈٹوں کے قتل کیس میں پھنسا کر ایرانی حکومت کے دباؤ کے سامنے بند باندھ دے۔ چنانچہ ۱۸ اکتوبر کو علامہ صاحب کو اسلام آباد کے ایک مکان سے گرفتار کر کے تین دن تک سخت تفتیش کر کے ۲۱ اکتوبر کو جیل بھیج دیا گیا۔

رات کے وقت جب عشاء سے کچھ پہلے علامہ صاحب ہمارے کمرے کے پاس پہنچے تو ان کا تمام ساتھیوں نے پرجوش نعرے لگا کر خوب والہانہ انداز میں استقبال کیا۔ ایک نعرہ یہ بھی تھا۔ قاتل ایران علامہ شعیب ندیم۔ زندہ باد۔ علامہ شعیب ندیم کی آمد سے ہماری

رونقیں اور بڑھ گئیں اور خوب مجلسیں جمنے لگیں۔ علامہ صاحب بڑے ذہین اور ہوشیار نوجوان عالم اور بڑے ہنس مکھ آدمی ہیں۔ خطیبانہ جملے اور خطباء کی نقالی کے فن میں بڑے ماہر ہیں۔ بعض اوقات چند خطباء کے مخصوص طرز تکلم اور انداز خطابت کی ہو بہو نقل کرتے تو سب ساتھی بہت محظوظ ہوتے۔ ہماری یہ خوشیاں اس وقت غمی میں بدل گئیں۔ جب ۲۵ اکتوبر کو بعد نماز عشاء اڈیالہ جیل کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطا محمد صاحب اور دیگر عملہ کے اہلکار آدھمکے کہ علامہ صاحب کو لاہور چوہنگ لیجانا ہے۔ اب کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چوہنگ کا نام ہی خوف و دہشت کی علامت ہے۔ لیکن میں نے علامہ صاحب کو تسلی دی اور چوہنگ کی تفتیش کے طریقہ سے آگاہ کیا اور وہ کافی حد تک مطمئن ہو کر روانہ ہو گئے۔ صبح جب ہمیں معلوم ہوا کہ جیل حکام نے جاتے وقت ان کے پاؤں میں بیڑیاں بھی ڈال دی تھیں تو بہت غصہ آیا اور میں نے جیل حکام پر چڑھائی کر دی۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا ہم مجبور تھے اوپر سے آرڈر ایسے ہی تھے۔

ہائی کورٹ میں علامہ صاحب کی نظربندی کو چیلنج کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ ہائی کورٹ نے نظربندی ختم کر دی تو چوہنگ سے انہیں ۱۰ نومبر کو جونہی آزادی ملی۔ راولپنڈی پولیس نے انہیں اچک لیا۔ بالآخر وہ چند روزہ ریمانڈ پر زیر تفتیش رہ کر سوا ماہ کے بعد ۲۴ نومبر کو رہا ہو گئے۔ اس طرح ایک چلہ پورا کر کے گھر پہنچے۔

علامہ شعیب ندیم کا ایک خواب اور اس کی تعبیر بصورت شہادت:۔

آج ۲۲ ستمبر ۱۹۹۸ء کو جب میں اٹک جیل میں بیٹھا ہوا اس کتاب کے مسودہ کی پروف ریڈنگ کر رہا ہوں تو یہ لکھتے ہوئے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں کہ علامہ شعیب ندیم اور مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی شہادت کا جام نوش کر کے اس جہاں سے کوچ کر گئے ہیں اور ہمیں اپنی جدائی کے ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار کر گئے ہیں۔ اڈیالہ جیل میں

جس رات علامہ شعیب ندیم تشریف لائے تو انہوں نے اپنی گرفتاری کے حالات سناتے ہوئے بتایا کہ گرفتاری سے ایک رات قبل میں نے ایک خواب دیکھا تھا۔ جس کی تعبیر میں نے اسلام آباد کے ایک بزرگ سے پوچھی تو انہوں نے کہا تم گرفتار کر لئے جاؤ گے اور یہ گرفتاری تمہاری آخری گرفتاری ہوگی۔ لہٰذا میں ذہنی طور پر گرفتاری کے لئے تیار تھا تو اچانک پولیس نے اس گھر کا گھیراؤ کر لیا۔ جس میں، میں روپوش تھا"۔ میں نے یہ بات سن کر کہا کہ اس خواب کی آدھی تعبیر تو مکمل ہو گئی ہے۔ آدھی تعبیر باقی ہے وہ یہ کہ اب پھر آپ کی زندگی بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔ کیونکہ آخری گرفتاری کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ گرفتاری کا موقع ہی آپ کو نصیب نہ ہوگا۔ اس وقت یہ بات ہم سب نے مذاق میں یہ کہتے ہوئے ٹال دی کہ علامہ صاحب کو ابھی تو شادی بھی کرنا ہے اور بہت کام کرنا ہیں۔ لیکن ٹھیک گیارہ ماہ بعد خواب کی تعبیر کا وقت آپہنچا اور وہ ۱۳ ستمبر کو اسلام آباد سے مری جاتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی اور دو ساتھیوں کے ہمراہ شہید کر دیئے گئے۔ (علامہ صاحب کی شہادت کے تفصیلی حالات آگے آنے والے ہیں۔)

حافظ نصیر احمد کی جیل آمد اور رہائی:-

۵ نومبر کے اخبارات میں خبر پڑھی کہ سپاہ صحابہؓ کی مرکزی شوریٰ کے رکن اور اسلام آباد کے سرگرم راہنما حافظ نصیر احمد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس خبر پر کافی تشویش تھی کہ اگلے روز ۶ نومبر کو حافظ صاحب بعد عصر ہمارے وارڈ میں آن پہنچے۔ میں اس وقت بیڈمنٹن کھیل رہا تھا۔ میں نے حافظ صاحب سے پوچھا کہ آپ ہماری ملاقات کو اندر آئے ہیں یا گرفتار ہو کر۔ انہوں نے کہا کہ ملاقات کو آیا ہوں۔ ہمیں کافی حیرت ہوئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ 16MPO کے تحت باضابطہ گرفتار ہو کر آئے ہیں۔ میں نے کہا فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے تو ملاقاتوں پر پابندی ہے چلو اسی بہانے ہی مل بیٹھنے کا وقت مل گیا۔

حافظ صاحب کے ساتھ ہنسی خوشی وقت گذرنے لگا۔ حافظ صاحب بیدمشن بھی خوب کھیلتے رہے اور علمی مباحث و سیاسی گفتگو اور جماعتی امور پر لمبی لمبی بحثیں اور جماعت کے نظم و ضبط اور تنظیم سازی پر بھی مفید تجاویز پر غور و خوض ہوتا رہا۔ حافظ صاحب دینی غیرت و حمیت کے مظاہرہ کے وقت جذبہ ایمانی کا شعلہ جوالہ بن جاتے ہیں اور ان کی یہ خصوصیت دوسروں کو خوب متاثر کرتی ہے۔ چند روز بعد ہی حافظ صاحب کی بھی رہائی ہوگئی اور وہ بڑی خوشگوار یادیں لے کر باہر گئے ماشاء اللہ حافظ صاحب کا پورا گھرانہ ہی مشن جھنگوی کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ چھوٹے بچے بچیاں تک حق کے علمبردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین کا سچا پکا خدمتگار بنائے رکھے (آمین)

ایرانی کیڈٹوں کے قتل کے الزام میں تین بے گناہوں پر پولیس کا تشدد:۔

۱۶ اکتوبر کو جامع مسجد عائشہ صدیقہ خیابان سرسید راولپنڈی کے خطیب و امام قاری محمد صدیق حافظ محمد آصف محمد یعقوب کو پولیس نے گرفتار کرکے حکومت پنجاب کو خوش خبری سنائی کہ ایرانی کیڈٹوں کے قاتل گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ پنجاب کے سینئر صوبائی وزیر سردار ذوالفقار علی کھوسہ نے صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں راولپنڈی پولیس کے اس کامیاب اقدام کا اعلان کر کے حکومت ایران اور شیعہ تنظیموں کی طرف سے مبارک باد کے پیغامات وصول پائے۔ حکومت نے راولپنڈی پولیس کے افسران کو ترقیاں دینے کا اعلان کر دیا۔ اخبارات میں اس قدر پروپیگنڈہ کیا گیا۔۔۔ اور ان نوجوانوں کو قاتل ثابت کرنے کے لئے ایسی ایسی فرضی "سٹوریاں" شائع کرائی گئیں کہ ہم خود جیل میں بیٹھے یہ سمجھنے لگے کہ واقعتاً پولیس نے ایرانی کیڈٹوں کے قاتل گرفتار کر لئے ہیں۔ اکیس روز تک

پولیس نے ان تینوں حضرات پر بے پناہ تشدد کیا۔ الٹا لٹکایا۔ کئی کئی روز تک جگایا۔ ہاتھوں کو اوپر کرا کر گھٹنوں کھڑا رکھا گیا۔ جسم پر رولر پھیرے گئے۔ آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہوائی فائرنگ کر کے کہا گیا کہ اب انہیں پولیس مقابلہ میں قتل کیا جانے والا ہے۔ اس سب تشدد کا ایک ہی مقصد تھا کہ تم لوگ نہ صرف خود کو ایرانی کیڈٹوں کا قاتل تسلیم کرلو بلکہ اس واقعہ میں مولانا اعظم طارق کے بارے میں اقرار کرو کہ انہوں نے تمہیں پیغام بھجوا کر یہ کام کرایا ہے، لیکن تمام تر تشدد کے باوجود یہ نوجوان کہتے رہے کہ مولانا اعظم طارق سے تو ہماری کبھی ملاقات تک نہیں ہوئی ہے۔ آخر محمد یعقوب کی بیوی کو اس کے سامنے لایا گیا جس نے بتایا کہ ۱۷ اکتوبر سے تھانہ کی حوالات میں بند ہوں۔ بچے پیچھے رل گئے ہیں۔ یہ پولیس والے جو تمہیں کہتے ہیں تسلیم کرلو تاکہ میری جان تو چھوٹ جائے۔ تب یعقوب اور آصف نے کہہ دیا کہ پولیس جو کہے ہم قبول کرتے ہیں۔ اس طرح اس خاتون کی جان تو چھوٹ گئی مگر یہ دونوں نوجوان ناکردہ جرم میں ملوث کر دیئے گئے۔

۴ نومبر کو آصف اور یعقوب جیل میں لائے گئے لیکن انہیں ہم سے الگ رکھا گیا۔

۵ نومبر کو مقصود احمد کو (جو کھاریاں قتل کیس میں ملوث ہو کر ڈیڑھ سال جیل کاٹ کر فرار ہو گیا تھا۔) وہاڑی سے گرفتار کر کے تفتیش کے مراحل سے گزار کر اڈیالہ جیل بھیج دیا گیا اور ہم سے الگ دوسرے وارڈ میں بند کرایا گیا۔ ۷ نومبر کو قاری محمد صدیق کو جیل بھیج دیا گیا ادھر ہمارا مسلسل اصرار جاری تھا کہ ان ساتھیوں کو ہمارے پاس منتقل کیا جائے تب ۷ نومبر کو یہ چاروں ساتھی ہمارے پاس پہنچے تو تشدد و بربریت کا نشانہ بن کر ان کی حالت قابل رحم حد تک خراب تھی۔ انہیں آرام کرایا گیا۔ علاج معالجہ پر توجہ دی گئی اور ان کے جسموں کی مالش مسلسل جاری رکھی گئی۔ تب جا کر انہیں کچھ سکون حاصل ہوا۔ ان نوجوانوں سے ظلم و بربریت کے واقعات سن سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ یہ نوجوان ہمیں بار بار حلف دیتے کہ ہمارا اس قتل کے واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اخبارات کے

پروپیگنڈہ کا اثر ہمارے ذہنوں پر قائم تھا۔ کئی روز تک مسلسل بحث و تمحیص کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ راولپنڈی پولیس نے سراسر بے گناہ نوجوانوں کو اس مقدمہ میں ملوث کر کے اپنا بوجھ تو ہلکا کر لیا اور ترقیاں و انعامات بھی حاصل کر لیے مگر جھوٹ کو سچ بنانے اور سفید کو سیاہ قرار دیتے وقت انہیں ایک لحہ بھی یہ احساس نہ ہوا کہ ہم بے گناہوں کی زندگیوں کو موت کے منہ میں ڈال رہے ہیں۔ ادھر دہشت گردی کی عدالت نے تیزی سے جیل میں سماعت شروع کر دی۔ وکلاء اور عزیزوں سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی گئی۔ مجھے اس جیل سے اٹک بھیج دیا گیا اور دہشت گردی کی عدالت نے محمد یعقوب و حافظ محمد آصف کو سزائے موت سنادی جبکہ قاری محمد صدیق کو بری کر دیا۔

بعد میں ہائی کورٹ کے دو ججوں پر مشتمل بینچ نے اپیل کا فیصلہ صرف ۳ ماہ کے اندر اندر یہ سنایا کہ محمد آصف کی سزائے موت بحال رکھی اور محمد یعقوب کو بری کر دیا۔ مجھے امید ہے کہ سپریم کورٹ سے محمد آصف بھی بری ہو جائے گا۔ کیونکہ بے گناہوں کو گنہگار قرار دیتے وقت پولیس سے بہر حال بہت غلطیاں ہوئیں جن کا فائدہ ملزموں کو ملا ہے اور ملے گا۔ اور انشاء اللہ حافظ آصف بھی باعزت رہا ہو کر باہر آئے گا۔

دشمنان صحابہؓ کے کفریہ عقائد کی وضاحت کے جرم میں دس سال قید:۔

یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ وطن عزیز میں ایک طرف گستاخان رسول ﷺ اور دشمنان صحابہؓ کی گز گز بھر لمبی زبانیں دن رات ہرزہ سرائی اور تبرا بازی میں مصروف ہیں۔ ان کی تحریر و تقریر پر کوئی قانون حرکت میں نہیں آتا اور نہ ہی کسی حکمران کے چہرے پہ پسینہ آتا ہے لیکن جب وقت کے ان "راجپالوں اور رشدیوں" کے خلاف کوئی آواز

بلند ہوتی ہے تو پھر ملک کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے اور اس آواز کو روکنے کے لئے قانون سازیاں ہونے لگتی ہیں۔ چنانچہ میاں نواز شریف کے موجودہ دور حکومت میں دہشت گردی کی عدالتوں کو قائم کر کے یہ قانون بنایا گیا کہ صرف سات دن کے عرصہ میں ہر اس شخص کو عدالت سخت ترین سزا سنائے۔ جس نے کسی مذہب یا فرقہ کے خلاف تقریر کی ہو۔ وہ تقریر کیوں ہوئی اس کے عوامل کیا تھے؟ اس کی طرف دھیان دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً کسی مذہب اور فرقہ کے لوگ کتاب اللہ کی توہین کریں تو بے شک کریں ختم نبوت کا انکار کریں تو بے شک کریں۔ لیکن جونہی آپ نے کہا کہ یہ کفر ہے۔ اس عقیدہ بد کے اختیار کرنے اور پرچار کرنے کے باعث یہ گروہ طبقہ یا فرقہ اسلام سے خارج ہو گیا ہے تو بس اب آپ کی خیر نہیں ہے۔ دفعہ ۲۹۵ الف تیار ہے اور سات سال قید آپ کا مقدر ہے۔

چکوال کے نوجوان محمد ناصر پر الزام تھا کہ اس نے ۱۹۹۲ء میں ایک پوسٹر دیوار پر چسپاں کیا جس پر شیعہ کو کافر لکھا گیا تھا۔ اس وقت اس کی گرفتاری ہوئی اور پھر ضمانت ہو گئی۔ مگر اب راولپنڈی کی دہشت گردی کی عدالت نے اس مقدمہ میں محمد ناصر کو دس سال قید سنا کر اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ ہم نے ۱۸ دسمبر کے اخبار میں یہ خبر پڑھی تو بہت حیرت ہوئی۔ خیال ہوا کہ کہیں یہ نوجوان اس جیل میں نہ آگیا ہو۔ پتہ کرایا تو معلوم ہوا کہ واقعی وہ اس جیل میں آچکا ہے اور جیل حکام نے اسے اس قدر خوف زدہ کیا ہوا ہے کہ وہ سپاہ صحابہؓ کا نام سننے سے بھی گھبراتا ہے۔ بالآخر میں نے جیل حکام کو مجبور کیا کہ وہ اس نوجوان کو میرے پاس بھیجیں۔ چنانچہ میرے پاس آتے ہی اس نوجوان کے ذہن سے گھبراہٹ ختم ہو گئی اور وہ اک نئے ولولے سے سرشار ہو گیا۔ اس کی اپیل ہائی کورٹ میں چل رہی ہے۔ امید ہے کہ جلد رہا ہو جائے گا۔ (نوٹ) ڈیڑھ سال بعد ہائی کورٹ نے اس نوجوان کو بری کر دیا اور وہ باعزت رہا ہو چکا ہے۔

مجیب الرحمن عباسی کی جیل آمد:-

ایبٹ آباد کے مخلص جماعتی ساتھی مجیب الرحمن عباسی کو بھی پولیس کلاشنکوف کا ایک جھوٹا مقدمہ بنا کر جیل لے آئی اور جیل حکام نے اسے دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ میں نے اسے بھی جیل میں اپنے وارڈ میں بلوالیا۔ بڑے سمجھدار نوجوان ساتھی ہیں اردو تحریر خوش خط ہے۔ محمد فاروق اور مجیب الرحمٰن عباسی میرے خطوط کا جواب لکھنے اور مضامین کی کاپیاں تیار کرنے روزانہ ڈائری لکھنے اور دیگر تحریری امور میں ہاتھ بٹانے میں پیش پیش رہتے۔ پانچ ماہ بعد مجیب الرحمٰن عباسی پولیس کی تفتیش میں بالکل بے گناہ ہو کر رہا ہو چکا ہے۔ اس کے جذبات قابل رشک ہیں اور وہ قید و بند ہتھکڑی و بیڑی کے خوف سے آزاد ہو کر مشن جھنگوی کے لئے سرگرم عمل ہے۔

چیف جسٹس سپریم کورٹ اور حکومت کا اختلاف:-

چیف جسٹس سپریم کورٹ سید سجاد علی شاہ سے وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف کا اصل اختلاف اس وقت شروع ہوا جب اگست ۱۹۹۷ء میں وزیر اعظم صاحب نے اسمبلی میں اپنی جماعت کی اکثریت کے بل بوتے پر یہ بل پاس کرالیا کہ پاکستان میں دہشت گردی کی عدالتیں قائم کی جائیں گی اور پولیس کے اہلکار کسی بھی گھر میں بغیر وارنٹ داخل ہو سکیں گے۔ پولیس یا سرکاری فورس سے الجھنے والے کو گولی تک ماری جا سکتی ہے۔" بظاہر یہ قانون دہشت گردی روکنے کے لئے تھا لیکن حقیقت میں اسے اپنے سیاسی مخالفین کو کچلنے کے لئے استعمال کرنا تھا۔ اور اس حد تک سیاہ قانون بنا دیا گیا کہ پولیس کے D.S.P کی سطح کے افسر کے سامنے ملزم کا اقرار کر لینا ہی اقرار جرم کہلائے گا۔ اس قانون کے بعد چیف جسٹس سے وزیر اعظم نے ملاقاتیں کر کے اس بات پر انہیں قائل کرنا چاہا کہ وہ ان دہشت

گردی کی عدالتوں کے لئے حکومت کی طرف سے مقرر کئے گئے ججوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل کو جلد سے جلد سماعت کرنے کے لئے ہائی کورٹ کے دو رکنی بینچ بھی تشکیل دینے کا اختیار حکومت کو دیں اور ملزموں کو سپریم کورٹ میں اپیل کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ چیف جسٹس صاحب نے اس قانون اور اس کے طریقہ کار سے اختلاف کیا کیونکہ ملک بھر کے قانونی حلقے، وکلاء، دانشور سیاستدان اس قانون کو کالا قانون قرار دے رہے تھے۔ اور اس فوری سزا کے نظام کو خلاف عدل اور پولیس کے سامنے کئے گئے اقرار کو ناکردہ گناہ کو جبراً قبول کر کے موت کے منہ میں جانے کا باعث قرار دے رہے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ جب پولیس کے افسران اور اہلکار کسی شخص سے کوئی من چاہی بات اگلوانا چاہیں تو یہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں نے ایک مرتبہ قومی اسمبلی میں میاں نواز شریف کے سابقہ دور میں کہا تھا کہ اگر میاں نواز شریف صاحب کو صرف ایک رات کے لئے پولیس کے حوالہ کر دیا جائے تو دوسرے روز وہ صبح یہ بیان دیں گے کہ میرا نام نواز شریف نہیں ہے اور پاکستان کے دو ٹکڑے میں نے کیے تھے۔ دنیا بھر کی تخریب کاری کے واقعات میرے ایماء پر ہوتے ہیں کیونکہ پولیس کے سامنے آدمی کا اقرار نہ کرنا اس وقت ممکن ہے جب اس کے جسم میں جان نہ رہے یا منہ میں زبان نہ رہے۔

اور پھر مزید یہ کہ دہشت گردی کے جس جج کو حکومت خود ایک عام وکیل کی سطح سے اٹھا کر انصاف کی کرسی پر بٹھائے گی اور جب چاہے اسے گھر بھیج سکے گی تو کرائے کا ٹٹو عدل و انصاف کے مطابق فیصلے کیسے صادر کر سکتا ہے۔ وہ تو وہی کرے گا جس کا اوپر سے آرڈر ملے گا اور واقعات شاہد ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح دہشت گردی کی عدالت کے جج کے فیصلوں کو تحفظ دینے کے لئے ہائی کورٹ میں بھی مخصوص ججوں کو اپیل نمٹانے کا اختیار دینا ستم بالائے ستم کے مترادف ہے۔

چیف جسٹس صاحب کی طرف سے حکومتی اقدامات اور کالے قانون کی حمایت نہ

ہونے پر وزیراعظم صاحب آگ بگولہ ہو گئے ادھر سپریم کورٹ میں کئی ججوں کی سیٹیں خالی تھیں۔ جنہیں ہائی کورٹ کے سینئر ججز سے پر کیا جانا تھا۔ چیف جسٹس صاحب نے حکومت سے یہ سیٹیں پر کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا اور حکومت نے اس مسئلہ پر بھی چیف جسٹس کے احکامات پر عمل درآمد نہ کرنے کی پالیسی جاری رکھی۔ حتیٰ کہ معاملات کافی آگے تک بڑھ گئے۔ آخر وقت آیا کہ حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور سپریم کورٹ کی خالی سیٹوں پر ہائی کورٹس کے سینئر جج بھیجنا پڑے۔ ادھر حکومت نے آئین پاکستان میں ایک اور ترمیم کر کے پارٹی سربراہ کو یہ حق تفویض کر دیا کہ وہ اپنی پارٹی کے رکن اسمبلی کو قیادت کی رائے سے اختلاف کرنے اور اسمبلی میں اس کے خلاف ووٹ دینے پر اسمبلی کی رکنیت سے چھٹی کرا سکتا ہے۔ اس ترمیم لانے کا مقصد یہ تھا کہ میاں نواز شریف کی پارٹی کا کوئی M.N.A یا M.P.A ان کی مخالفت نہ کر سکے اور ان کی حکومت کے خلاف کسی دوسری جماعت کا ساتھ نہ دے سکے۔ اس سے قبل وہ آئین کی شق 58/2/B کے تحت صدر مملکت کو اسمبلی توڑنے کے جو اختیار حاصل تھا اسے بھی ختم کر چکے تھے۔ اگر میاں نواز شریف کے صرف ان تین اقدامات کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ انہوں نے اپنی ذات اور حکومت کو بچانے اور مخالفین کو پولیس کے ذریعہ اور پارٹی کے لوگوں کو آئین کے ذریعہ خاموش کرانے کا پروانہ حاصل کر لیا تھا۔ لیکن کئی ماہر وکلاء نے آئین میں کی گئی اس ترمیم کو انسانی حقوق کی آزادی کے خلاف قرار دیتے ہوئے سپریم کورٹ سے رجوع کیا کہ وہ اسے منسوخ کر دے۔ ادھر صدر مملکت فاروق لغاری نے بھی اس آئینی ترمیم پر آخری دستخط نہ کیے بلکہ اس پر غور کرنے کا کہہ کر وقت گزارنا شروع کر دیا۔ حکومت چاہتی تھی کہ ممبران اسمبلی کو پارٹی لیڈر کی پالیسی کی مخالفت پر رکنیت اسمبلی سے محروم کرنے کی جو ترمیم کی گئی ہے۔ اس پر صدر مملکت فوری دستخط کریں اس موڑ پر آکر ملک میں ایک سہ رخی کشیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ حکومت اور صدر مملکت کے درمیان محاذ آرائی حکومت اور

چیف جسٹس کے درمیان محاذ آرائی اور چیف جسٹس وصدر مملکت کے درمیان گٹھ جوڑ، چند ہی روز گزرے تھے چیف جسٹس کی سربراہی میں اس آئینی ترمیم کو سماعت کرنے والے بینچ نے فیصلہ دے دیا کہ یہ ترمیم سراسر غلط ہے اور انسانی حقوق کے منافی ہے۔ صدر اس پر دستخط نہ کریں۔ اگر دستخط کردیئے ہیں تو یہ ترمیم معطل ہوگی۔ اس فیصلہ پر نواز شریف حکومت کی طرف سے عدالت عالیہ کے خلاف نہایت ہی شرمناک زبان استعال کی گئی۔ چیف جسٹس کو "لوٹا کریسی" کا سرپرست کہا گیا۔ ٹی وی پر توہین آمیز کارٹون دکھائے گئے اور وزیر اعظم وفاقی وزراء نے چیف جسٹس کے اس فیصلہ کا مذاق اڑایا۔ حکومت کے اس رویہ کے خلاف چیف جسٹس نے توہین عدالت کے نوٹس جاری کردیئے اور وزیر اعظم ووفاقی وزراء کو عدالت عالیہ میں خود پیش ہو کر اس بات کا جواب دینے کا پابند کیا کہ انہوں نے دیدہ دانستہ عدالت کے فیصلہ کا مذاق کیوں اڑایا؟ مجبوراً وزیر اعظم کو سپریم کورٹ میں پیش ہو کر رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب بقول سابق صدر فاروق لغاری حکومت نے اس رسوائی کا بدلہ لینے کے لئے سپریم کورٹ کے باقی ججوں سے رابطہ کرکے ایسی سازش کی کہ پشاور اور کوئٹہ میں موجود سپریم کورٹ کے بعض محترم جج صاحبان نے سید سجاد علی شاہ چیف جسٹس کے عہدہ پر تقرری ہی کو خلاف قانون قرار دے دیا اور ان کے فیصلوں کو کالعدم قرار دینا شروع کردیا ادھر چیف جسٹس نے آئین میں کی جانے والی ایک اور ترمیم کو بھی کالعدم قرار دے دیا جس کے مطابق صدر سے اسمبلی توڑنے کے اختیارات سلب کیے گئے تھے گویا کہ اب پھر صدر کو اسمبلی توڑنے کا اختیار مل چکا تھا۔

الغرض ملک میں اس قدر بحران اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی کہ ہر محب وطن شخص دل مسوس کر رہ گیا تھا۔ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کب کیا ہو جائے گا۔ دوسری جانب حکومت کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ عدالت کی طرف سے ۲۸ نومبر کو وزیر اعظم اور کئی وزراء کو نااہل قرار دے دیا جائے گا تو اس نے ۲۸ نومبر کی تاریخ کو باہر کے شہروں سے بسوں پر پارٹی

کارکنان کے لشکر منگوا کر عدالت پر حملہ کرا دیا جس سے وطن عزیز کی عزت دنیا بھر کی نظروں میں خاک میں مل گئی۔ چیف جسٹس نے فوج سے مدد طلب کر لی مگر فوج نے اس معاملہ میں خود کو داخل کرنے سے باز رکھا۔ ادھر صدر مملکت سے حکومت کی اس قدر مخالفت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ انکے خلاف محاسبہ کی تحریک پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس میں لانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس تحریک کی کامیابی یقینی تھی کیونکہ اپوزیشن پارٹی کی لیڈر بے نظیر بھٹو بھی فاروق لغاری سے اپنا پرانا بدلہ چکانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ تو ۲ دسمبر کو صدر مملکت فاروق لغاری نے خود ہی صدارت سے استعفادے کر ملک کو بحران سے نکال دیا۔

صدر مملکت کے استعفا کے بعد چیف جسٹس سپریم کورٹ بھی اپنے باقی جج ساتھیوں کی مخالفت کے باعث اب مزید کام کرنے سے قاصر ہو چکے تھے کیونکہ ان کے ساتھیوں نے انہیں چیف جسٹس کے عہدہ ہی سے ہٹانے کا فیصلہ سنا دیا تھا۔ اب انہوں نے اپنی عزت اس میں سمجھی کہ وہ اپنی ریٹائرمنٹ تک کی مدت کے لئے رخصت پر چلے جائیں۔

اس طرح صدر مملکت کے استعفا اور چیف جسٹس کے رخصت پر جانے سے میاں نواز شریف کے خلاف اٹھنے والا طوفان نہ صرف تھم گیا بلکہ اب ان کے لئے راستے مزید ہموار ہو گئے۔

صدر مملکت کا انتخاب اور رفیق تارڑ صاحب کی نامزدگی:۔

سردار فاروق احمد لغاری کے استعفا کے بعد صدر کے عہدے کے لئے ۳۰۔ دسمبر کو الیکشن کا اعلان کیا گیا۔ اس عہدے کے لئے اس شخص کی کامیابی یقینی تھی جسے مسلم لیگ نامزد کرتی۔ چنانچہ بڑی بڑی قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں اور کئی حلقوں کی جانب سے حکومت کو مفید مشورے دیئے گئے کہ وہ اس اہم منصب پر ایسی شخصیت کو لائے، جسکا تعلق چھوٹے صوبوں سے ہوتا کہ پنجاب کی بالادستی کا نام لے کر جو لوگ صوبائیت و قومیت کے

نعرے لگا رہے ہیں ان کا پروپیگنڈہ دم توڑ جائے۔

مگر میاں نواز شریف کے والد میاں محمد شریف صاحب کی طرف سے اپنے ایک باعتماد دوست ریٹائرڈ جسٹس رفیق تارڑ کا نام صدارت کے لئے پیش کر دیا گیا۔ تارڑ صاحب کے نام سے دینی حلقوں اور اسلام دوست طبقوں میں اس لحاظ سے خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ وہ ایک پابند شرع شخصیت ہیں اور ان کی نیک نامی کا بڑا شہرہ ہے۔ اگرچہ وہ غیر سیاسی آدمی ہیں لیکن سپریم کورٹ کا ریٹائرڈ جج ہونا ان کی لیاقت و قابلیت کی بڑی دلیل ہے۔ خود میں نے بھی جیل سے ہی رفیق تارڑ کی حمایت کا اعلان کیا۔ کیونکہ ان کی ذات کا تحریک تحفظ ختم نبوت میں کردار بڑا نمایاں ہے۔ اور وہ دینی حلقوں میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھے جانے والے شخص ہیں۔ تاہم لادین تنظیمیں اور پیپلز پارٹی و بعض سیاسی و نیم دینی جماعتیں ان کے خلاف صف آراء ہو گئیں۔ ان جماعتوں نے ان پر بنیاد پرست اور مذہبی انتہا پسند ہونے کے الزامات بھی لگائے اور یہاں تک کہا گیا کہ چونکہ انہوں نے چیف جسٹس سجاد کے خلاف ان کے ساتھی ججوں کو اکسایا تھا۔ اس کارنامہ کے عوض انہیں یہ منصب سونپا گیا۔ بہرحال ہمیں اس بات کی خوشی تھی کہ کم از کم پاکستان کے ایک اہم ترین منصب پر ایسا شخص تو براجمان ہو رہا ہے کہ جس کے چہرہ کو دیکھ کر ہی اسلام اور پاکستان کا نام بلند ہوتا ہے۔ ورنہ اب یہ منصب صدارت اس قدر اختیارات سے محروم ہو چکا ہے کہ صدر مملکت کے پاس دعاؤں اور نیک تمناؤں کے اظہار کے سوا کوئی اختیار نہیں ہے۔ وہ حکومت کی ہر خواہش پر لبیک کہنے اور حکومتی مفاد کے لئے آرڈیننس جاری کر کے ساری عوامی مخالفت اور غم و غصہ کو اپنے سر لینے پر مجبور ہیں۔ اہم صدارتی اختیارات تو پہلے ہی اسمبلی کے ذریعہ میاں نواز شریف صدر مملکت سے اپنی ذات کی طرف منتقل کرا چکے تھے۔ رہے چند باقی اختیارات تو وہ خود رفیق تارڑ صاحب نے انہیں سونپ دیئے ہیں۔ اس وقت اگر یہ کہا جائے تو بالکل بے جا نہ ہو گا کہ صدارت ایک نمائشی منصب بن کر رہ گیا ہے۔ جسے

دنیا کو دکھایا جا سکتا ہے مگر اس سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا ہے۔

۳۰ دسمبر کے صدارتی انتخاب میں رفیق تارڑ صاحب کے مقابلہ میں پیپلز پارٹی کے آفتاب شعبان میرانی اور جمعیت علماء اسلام (ف) گروپ کے مولانا محمد خان شیرانی نے الیکشن لڑا اور شکست کھائی۔ مجھے اس الیکشن میں بطور رکن صوبائی اسمبلی ووٹ تک کاسٹ کرنے کا حق نہیں دیا گیا حالانکہ یہ میرا قانونی حق تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مسلم لیگ کے پاس ووٹ اس قدر وافر تھے کہ اسے میرے ووٹ کی ضرورت ہی نہ تھی دوسری بات یہ تھی کہ اس سے پھر آئندہ اسمبلی کے اجلاس میں میری شرکت کا راستہ کھل جانا تھا۔ یہ بات بھلا حکومت کیسے گوارہ کر سکتی ہے کہ جس شخص کو اسمبلی میں صدائے حق بلند کرنے کے جرم میں جیل میں ٹھونسا ہے۔ وہ پھر اسمبلی میں پہنچ کر حکمرانوں کے بلڈ پریشر ہائی کرے اور ان کے مزاج شاہانہ کو خراب کر کے رکھ دے۔

میں اس موقع پر چیف الیکشن کمیشن پاکستان کے کردار کی مذمت کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا ہوں۔ جنہوں نے اپنی آئینی ذمہ داری کو نبھانے سے راہ فرار اختیار کی اور ایک منتخب رکن اسمبلی کو اس کے بنیادی حق سے محروم رکھا۔ حالانکہ انہیں ایک سے زیادہ مرتبہ درخواستوں کے ذریعہ اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ وہ ۳۰ دسمبر کے صدارتی الیکشن میں میرے ووٹ ڈلوانے کا راستہ ہموار کریں۔ یقینی بات ہے کہ یہ ذمہ داری انہی کی تھی اور وہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکے بلکہ حکومتی خواہش کے احترام میں ایک منتخب نمائندہ کو اس کا حق دینے سے قاصر رہے۔

جامعہ خیر المدارس کے چار طلبہ کا بہیمانہ قتل:۔

۲۰ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو ملتان میں ایک مذہبی تنظیم کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر جامعہ خیر المدارس اور دارالعلوم کبیر والا کے چھ طالبعلموں کو اس تنظیم کے تخریب کاروں نے پکڑ

کر دو دن تک سخت تشدد کا نشانہ بنایا ان کے ساتھ انتہائی وحشیانہ اور انسانیت سوز سلوک روا رکھا۔ پھر انہیں شہر سے باہر لیجا کر ہاتھ پاؤں باندھ کر گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ دو طالبعلم کرشماتی طور پر زندہ و سلامت رہ گئے اور چار طلبہ شہادت کا جام نوش کر گئے۔ ۲۱۔ اکتوبر کے اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر سے جیل کے تمام ساتھیوں کو سخت صدمہ پہنچا اور ہم لوگ کئی روز تک اس عنوان پر غور و خوض کرتے رہے کہ آخر اس تخریب کاری کا مقصد کیا ہے؟ کافی سوچ و بچار اور بعد میں سامنے آنے والے نتائج سے یہ بات واضح ہو گئی کہ پاکستان میں شیعیت نے ایک سازش کے تحت اس ناپاک منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوششیں شروع کر دی ہیں کہ کسی طرح اہل سنت والجماعت کے طبقوں کو باہم ایک دوسرے سے دست و گریبان کرایا جائے تاکہ اسے کھل کر اپنی ناپاک سازشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا موقع مل جائے۔ لیکن اس عظیم حادثہ پر مولانا محمد حنیف جالندھری مہتمم جامعہ خیر المدارس اور ان کے رفقاء نے جس دانشمندی کا مظاہرہ کر کے اس سازش کو ناکام بنایا ہے۔ اس کا اعتراف ہر اس شخص کو کرنا پڑتا ہے۔ جو اس گھناؤنے منصوبہ سے آگاہ ہے۔ ورنہ اس سخت اشتعال کے موقع پر تھوڑی سی بے صبری کا اگر مظاہرہ ہو جاتا تو پھر یہ آگ پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھی۔

ڈاکٹر حبیب اللہ مختار مفتی عبد السمیع اور ان کے ڈرائیور کی شہادت:۔

۲ نومبر ۱۹۹۷ء کو کراچی کی سرزمین پر ایک ایسا ہولناک حادثہ رونما ہوا کہ جس نے عالم اسلام کو ہلا کر رکھ دیا۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن جیسے عظیم دینی ادارہ کے مہتمم اور اجل عالم دین نامور سکالر ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب کے علاوہ جامعہ کے ہر دلعزیز استاد اور دینی تحریکوں کے روح رواں مفتی عبد السمیع صاحب اور ان کے ڈرائیور محمد طاہر کو گاڑی میں بم مار کر اور کلاشنکوفوں سے فائرنگ کر کے شہید کر دیا گیا۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان کے چوتھے ساتھی قاری بشیر احمد نقشبندی اس حادثہ میں زخمی ہو گئے۔ بعد میں قاتل گرفتار ہوئے اور کراچی کی عدالت نے انہیں سزائے موت بھی سنا دی لیکن اس سانحہ کے پس پردہ اصل کار فرما ہاتھوں کو قصداً حکومت نے بے نقاب نہیں کیا اور نہ ہی اس قتل کے حقیقی ذمہ داران کو گرفتار کیا گیا ہے۔ جس کے باعث اس بات کا ہر لمحہ خدشہ ہے کہ اصل تخریب کار لوگ کسی اور بڑے حادثہ کا منصوبہ بنانے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔ اس حادثہ نے کراچی کے مدارس و دینی اداروں کے مہتمم حضرات، علماء کرام، اساتذہ طلبہ کو صرف غم زدہ ہی نہیں کیا بلکہ ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کی علمی شخصیت کا میں دل سے معترف ہوں۔ چونکہ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے خود میں نے دورہ حدیث شریف کیا اور سند فراغت حاصل کی ہے۔ اس لئے ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام کا مجھے اچھی طرح اندازہ ہے۔ ان کی شہادت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ بہت عرصہ تک پر ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اسی طرح مفتی عبدالسمیع صاحب بڑے ہی بہادر اور انتھک قسم کے شخص تھے۔ دینی تحریکوں اور مساجد و مدارس کے تحفظ کے لئے کراچی میں مذہبی عنوان پر کام کرنے والی جماعتوں سے ان کے بڑے گہرے مراسم ہوتے تھے اور اپنا دل سب کے لئے کشادہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے (آمین)

ملک ندیم اقبال اعوان کی شہادت:۔

ابھی ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور ان کے رفقاء کی شہادت کے حادثہ کو ایک ہفتہ بھی نہ گذرا تھا کہ ۸ نومبر کو جمعیت علماء اسلام (س) گروپ کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری ملک ندیم

اقبال اعوان ایڈووکیٹ کے قتل کا کربناک واقعہ پیش آگیا۔ ۹ نومبر کے اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر دل خون کے آنسو رونے لگا۔ ندیم اقبال اعوان کسی زمانہ میں جمعیت طلبہ اسلام کے روح رواں تھے۔ ان دنوں میں درجہ کتب کا ابتدائی طالب علم تھا۔ ان سے ملاقاتیں ہوتی رہتیں۔ بعد ازاں سپاہ صحابہؓ کی نسبت سے ان سے تعلق خاطر اور زیادہ گہرا ہوتا چلا گیا۔ جمعیت علماء اسلام کے اجلاس اور حاصلپور کے جلسوں ہی میں نہیں بلکہ حاصل پور کی بلدیاتی سیاست میں بھی وہ میرے ساتھ مشورہ کرتے رہتے۔ مقامی سطح پر سپاہ صحابہؓ کو ان کا تعاون بھرپور انداز میں حاصل تھا۔ ان کی دوراندیشی اور سیاسی سوجھ بوجھ کے تمام ہمعصر معترف تھے۔ ذاتی زندگی میں بہت ہی خوش اخلاق ملنسار اور غریب پرور انسان تھے۔ حاصل پور میں وکالت کے پیشہ سے منسلک تھے۔ ۱۹۹۷ء کے الیکشن کے ناطے کوٹ لکھپت جیل میں ان سے قائد شہید کے ہمراہ کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہتی اور سیاسی حالات پر ان کے خیالات سننے کا موقع ملتا۔ دشمنوں کی نظر میں وہ اسی لئے کھٹکتے تھے کہ وہ اہل حق کی ہر تحریک کے معاون ہوتے تھے اور نوجوانوں کو ان کی سرپرستی حاصل تھی۔ ۸ نومبر کو ان کے چیمبر میں داخل ہو کر ان پر کلاشنکوف سے حملہ کرنے والے دونوں قاتل اس واردات کے بعد ایک گھنٹہ کے اندر گرفتار کر لئے گئے۔ دونوں کا تعلق شیعہ مذہب سے تھا اور لاہور ٹھوکر نیاز بیگ گروپ کے ان لوگوں سے ان کا ناطہ تھا جنہوں نے ایک عرصہ سے مساجد و مدارس میں علماء و طلبہ کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ دونوں قاتلوں کو بہاولپور کی دہشت گردی کی عدالت سزائے موت کا فیصلہ سنا چکی ہے۔

جیل کے معمولات اور اسیران ناموس صحابہؓ کی تربیت:۔

قید و بند کا وقت گذارنا ایک بہت بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ اگرچہ آزاد فضاء میں بھی انسان بغیر کسی مصروفیت کے وقت نہیں گزار سکتا ہے۔ لیکن جیل میں مصروفیت بالکل نہ

ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ پھر خصوصاً اس وقت تو آدمی بالکل ہی فارغ ہوتا ہے۔ جب وہ قید تنہائی میں ہو یا جیل میں چند ساتھیوں کے ہمراہ ہو اور اپنے وارڈ سے باہر نہ نکل سکتا ہو۔

بعض ساتھی جیل کے فارغ اوقات کو سو کر گزارتے ہیں مگر بہت جلد زیادہ سونے کے نقصانات ظاہر ہونے لگتے ہیں اور ان کے ذہن و جسم پر بہت مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس لئے زندگی میں جتنی مرتبہ جیلوں میں جانے کا موقع ملا ہے۔ فوراً یہ طریق اختیار کیا کہ مختلف اوقات مختلف کاموں کے لئے مخصوص کر لئے اس سے وقت بھی خوب گزر جاتا ہے اور فائدہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت قائد شہید کے ہمراہ جب بہاولپور جیل پہنچے تو وہیں سے بعد فجر درس قرآن مجید، بعد ظہر درس حدیث، بعد عصر جسمانی ورزش، بعد عشاء مطالعہ اور ہفتہ میں ایک دن کسی عنوان پر خطاب اور تربیتی و اصلاحی بیان۔ روزانہ فجر اور مغرب یا عشاء کے بعد جس قدر اسیر ساتھی ہوں۔ ان کے حساب سے آیت کریمہ کا ورد کرنا۔ درود شریف اور تیسرے کلمہ کی تسبیحات اجتماعی طور پر پڑھنے کے معمولات جاری کیے گئے۔ اب الحمد للہ بہاولپور، ملتان، لاہور، راولپنڈی اور دیگر جیلوں میں ان معمولات پر اسیران عمل پیرا ہیں۔

میرے چونکہ ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کے بم دھماکہ میں زخمی ہونے کے باعث ماہ رمضان المبارک کے تیئس (۲۳) روزے رہ گئے تھے۔ اس لئے میں نے جوہنگ سے اڈیالہ جیل پہنچتے ہی روزوں کی قضا شروع کر دی اور پھر یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ مسلسل تین ماہ تک روزے جاری رہے۔ حتیٰ کہ رمضان المبارک آ گیا۔ اس طرح اسیر ساتھیوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم، نماز کے مسائل سکھانے اور ضروریات دین سے انہیں روشناس کرانے کے لئے جیل میں کسی ایسے اچھے محنتی ساتھی کو مقرر کر دیا جاتا ہے جو قرآت و تجوید کے ساتھ اس کام کو پورا کرے پھر ہر جمعرات کے روز اسیر ساتھیوں کا امتحان لینا میری ڈیوٹی میں شامل رہا۔

الحمدللہ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ کئی ساتھی جنہیں چند سورتیں تک یاد نہیں تھیں۔ ایک ایک پارہ کے حافظ بن گئے اور مکمل قرآن مجید ناظرہ پڑھ گئے۔ اسی طرح عصر کے بعد والی بال، فٹ بال، بیڈمنٹن یا جسمانی ورزش بھی مستقل جیل کے معمولات کا حصہ ہے تاکہ اسیر ساتھیوں کو صحت تندرستی اور توانائی حاصل ہو اور وہ جیل کے فارغ لمحات کی نذر ہو کر سست کاہل اور آرام طلب نہ بن جائیں۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس قدر ایکسرسائز کریں کہ ایک مجاہد اسلام کی حیثیت سے وہ باہر کی دنیا میں اپنی زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل کا تبادلہ اور ہمارے لئے سہولتوں کا راستہ ہموار:۔

اڈیالہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ عبدالستار عاجز صاحب کی شخصیت پر پچھلے ابواب میں بات ہو چکی ہے اور کئی واقعات میں یہ جھلک نمایاں نظر آ چکی ہو گی کہ وہ ایک دیانتدار، اعلیٰ منتظم اور سخت طبیعت کے مالک انسان ہیں ان کی سختی بعض اوقات بالکل بیجا ہوتی تھی۔ جس کے باعث ہماری باہم تلخی تک ہو جاتی۔ نتیجتاً وہ اس تلخی کا بدلہ لینے کے لئے ہماری کسی سہولت کو ختم کر دیتے یا کسی خوشی میں پریشانی کی ملاوٹ پیدا کر دیتے۔ کبھی ان کا موڈ ٹھیک ہوتا تو وہ B کلاس کے چند قیدیوں کو ہماری خواہش پر ہمارے وارڈ میں منتقل ہونے کی اجازت دے دیتے پھر چند روز بعد موڈ خراب ہو جاتا تو حکم کرتے کہ وہ قیدی یہاں سے فوری دوسرے وارڈ میں چلے جائیں۔ اسی طرح ملاقاتوں پر جو لوگ ڈپٹی کمشنروں کے اجازت نامے لے کر آتے کبھی ان کی ملاقات ڈیوڑھی کے اندر کراتے تو کبھی کہتے کہ بس جالیوں سے ہی کر لیں۔ کبھی سب لوگوں کو ڈیوڑھی میں آنے کی اجازت دے دیتے کبھی چند لوگوں کو بمشکل اجازت دیتے۔ حالانکہ ان کے پاس ڈپٹی کمشنر کے آرڈر ہوتے تھے۔ عبدالستار عاجز صاحب ان متضاد عادات کے باوجود ایک صاف و شفاف دامن رکھنے والے سنت رسول ﷺ اور شریعت کے پابند انسان ہیں۔ اس لئے ہم ان کی کوئی کبھی ایسی بات

بھی برداشت کر لیتے تھے۔ ان کا تبادلہ ہو گیا تو مہر عمر دراز صاحب آ گئے۔ مہر صاحب ایک مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک ہیں اور ایک اچھے خلیق افسر ہیں لیکن وہ تمام کمزوریاں ان کے ساتھ چمٹی ہوئی ہیں جو باقی افسران کی مجبوریاں ہوتی ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ صرف ماہانہ تنخواہ پر گزارہ کرنا عاجز صاحب کے علاوہ اور کسی کی خصوصیت نظر نہیں آیا۔ تبھی کسی اور افسر کو ہم سے تلخی والا ماحول پیدا کرنے کی جرات بھی نہیں ہوئی۔ مہر عمر دراز صاحب نے جائز اور قانونی طریقہ سے ہر وہ سہولت مہیا کی جو ہمارا حق بنتا تھا۔

اڈیالہ جیل میں ملاقاتیں:۔

چونکہ ۲۰ اگست ۱۹۹۷ء کو جیل پہنچنے کے ساتھ ہی ملاقاتوں پر اس انداز سے پابندی لگا دی گئی تھی کہ ڈپٹی کمشنر سے اجازت نامہ ہمراہ لانا ضروری قرار دے دیا تھا۔ اس لئے بیشتر اضلاع کے عہدیداران و کارکنان ملاقات نہ کر سکے۔ بس چند اضلاع کے ساتھی ملاقات کر سکے۔ جن میں ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ کے مولانا محمد احمد لدھیانوی صاحب، مولانا محمد اویس صاحب، سمندری ضلع فیصل آباد سے فاروقی شہید اکیڈمی کے ناظم اعلیٰ مولانا ثناء اللہ شجاع آبادی، ضلع ساہیوال کے مولانا سید انعام اللہ شاہ صاحب، طارق صاحب، ضلع مظفر گڑھ کے مولانا یحییٰ عباسی صاحب ضلع راجن پور کے مولانا فیض الحق عثمانی صاحب، ضلع لاہور کے ڈاکٹر منظور احمد شاکر صاحب، ضلع خانیوال کے مولانا وجیہ الرحمن صاحب، ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں صاحب، ضلع بہاولپور کے مولانا عبدالغنی صاحب، ضلع راولپنڈی کے مولانا شعیب ندیم صاحب، مولانا حبیب الرحمن صدیقی صاحب، ضلع گجرات کے قاری احسان اللہ فاروقی صاحب، سمندری ضلع سرگودھا کے مولانا محمد اکرم عابد صاحب، مولانا عبدالرحمن صاحب اور ان تمام حضرات کے ساتھی ملاقات کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ جبکہ اسلام آباد، جھنگ اور کئی دیگر اضلاع کے ڈپٹی کمشنروں نے ملاقات کی اجازت ہی

نہیں دی۔ جھنگ سے شیخ حاکم علی صاحب، ملک محمد اقبال صاحب، شیخ محمد اشفاق، راشد محمود اور ان کے کچھ اور ساتھی بھی دوسرے ذرائع سے اجازت لیکر ملاقات کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ یہ وہ ملاقاتیں ہیں جو پانچ ماہ کے عرصہ میں ہوئیں۔ اس وقت یہ بھی کم نظر آتی تھیں۔ لیکن اب جبکہ اٹک کی اس جیل میں آئے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے اور ایک بھی ملاقات نہیں ہو سکی ہے تو وہ چند ملاقاتیں بھی غنیمت محسوس ہوتی ہیں۔

ڈیرہ غازی خان جیل سے ۵ اسیروں کا فرار:۔

۲۶ دسمبر جمعہ کے روز جیل حکام نے ہمارے سیکورٹی وارڈ کے اردگرد حفاظتی اقدامات اور سخت کر دیئے جیل حکام کی اس اچانک نقل و حرکت اور پر اسرار انداز کو ہم نے محسوس تو کیا لیکن اس کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ اگلے روز جو اخبارات ہمیں ملے۔ وہ تمام کے تمام سنسر کی قینچی سے اپریشن ہو کر آئے تھے۔ اخبارات سے بڑی بڑی خبریں کاٹی گئیں تھیں۔ کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ باہر کی دنیا میں کیا بھونچال آگیا ہے۔ جس سے ہمیں لاعلم رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اچانک ایک اخبار کے کونہ میں چھوٹی سی خبر پہ نظر پڑی جس میں ڈیرہ غازی خان جیل کے سپرنٹنڈنٹ و دیگر عملہ کے معطل کیے جانے کا تذکرہ تھا۔ اس خبر سے اندازہ ہوا کہ ڈیرہ غازی خان جیل میں کچھ ہوا ہے، مگر تفصیلات سے بے خبر تھے۔ اگلے روز اخبارات میں شائع ہونے والی تفصیلات بغیر سنسر کے مل گئیں تو معلوم ہوا کہ ڈیرہ غازی خان جیل سے پانچ اسیر فرار ہو گئے۔ فرار ہونے کی یہ واردات اس لحاظ سے انوکھی تھی کہ اس میں جیل کے عملہ کا بے حد تعاون نظر آ رہا تھا اور جیل کے اندر اسلحہ کا بوقت ملاقات پہنچ جانا اور پھر نہایت آسانی سے جیل کے مختلف وارڈوں سے نکل کر قیدیوں کا بھاگ جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کسی نہ کسی مقام پر کمزوری ضرور تھی۔ یہی وجہ ہے کہ

جیل کے سپرنٹنڈنٹ اور دیگر حکام کے خلاف حکومت پنجاب نے کاروائی کرکے انہیں جیل کا مہمان بنا رکھا ہے۔ اور جیل سپرنٹنڈنٹ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ سنا یہ گیا ہے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل نے چونکہ شیعہ قیدیوں کو بے انتہاء مراعات دے رکھی تھیں۔ اس لئے اس کے بالمقابل لشکر جھنگوی" کو بھی سہولتیں دینے پر اسے آمادہ ہونا پڑا تھا۔ ادھر جبکہ تمام جیلوں میں ڈپٹی کمشنر کی اجازت کے بغیر ملاقاتوں پر پابندی تھی۔ وہاں شیعہ اور سنی اسیروں سے عام ملاقاتیں جاری تھیں۔ جیل کے اندر سے پانچ افراد کا دن دیہاڑے فرار ہو جانا ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس کی پاکستان میں ابھی تک مثال نہیں ملتی ہے۔

حکومت کی طرف سے سپاہ صحابہؓ کے اسیروں کی ملاقات پر پابندی:۔

ڈیرہ غازی خان سے ۵ قیدیوں کے فرار کے واقعہ پر حکومت پنجاب نے جیل کے نظام کو درست کرنے اور ملاقاتوں کے نظام و سیکورٹی انتظامات کو صحیح کرنے کی بجائے یہ نادر شاہی حکم جاری کر دیا کہ تمام اسیران ناموس صحابہؓ کو بیڑیاں پہنا دی جائیں اور الگ الگ سیلوں میں بند کر دیا جائے۔ اب سپاہ صحابہؓ یا لشکر جھنگوی کے کسی بھی اسیر سے اس کے لواحقین عزیز و اقرباء حتیٰ کہ وکلاء تک ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ اب ملاقات صرف ہوم سیکرٹری پنجاب کی اجازت سے ہوگی۔ حکمرانوں کی طرف سے جاری ہونے والے اس حکمنامہ پر اگلے ہی روز سے ایسا عمل درآمد شروع ہوا کہ اسیروں کے ساتھ باہر کے متعلقین کی ملاقاتیں تو ناممکن ہو ہی گئیں۔ جیل کے اندر دوسرے قیدیوں سے بھی ان کا رابطہ ختم کر دیا گیا۔ اس وقت جبکہ میں اس نادر شاہی حکم کے ایک سال بعد جیل سے یہ واقعہ تحریر کر رہا ہوں۔ تو ملاقاتوں پر پابندیوں کا سلسلہ جاری ہے اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ خود ہوم سیکرٹری کی طرف سے کسی اسیر کے بچوں، والدین اور اعزاء کو ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ ویا للعجب

کوئی عقل و خرد کے ان دشمن حکمرانوں کو نہیں سمجھاتا کہ اگر ایک جیل میں آپ کے افسران کے غیر قانونی انداز سے ۵ قیدیوں کے فرار کا واقعہ پیش آگیا ہے۔ تو اس جرم کی سزا صوبہ بھر کی باقی جیلوں کے اسیروں کو کس قانون کے تحت دے رہے ہو اور ان کی ملاقاتوں پر پابندی لگا کر وہ کون سے فوائد ہیں جو تمہیں حاصل ہو جائیں گے۔ یا اگر اس پابندی سے جیل سے بھاگنے والے واپس آسکتے ہیں تو پھر بھی اس کا کوئی جواز سمجھ آتا ہے۔

افسران بالا کی جیل کے دورے پر آمد اور میری ان سے تلخ کلامی:-

۱۳ جنوری کو راولپنڈی ڈویژن کے کمشنر نے ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی راؤ اقبال کے ہمراہ اڈیالہ جیل کا دورہ کیا اور وہ ہمارے وارڈ میں پہنچ گئے۔ ان کے ہمراہ سپرنٹنڈنٹ جیل مہر عمر دراز اور ڈی آئی جی جیل خانہ جات غلام سرور للوانی صاحب بھی تھے۔ میں نے کمشنر صاحب سے کہا کہ آپ لوگ حکومت کو بتائیں کہ اسیران کی ملاقات پر قطعی پابندی لگانا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ جب آپ ہر طرف سے انہیں بے بس کر دیں گے اور ان کا رابطہ وکلاء تک سے بھی نہیں ہو سکے گا تو وہ مایوسی کا شکار ہو کر انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائیں گے اور یہ سائنسی دور ہے۔ اس میں آپ قانون کا احترام کرا کر تو کسی آدمی کو پابند کر سکتے ہیں لیکن محض جیل کی ان بلند و بالا دیواروں یا پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر کسی کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا آپ نے دیکھا ہو گا کہ سو سو منزلہ عمارتیں پلک جھپکتے ہی زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ تو اس لحاظ سے بھلا جیل کی ان دیواروں کی کیا حیثیت ہے؟ میری ان باتوں سے کمشنر صاحب گھبرا گئے۔ کہنے لگے ان دیواروں کو توڑنے کی بات نہ کریں۔ میں نے کہا آپ میری بات کو غلط سمجھ رہے ہیں۔ میرا مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ آپ ہمیں اور اور ہمارے ساتھیوں کو قانون کا پابند بنا کر وقت گذارنے کا موقع دیں۔ ڈنڈے کے زور یا پابندیوں کے رعب سے مت ڈرائیں۔

اس کے بعد میں نے ایس ایس پی پولیس راؤ اقبال سے مخاطب ہو کر کہا۔ راؤ صاحب! آپ نے یہ کیا ظلم کیا ہے کہ ایرانی کیڈٹوں کے قتل کیس میں تین بے گناہ نوجوانوں کو تشدد و بربریت کا نشانہ بنا کر ملوث کر دیا ہے کیا آپ نے قبر میں نہیں جانا ہے؟ میں نے کہا میرے پاس یہ قرآن مجید ہے کیا آپ اس پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہیں کہ یہ نوجوان اس واقعہ میں ملوث ہیں۔

ایس۔ایس۔پی راؤ اقبال صاحب میری اس اچانک گرفت سے بوکھلا کر رہ گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ میں نے کہا راؤ صاحب! آپ راؤ ہیں تو میں بھی راجپوت ہوں یاد رکھنا اگر آپ کی وجہ سے ہمارا ایک نوجوان بھی ضائع ہوا تو ہم آپ کو قبر کی دیواروں تک معاف نہیں کریں گے۔

ایس۔ ایس۔ پی کا واویلا اور کمشنر کے آرڈروں پر ہمارے ساتھیوں کی مختلف وارڈوں میں تقسیم:۔

سیکورٹی وارڈ کے دورہ سے واپسی پر ڈیوڑھی میں پہنچ کر ایس ایس پی راؤ اقبال نے اپنی بے عزتی کا بدلہ جیل حکام پر غصہ اتار کر لینا شروع کر دیا۔ اس نے کہا کہ مولانا اعظم طارق کو سیکورٹی وارڈ میں کھلا کیوں رکھا ہوا ہے؟ اور ان کے ساتھ ان کے اور ساتھی کیوں بند ہیں؟ ایرانی کیڈٹوں کے قتل میں ملوث ملزمان ان کے ساتھ کیوں ہیں؟ جیل حکام نے جواب دیا کہ مولانا سیکورٹی وارڈ میں بند رہتے ہیں۔ اس وارڈ سے باہر نہیں نکلتے ہیں۔ جبکہ عام قیدی تو پوری جیل میں گھوم سکتا ہے۔ آپ کے ذہن میں تھانہ کی حوالات کا تصور ہے جہاں لوگ چوبیس گھنٹے بھیڑ بکریوں کی طرح بند ہوتے ہیں۔ لیکن جیل کا نظام ایسا نہیں ہوتا ہے مگر ایس ایس پی صاحب زخمی سانپ کی طرح مسلسل تلملا رہے تھے۔ تو کمشنر راولپنڈی

قمرالزمان صاحب نے تحریری آرڈر جاری کر دیا کہ مولانا کو سیکورٹی وارڈ میں اکیلا رکھا جائے۔ باقی سب اسیروں کو دوسری جگہ الگ الگ سیلوں میں بند کیا جائے۔ اب جیل حکام ہمارے پاس آنے لگے کہ یہ حکم جاری ہو گیا ہے۔ آپ مہربانی کریں۔ میں نے کہا ایسا بالکل ممکن نہیں ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ ہے میں تراویح میں قرآن مجید سنا رہا ہوں اور ساتھی سن رہے ہیں۔ یہاں سحری و افطاری ہم سب اکٹھے کرتے ہیں۔ اس لئے آپ ہمارے رمضان المبارک کے تمام معمولات کیوں خراب کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہماری بڑی مجبوری ہے۔ دو روز اسی کشمکش میں گذر گئے۔ آخر کمشنر کی طرف سے اور سخت آرڈر آ گئے تو جیل حکام سے یہ طے پایا کہ ہمارے صرف پانچ ساتھی محمد آصف، مقصود رزاق، محمود رزاق، محمد ناصر محمد یعقوب شام کے وقت دوسرے وارڈ سیل نمبر۲ میں بند ہونے چلے جایا کریں گے اور صبح کو پھر اس وارڈ میں آ جایا کریں گے جبکہ باقی مجھ سمیت چھ ساتھی قاری محمد صدیق، محمد رمضان طاہر، محمد فاروق، عبدالغفور بسرا، مجیب الرحمٰن عباسی ادھر ہی رہیں گے۔

چنانچہ پھر اسی روٹین پر پورا رمضان المبارک گذرا۔ ساتھی علی الصبح سیکورٹی وارڈ میں پہنچ جاتے اور بعد عصر چلے جاتے۔ تاہم تمام ساتھیوں کو اس بات کا شدید دکھ تھا کہ وہ سحری و افطاری اکٹھے کرنے اور مغرب عشاء فجر باجماعت پڑھنے خصوصاً" پانچ ساتھی تراویح میں قرآن مجید سننے سے محروم ہو گئے ہیں۔

رمضان المبارک کے معمولات اور قرآن مجید کی غیر معمولی تلاوت کی سعادت:-

رمضان المبارک کی آمد پر تمام ساتھیوں کو جمع کر کے اس ماہ مقدس کی برکات اور

فضائل سے آگاہ کیا۔ انہیں ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ اس محترم مہینہ کی برکات و ثمرات سے خوب حظ وافر حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ تمام ساتھیوں نے خوب جوش و جذبہ کے ساتھ رمضان المبارک کا استقبال کیا اور خوشی خوشی پہلی شب رمضان تراویح میں سوا پارہ سن کر ماہ مقدس کی سعادتوں سے ہمکنار ہونے کا آغاز کیا۔ چونکہ قاری محمد صدیق صاحب اور حافظ محمد آصف بھی قرآن مجید کی دولت سینہ میں محفوظ رکھتے تھے۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ وہ تراویح میں سنائیں لیکن انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ آپ کے آگے کھڑے ہو کر ہم سے نہیں سنایا جائے گا۔ تاہم آپ کی سماعت کی ذمہ داری ہم قبول کرتے ہیں۔

چونکہ مجھے جوہنگ میں روزانہ ایک قرآن کریم اور پندرہ پارے سولہ روز تک اور ایک قرآن مجید تین ماہ تک پڑھنے کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ میں نے تہیہ کرلیا کہ رمضان المبارک کے مقدس لمحات میں زیادہ سے زیادہ وقت تلاوت میں صرف کروں گا۔ چنانچہ ایسا معمول بنالیا کہ سحری کے بعد سے اشراق تک پندرہ پارے تلاوت کرلیتا اور دوپہر کو گیارہ بجے سو کر اٹھنے کے بعد ظہر تک بارہ پارے تلاوت کرلیتا اور ظہر سے عصر تک بارہ پارے تلاوت کر کے عصر کے بعد جسمانی ورزش بھی کرلیتا۔ مغرب کے بعد سوا پارہ قاری محمد صدیق صاحب کو سنا کر پھر تراویح میں سناتا۔ اس معمول کے ساتھ ساتھ اپنے وظائف مکمل کیئے جاتے اور خطوط کے جوابات بھی دیئے جاتے رہے۔ الحمد اللہ ثم الحمد اللہ کہ ماہ مبارک کے اختتام پر میرے قریباً اکتالیس قرآن مجید مکمل ہو گئے تھے۔ مجھے دیکھ کر ساتھی بھی شوق و ذوق سے تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔ اور خوب دل لگا کر اپنے اوقات کو قیمتی بناتے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں سب احباب کی عبادت واطاعت کو قبول فرمائے۔ (آمین!)

قائد سپاہ صحابہؓ کی گرفتاری اور عدالت سے تین سال سزا:۔

۱۱جنوری ۱۹۹۸ء کو مومن پورہ لاہور میں شیعہ کے ایک تعزیتی پروگرام پر فائرنگ کے نتیجے میں دو درجن کے قریب لوگ ہلاک ہو گئے۔ حکومت نے اس واقعہ کی آڑ میں ایک مرتبہ پھر سپاہ صحابہؓ کے خلاف صوبہ بھر میں اپریشن شروع کر دیا اور سینکڑوں کارکنوں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ شیعہ نے اس سانحہ کی F.I.R میں قائد سپاہ صحابہؓ حضرت مولانا علی شیر حیدری کا نام درج کرا دیا۔ جس پر قائد سپاہ صحابہؓ کو فیصل آباد سے گرفتار کر کے اولاڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں نظر بند کر دیا۔ بعد ازاں بیڑیاں پہنا کر انہیں چوہنگ کے عقوبت خانہ میں منتقل کر دیا گیا۔ قریباً اڑھائی ماہ کا عرصہ وہاں رکھ کر گوجرانوالہ جیل بھیج دیا گیا اور گوجرانوالہ ہی میں یکم نومبر ۱۹۹۷ء کو پسرور میں تقریر کرنے کے ایک مقدمہ کی سماعت کر کے تین سال قید اور دس ہزار روپے جرمانہ کی سزاء سنا کر قانون وانصاف کا مذاق اڑایا گیا۔ میری گرفتاری کے بعد مولانا علی شیر حیدری نے حکومت پنجاب کی طرف سے بلائے گئے کئی اجلاسوں میں شریک ہوتے ہوئے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ سپاہ صحابہؓ ناموس صحابہؓ کے تحفظ اور اسلام کے غلبہ کے لئے جدوجہد پر یقین رکھتی ہے اور شیعت سے اس کا اختلاف اس لٹریچر کے باعث ہے جس میں کھل کر ضروریات دین کا انکار اور اصحاب رسول کی گستاخی کی گئی ہے۔ مولانا اپنا موقف مدلل انداز میں بیان کر کے مدمقابل شیعہ کو لاجواب کرتے رہے اور کئی شیعہ کتب پر پابندی لگوانے میں بھی کامیاب رہے۔

مجھ سے چوہنگ میں بھی جولائی ۹۷ء کے آخری عشرہ میں ملاقات کے لئے آئے تو میں نے انہیں بتایا کہ حکومت باری باری سپاہ صحابہؓ کی مرکزی قیادت کو چوہنگ لا کر تفتیش کر رہی ہے۔ اس سے کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ آپ پر بھی ہاتھ ڈال لے۔ پھر آپ دسمبر کے مہینہ میں اڈیالہ جیل میں بھی مولانا محمد احمد لدھیانوی کے ہمراہ بعد نماز مغرب تشریف

لائے کیونکہ دن کو مری میں شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ کی کمیٹی کے اجلاس میں آپ شریک ہوئے تھے۔ آپ نے بوقت ملاقات اجلاس کی کاروائی سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اجلاس میں شیعت کو کس قدر شرمندگی اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ میں نے اس وقت بھی کہا کہ اگر حکومت شیعہ سنی فسادات کے خاتمہ میں مخلص ہے تو پھر اسے چاہیے کہ وہ ان اجلاسوں کی کاروائیوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایسی قانون سازی کرے کہ جس میں اصحاب رسولؐ و ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گستاخوں کے لئے سخت ترین شرعی سزا مقرر کی گئی ہو۔ حکومت نے یہ کام نہ کرنا تھا نہ کیا بلکہ اس کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح سپاہ صحابہؓ میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو۔ ایک طرف مجھے جیل میں ڈالے رکھے۔ دوسری طرف سپاہ صحابہؓ کی قیادت کو سرکاری اجلاس میں بلوا کر یہ تاثر دیا کہ ہم امن پسند لیڈروں کو عزت دیتے ہیں۔ مگر جلد ہی حکومت اس حقیقت سے آگاہ ہو گئی کہ اس کی یہ پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی ہے۔ تو اب اسے بہانہ کی تلاش تھی۔ لاہور مومن پورہ کا واقعہ حکومت کے لئے جواز بن گیا اور قائد سپاہ صحابہؓ کو گرفتار کر کے تین سال کی سزا سنا کر حکمرانوں نے اپنے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنا دیا۔

سپاہ صحابہؓ کے کفن پوش جلوس میں شیعہ کی فائرنگ سے ایک نوجوان شہید:-

۲۳ جنوری ۹۸ء ۲۴ رمضان المبارک سپاہ صحابہؓ سرحد کے اعلان پر میری گرفتاری کے خلاف صوبہ بھر میں کفن پوش جلوس نکالے گئے۔ سب سے بڑا جلوس پشاور میں یادگار چوک سے جی ٹی روڈ تک نکالا گیا۔ اس طرح مانسہرہ اور ڈیرہ اسمٰعیل خان میں بھی بڑے بڑے کفن پوش جلوس نکالے گئے۔

ھنگو ضلع کوہاٹ میں سپاہ صحابہؓ کے جلوس پر شیعہ کے جلوس کی طرف سے فائرنگ کر دی گئی جس کے نتیجے میں سپاہ صحابہؓ کا ایک نوجوان شہید ہو گیا اور نو زخمی ہو گئے۔ اس شیعہ دہشت گردی نے پورے علاقہ کے علماء اہل سنت و عوام میں غم و غصہ کی لہر پیدا کر دی اور لوگ زبردست احتجاج کے لئے سڑکوں پر نکل آئے اور مقامی با اثر علماء کرام کے تعاون سے سنی کونسل تشکیل دے کر قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کر دیا۔ حکومت کی مسلسل بے حسی اور غفلت کے باعث محرم تک کوئی قاتل گرفتار نہ ہوا۔ جس پر علماء اہل سنت کی کوشش سے پہلی مرتبہ محرم میں شیعہ اپنا ماتمی جلوس اہل سنت کی ملکیتی جگہ سے نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب شیعہ نے دھونس دھاندلی سے یہ جلوس نکالنے کی کوشش کی تو پھر انہیں اس سینہ زوری کا منہ توڑ جواب مل گیا۔ اور اہل سنت نے اپنے شہداء کے خون کا بدلہ لے لیا۔

صوبائی وزیر قانون راجہ بشارت کا دورہ اڈیالہ جیل:۔

عید الفطر کے دوسرے روز صوبائی وزیر قانون راجہ بشارت نے اڈیالہ جیل کا دورہ کیا اور قیدیوں کے مسائل معلوم کیے جیل کے انتظامات کا جائزہ لیا۔ جب ان سے کہا گیا کہ ادھر قریب ہی سیکورٹی وارڈ میں مولانا اعظم طارق صاحب موجود ہیں ان سے بھی ملاقات کر لی جائے اور سیکورٹی کا بھی جائزہ لے لیا جائے تو انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا مجھے مولانا کے سامنے مت لے جاؤ۔ میں ان کا سامنا نہیں کر سکتا ہوں۔ وزیر موصوف سے چونکہ اسمبلی میں کافی گپ شپ رہتی تھی اس لئے وہ اخلاقی طور پر اتنی ہمت نہ کر سکے کہ اس طرف کا رخ کرتے۔ سنا ہے کہ رہی سہی کسر ایس ایس پی راولپنڈی نے یہ کہہ کر نکال دی تھی کہ مولانا بڑے غصہ میں ہوتے ہیں۔ خطرہ ہے کہ وہ کسی پر ہاتھ نہ اٹھالیں اور ہمارے حکمرانوں جیسا کانوں کا کچا بھی کوئی نہیں ہوتا ہے۔ انہیں بیورو کریسی جو

کہہ دے وہ اس کو درست تسلیم کر لیتے ہیں۔

حکیم برادران اور میرے سیکرٹری کی گرفتاری اور پولیس تشدد کی انتہا:۔

۲ فروری ۱۹۹۸ء کو راولپنڈی پولیس کی ایک بھاری نفری نے رحمانیہ دواخانہ فیض آباد پر رات کی تاریکی میں چھاپہ مار کر دواخانہ کے مالک حکیم امان اللہ ان کے عزیز پروفیسر صاحب اور ملازمین سمیت میرے سیکرٹری راشد محمود کو گرفتار کر لیا اور پریس کانفرنس میں ایس ایس پی راولپنڈی راؤ اقبال نے بتایا کہ نہایت ہی خطرناک ملزمان گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ان کے قبضہ سے گرنیڈ اور بڑی مقدار میں ناجائز اسلحہ برآمد کر لیا گیا ہے۔ ملزمان فیض آباد پل اڑانے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور وہ ۵ فروری یوم آزادی کشمیر کے موقع پر بڑی تخریب کاری کا بھی ارادہ رکھتے تھے۔ ۳ فروری کو اخبارت میں یہ خبر پڑھ کر بڑی پریشانی ہوئی کیونکہ مجھے ذاتی طور پر اس بات کا یقین تھا کہ نہ تو رحمانیہ دواخانے والے حکیم برادران اس قسم کے لوگ ہیں اور نہ ہی راشد سے ایسی کسی بات کی توقع کی جا سکتی ہے لیکن پولیس نے اپنے روایتی انداز میں بات کا بتنگڑ بنا کر پورے اسلام آباد اور راولپنڈی کے عوام کو حیرت زدہ کر دیا تھا کہ واقعی اگر پولیس بروقت ان ملزمان کو گرفتار نہ کرتی تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔

پروفیسر صاحب کے کالج کے احباب نے S.S.P راولپنڈی سے ملاقات کر کے جب حقیقت حال جاننا چاہی تو پولیس افسران کے پاس کوئی الزام ثابت کرنے کے لئے نہیں تھا۔ چنانچہ پروفیسر صاحب کو تو رہا کر دیا گیا۔ لیکن باقی گرفتار شدگان کو تھانہ میں بند رکھا گیا۔ جب پولیس کے شیر جوانوں اور بالا افسران کو راشد کے بریف کیس سے میرے مقدمات کے کاغذات اور وکالت نامے ملے تو انہیں ایسے لگا جیسے کوئی بہت بڑی دہشت گردی کا ثبوت مل گیا ہو۔ پنجاب کے بالا افسران اور حکمرانوں تک اطلاع کر دی گئی کہ مولانا اعظم طارق کا

سیکرٹری گرفتار ہو گیا ہے۔ بس پھر کیا تھا ساری ساری رات الٹا لٹکانا۔ ٹانگوں میں ڈنڈا ڈال کر دو کرسیوں کے درمیان لٹکا کر پاؤں کے تلووں پر ڈنڈے مارنا اور سخت پیاس کی حالت میں سرخ مرچوں ملا پانی پلانا اور طرح طرح کی اذیت دینا بے غیرت و بے ضمیر اہلکاروں کا وطیرہ بن گیا۔ ایک ہی سوال بار بار کیا جاتا کہ بتاؤ مولانا اعظم طارق کس طریقہ سے ملک میں دہشت گردی کرتے ہیں؟ ان سورماؤں سے کوئی پوچھے جب بذات خود اعظم طارق تمہارے پاس ہے اور تم ساڑھے تین ماہ چوہنگ میں اسے تشدد کا نشانہ بنا کر بھی کوئی بات اپنے مطلب کی حاصل نہیں کر پائے تو ان کے سیکرٹری یا دیگر متعلقین سے کیا حاصل کر لوگے؟ جب ظلم حد سے بڑھا تو راشد کو پیشاب میں خون آنا اور بے ہوشی کے دورے پڑنا شروع ہو گئے۔ تب ان پاکستانی چنگیزوں نے اسے رہا کرنے کی بجائے پندرہ روز کے لئے نظر بندی کے آرڈر جاری کر کے اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ پندرہ روز کے بعد باقی تمام گرفتار شدگان رہا ہو گئے لیکن راشد کو چوہنگ سینٹر لاہور کے عقوبت خانہ میں منتقل کر دیا گیا اور وہاں مسلسل تفتیش کی گئی، پھر جب حکومت پنجاب کو یقین ہو گیا کہ اب اس نوجوان کی جان کو سخت خطرہ ہے اور اس کا بچنا مشکل ہے۔ تب چوہنگ سے بے گناہ قرار دے کر رہا کر دیا۔ کیا انصاف کے یہی تقاضے ہیں اور کیا یہی حکومت کرنے کے انداز ہیں؟ شاید شرم و حیا اور انسانیت جس چیز کا نام ہے حکمرانوں کے قلب و دماغ اس سے خالی ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد علی نقوی کیس میں بے گناہوں کے ساتھ ناروا سلوک کی

جھلک:۔

مندرجہ بالا واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پولیس کے اعلیٰ افسران کی پریس کانفرنس اور بلند و بانگ دعوے کس قدر جھوٹ، دجل، الزام تراشی اور سراسر کذب بیانی پر مبنی ہوتے ہیں۔

بالکل یہی حربہ ایرانی کیڈٹوں کے قتل کیس میں تین نوجوانوں پر آزمایا گیا۔ رحمانیہ دواخانہ سے گرفتار ہونے والے تمام نوجوانوں کی رہائی کے بعد میں نے اخبار میں بیان دیا تھا کہ اگر اس گرفتاری سے قبل راولپنڈی ڈویژن میں کوئی شیعہ بھی حادثاتی موت مرگیا ہوتا تو پولیس ان گرفتار شدگان کو لازمی اس کا قاتل قرار دے کر چالان کردیتی۔

اس کی واضح مثال لاہور میں مارچ ۱۹۹۵ء کو شیعہ لیڈر ڈاکٹر محمد علی نقوی کے قتل کا واقعہ ہے کہ اس قتل کی واردات کے ٹھیک آدھ گھنٹہ بعد لاہور پولیس نے سپاہ صحابہؓ کے مرکزی رابطہ آفس واقع لٹن روڈ پر چھاپہ مار کر حاصل پور سے آئے ہوئے سپاہ صحابہؓ پنجاب کے جنرل سیکرٹری محمود اقبال اور ریتو کی سے آئے ہوئے ڈپٹی سیکرٹری پنجاب ڈاکٹر منظور احمد شاکر کو گرفتار کرلیا ادھر صوبائی سیکرٹری اطلاعات مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی کو گھر سے سوتے ہوئے اٹھا کر گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد اس مقدمہ میں نامزد ملزم بنا کر فٹ کردیا اور ساتھ ساتھ چوہنگ کے عقوبت خانہ کی بھی سیر کرادی۔ اس وقت تقریباً چار سال کا عرصہ ان حضرات کی گرفتاری کو ہو چکا ہے۔ وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔ دہشت گردی کی عدالتوں میں اپنی بے گناہی کا رونا رو رہے ہیں لیکن پولیس حکام نے خانہ پری کر کے اپنے سر سے نہ صرف بلا اتاری دی بلکہ ان بے گناہوں کو اس مقدمہ میں ڈال کر بڑے کارنامہ کے سرانجام دینے کا اعلان کیا۔ بالکل ایسا ہی ایک وقعہ ۱۹۹۶ء میں کرکٹ ورلڈ کپ کے لاہور میں ہونے والے فائنل میچ سے چند روز پہلے کا ہے۔ ایس ایس پی لاہور نے پریس کانفرنس میں تین سو ڈکیتیوں اور بیسیوں قتل کے ملزم صحافیوں کے سامنے پیش کر کے بتایا کہ سپاہ صحابہؓ کے یہ دہشت گرد کرکٹ کے فائنل میں وزیراعظم بے نظیر کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے کہ ہم نے انہیں پولیس مقابلہ کے ذریعہ گرفتار کرلیا ہے۔ لیکن ٹھیک چھ ماہ بعد یہ نوجوان رہا ہو گئے کیونکہ نہ ان سے کچھ برآمد ہوا تھا اور نہ ہی وہ گرفتار کیے گئے تھے بلکہ انہیں مسلم لیگ کے ایم پی اے، میاں

معراج دین ایک کرنل آن ڈیوٹی اور ایک سیشن جج آن ڈیوٹی نے پولیس کو خود پیش کیا تھا کہ اگر ان پر کوئی شک ہے تو پولیس تفتیش کر لے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی پولیس کے شر اور ظلم و تشدد سے ہر انسان کو سلامت رکھے۔ (آمین)

نماز عید الفطر کی امامت کے لئے مولانا ابوالحسن "بنیامین" کی آمد:۔

ملاقاتوں پر پابندی جیل میں جمعہ و جماعت کی نماز باقی قیدیوں کے ساتھ مسجد میں ادا کرنے کی عدم اجازت کے باعث رمضان المبارک کے ایام تو ہم نے اپنے معمولات میں شب و روز مصروف رہ کر گزار لیے تھے اور کسی حد تک یہ پابندیاں ہمارے لئے اچھی بھی رہیں کہ ہمیں خوب تلاوت و ذکر و اذکار کا موقع مل گیا۔ اب عید الفطر کی نماز کی ادائیگی کا مسئلہ تھا۔ تو میں نے جیل حکام سے صاف کہہ دیا کہ ہم جیل کی مسجد میں جا کر عید پڑھیں گے۔ آپ نے رکاوٹ پیدا کی تو آپ کی عید بھی خراب ہو گی اور ہماری بھی۔ جیل حکام نے اپنی مجبوریوں کا رونا رونے کی گردان شروع کر دی تو فیصلہ یہ ہوا کہ جیل کے ملازمین اور افسران سیکورٹی وارڈ میں پہنچ جائیں گے اور آپ وہاں عید کی جماعت کرا لیں۔ میں نے کہا پھر آپ ہمیں باہر سے کسی عالم دین کا بندوبست کر کے دیں جو ہمیں عید پڑھائے چنانچہ جیل انتظامیہ نے ایک عالم دین مولانا ابوالحسن "بنیامین" صاحب کو اجازت دے دی چنانچہ عید الفطر کی صبح ہم سب ساتھی تیار ہو کر اپنے سیلوں سے باہر آئے اور سیکورٹی وارڈ کے صحن میں صفیں منگوا کر بچھوائیں۔ پھر ملازمین اور ہماری ساتھیوں کی تعداد پچاس تک ہو گئی تو میں نے تقریر کی۔ اس کے بعد مولانا ابوالحسن صاحب نے نماز عید پڑھائی اور خطبہ پڑھ کر دعا کرائی۔ اس طرح یہ دن بخیر و خوبی گذر گیا۔ جیل حکام نے چند دیگر وارڈوں کے ساتھیوں کو عید ملنے کے لئے بھی اجازت دے دی۔

عید کے بعد مولانا ابوالحسن "بنیامین" صاحب سے حال واحوال معلوم کیے تو اس

بات سے بڑا تعجب ہوا کہ ان کے بڑے بھائی عرصہ تین سال سے دین کے لئے مصائب و آلام کی وادیوں سے گذر رہے تھے اور قید و بند کی صعوبتیں بلند حوصلے سے برداشت کر رہے ہیں اور ادھر مخالفین نے خود انہیں بھی گھر سے بے گھر کر رکھا ہے۔ وہ آج کل اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ در در کی خاک چھانتے پھرتے ہیں اور اپنے بھائی کی طرح بلند عزائم اور جوان جذبوں سے حوادثات زمانہ اور مخالفین کی سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ مولانا ابوالحسن کی آمد سے عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں اور ان کے حالات سن کر ایمان تازہ ہو گیا۔ اگرچہ ۲۶ دسمبر کو بھی وہ جیل میں قیدیوں کو جمعہ پڑھانے کے لئے آئے تھے مگر اس وقت تفصیلاً" بات چیت کا موقع نہ ملا۔ عید کے چند روز بعد مجھے اٹک جیل بھیج دیا گیا۔ ورنہ میری خواہش تھی کہ مولانا ابوالحسن صاحب سے ملاقاتیں جاری رہتیں اور ان کے حالات سے آگاہ ہو کر میں ان سے اپنے دکھ درد کو بانٹتا رہتا۔ کیونکہ انسان ہمیشہ اپنوں ہی سے ملکر خوش ہوتا ہے اور اس کی روح کو تسکین اس وقت میسر آتی ہے جب اسے خونی یا روحانی رشتہ رکھنے والے لوگوں کو ملنے کا موقع ملے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مولانا ابوالحسن اور ان کے بھائی اور تمام دیگر لوگوں کی مشکلات کو آسانیوں میں بدل دے۔ (آمین!)

حکمرانوں کی مسلسل زیادتیوں پر احتجاج اور چیف جسٹسیز حضرات کو خطوط لکھنے کا فیصلہ:۔

ملاقاتوں پر پابندی کو ایک ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اب حکومت نے اگلا قدم یہ اٹھایا کہ اڈیالہ جیل کے اندر ایرانی کیڈٹوں کے قتل کیس کی سماعت تیزی سے شروع کر دی۔ ہر تاریخ پیشی پر قاری محمد صدیق حافظ محمد آصف اور محمد یعقوب کو بیڑیاں پہنا کر ہتھکڑیاں لگا کر

دہشت گردی کی عدالت کے جج سیف اللہ بٹر کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ وہ انہیں کہتے کہ اپنا وکیل لاؤ۔ یہ آگے سے جواب دیتے کہ ہمیں گھر والوں سے ملاقات کی اجازت دیں تاکہ ہم وکیل کر سکیں۔ لیکن جج صاحب اس بات کا جواب نہ دے سکتے اور یہ کہتے کہ پھر ہم سرکاری وکیل دے دیتے ہیں۔ اگلی تاریخ پر میں نے چار وکلاء کے نام لکھ کر ان ساتھیوں کو دے دیئے کہ جج صاحب کو کہیں ہمیں ان چار وکلاء میں سے کوئی سے دو وکیل گورنمنٹ کی طرف سے دے دیں۔ اور ان میں ایک وکیل اصغر رو کھڑی صاحب ایسے ہیں جو اس وقت بطور سرکاری وکیل سرگودھا کے کمشنر قتل کیس میں ملوث کردہ ملزمان کی طرف سے مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں اور دوسری طرف سانحہ سیشن کورٹ لاہور کے ملزم محرم علی کا کیس بطور سرکاری وکیل لڑ رہے ہیں۔ جج صاحب نے یہ نام پڑھ کر صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم وکیل اپنی مرضی کا دیں گے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ وکیل ملزمان کی طرف سے ہو گا۔ لیکن دلائل حکومت کے حق میں دے کر ان کے لئے پھانسی کا راستہ ہموار کرے گا۔

اس دوران دیگر شہروں سے خطوط آنے لگے اور خبریں ملنے لگیں کہ وہاں پر اسیران کو بیڑیاں لگا کر الگ الگ وارڈوں میں جدا جدا بند کر دیا گیا ہے گو کہ اس جیل میں بھی اسی پالیسی کو اپنایا گیا لیکن میری موجودگی کے باعث تمام تر ہتھکنڈوں کے باوجود کچھ نہ کچھ آسانیاں موجود تھیں۔ میانوالی جیل سے اکرم قریشی صاحب کا خط ملا کہ مجھے اور غازی حق نواز کو رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں فیصل آباد جیل سے نکال کر پشت پر ہاتھ باندھ کر سخت ترین سردی میں میانوالی جیل میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ جہاں ہم بے یارومددگار قید تنہائی کاٹ رہے ہیں۔ ہماری والدہ اور عزیز سارا، سارا دن جیل کے دروازے پر بیٹھ کر واپس سینکڑوں میل کا سفر کر کے جھنگ چلے جاتے ہیں مگر ملاقات کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بعینہ یہی صورت حال پورے صوبہ میں ہے۔

پنجاب حکومت کے رویہ سے مایوس ہو کر میں نے چیف جسٹس سپریم کورٹ اجمل

میاں صاحب اور چیف جسٹس ہائی کورٹ راشد عزیز صاحب کو خطوط لکھے کہ وہ اس ظلم و زیادتی کا نوٹس لیں لیکن اس طرف سے بھی کوئی قدم نہ اٹھایا گیا۔ عید سے قبل بھی میں نے جیل حکام کو دھمکی دی کہ اب ہم احتجاجی قدم اٹھانے پر مجبور ہونے والے ہیں لیکن ان کا کہنا تھا کہ چند دن اور دیکھ لیں شاید آپ کے خطوط کا کوئی نتیجہ نکل آئے۔

ہر چند کہ تمام خطوط متعلقہ حکام نے بار بار پڑھے اور وزیر اعلیٰ پنجاب کو بھی پڑھ کر سنائے مگر ان کے جوش انتقام میں کوئی کمی پیدا نہ ہوئی اور انسانیت کے نام پر رحم کا کوئی جذبہ ان کے دل میں نہ ابھرا۔ ایک اور راستہ ہمارے پاس تھا، ہم نے باہر کے احباب کو پیغام بھجوا کر وہ بھی اپنایا کہ راولپنڈی ہائی کورٹ میں ملاقاتوں پر پابندی کے خلاف رٹ کر دی جائے چنانچہ اس رٹ پر ایکشن لیتے ہوئے ہائی کورٹ نے ۲۸ جنوری کو جیل حکام سے جواب طلب کر لیا۔ مگر ۲۸ تاریخ کے بعد اس طرف سے بھی خاموشی ہو گئی۔ نہ کوئی اگلی تاریخ دی گئی اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی نوٹس لیا گیا۔ جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہاں بھی حکومت اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے۔

مسلسل روزہ کی شکل میں بھوک ہڑتال کا اعلان:۔

عید گذر چکی تھی۔ ملاقاتوں پر پابندی کو چالیس دن ہو چکے تھے۔ حکومت پنجاب سپریم کورٹ ہائی کورٹ وغیرہ کے نام خطوط لکھ کر انصاف حاصل کرنے کی امیدیں دم توڑنے لگی تھیں۔ راولپنڈی ہائی کورٹ میں کی گئی رٹ بھی سازش کا شکار ہو چکی تھی۔ ادھر ظلم دن بدن بڑھتا چلا جا رہا تھا اور ایرانی لیڈروں کے قتل کیس کی سماعت پھر تیزی سے شروع ہو رہی تھی۔ ہم نے اس بات پر غور کرنا شروع کر دیا کہ اب کیا کیا جائے۔ ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ہم پر امن احتجاج کا راستہ اپنائیں۔ کیونکہ اگر ہم جیل میں دنگا فساد برپا کرتے تو اس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ نظر آ رہا تھا۔

ساتھیوں نے مشورہ دیا کہ بھوک ہڑتال کی جائے۔ میں نے کہا یہ احتجاج غیر مسلموں کا شعار ہے اور خود کشی کے مترادف ہے۔ ہمیں ہرگز زیب نہیں دیتا کہ ہم غیر مسلموں کا شعار اپنائیں اور خود کشی کے حرام کام میں ملوث ہوں کافی غور و خوض کے بعد یہ طریقہ تجویز ہوا کہ جیل کی روٹی لینا بند کر دی جائے کیونکہ جیل قوانین کے مطابق بھوک ہڑتال اسی کا نام ہے اور اپنے پاس جو کھجوریں ہیں۔ ان سے سحری و افطاری کر کے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیں تاکہ جب جیل حکام کو علم ہوگا کہ انہوں نے روٹی لینے سے انکار کر دیا ہے تو وہ خود اوپر حکام کو مطلع کریں گے۔

چنانچہ ٦ فروری ٨ شوال جمعہ کی صبح ہم نے سحری کھا کر جیل حکام کو اطلاع کر دی کہ ہم جیل کا کھانا نہیں کھائیں گے۔ شام کو تمام ساتھیوں نے افطاری کی اور پھر اگلی صبح کو سحری کھانے کا مشورہ کر کے سو گئے۔ اگلے روز ٧ فروری کو معلوم ہوا کہ سیل نمبر ٣ میں جو ہمارے پانچ ساتھی ہیں جن کے ساتھ چھٹے بابا تجمل حسین بھی شریک ہو چکے ہیں۔ ان کے اس وارڈ میں آنے پر پابندی لگا دی گئی ہے اور ساتھ ساتھ صبح ہی سے ہمارے کمروں کے سامنے والے برآمدہ کو بھی تالا لگا دیا گیا ہے تاکہ ہم باہر صحن میں نکل کر دھوپ میں بیٹھ کر ستانے اور چہل قدمی کر کے وقت گذارنے کی کوشش نہ کریں اور نہ ہی ہمارا کسی سے باہر رابطہ ہو اور نہ پیغام رسانی کی کوئی صورت نکل سکے۔

اخبارات میں احتجاج کی خبریں۔ حکومت کی پریشانی۔ مذاکرات کا آغاز:۔

حکومت پنجاب کی ہدایت پر جیل انتظامیہ نے بھرپور کوشش کی کہ ہمارے احتجاج کی خبر کا کسی کو کانوں کان علم نہ ہو لیکن اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہفتہ کے دن تمام اخبارات میں احتجاج کی خبریں نمایاں شائع ہو چکی تھیں۔

اب جیل انتظامیہ نے ہم چھ ساتھیوں کو سیکورٹی وارڈ میں اور دوسرے ہمارے چھ

ساتھیوں کو سیل نمبر۳ میں اس طرح الگ الگ سیلوں میں بند کر دیا کہ ہمارا رابطہ باہر کی دنیا سے بالکل منقطع ہو گیا۔ کوئی انسان تو کجا اب ہم آسمان تک دیکھنے کو ترس گئے تھے لیکن اخبارات میں خبریں اتوار کے روز بھی شائع ہو گئیں۔ آپ یہ ضرور سوچ رہے ہوں گے کہ ایسا کیونکر ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں چونکہ پہلے سے اندازہ تھا کہ جیل انتظامیہ ہمارے ساتھ یہ تمام حربے آزمائے گی۔ اس لئے بہت ہی گہری سوچ کے بعد میں نے ایسی ترتیب بنالی تھی کہ کم از کم اخبارات میں ہر روز شام کو تمام دن کی تفصیلات پہنچ جایا کرتیں۔ اگر میں یہ سطور تحریر کرتے وقت جیل میں نہ ہوتا تو اس خاص منصوبہ بندی کی تفصیلات لکھ دیتا مگر چونکہ ممکن ہے پھر کبھی اسی طرح کی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ اس لئے سردست اس راز کو پردہ ہی میں رہنے دیتا ہوں۔

اخبارات کی خبروں کے بعد جہلم، لاہور، ملتان، فیصل آباد کی جیلوں میں بھی اسیران سپاہ صحابہ" کا احتجاج شروع ہو گیا۔ حکومت اس صورت حال سے گھبرا اٹھی۔ چنانچہ اس نے تیسرے روز اتوار کے دن ۸ فروری کو ڈی آئی جی جیل خانہ جات غلام سرور رللوانی صاحب اور سپرنٹنڈنٹ اڈیالہ جیل کو میرے پاس بھیجا کہ آپ کے مطالبات کیا ہیں؟ میں نے انہیں کہا کہ پنجاب بھر کے اسیران کی ملاقاتوں پر پابندی کا خاتمہ اور ہر اسیر کو اس کے علاقہ کی جیل میں منتقل کرنے کے صرف دو مطالبات تسلیم کر لئے جائیں۔ تو احتجاج ختم ہو سکتا ہے۔ یہ مذاکراتی ٹیم واپس چلی گئی اور کچھ دیر بعد آ کر کہا کہ آپ صرف اس جیل کے اسیروں کے لئے اور اپنی ذات کے لئے مطالبات پیش کریں۔ باقی جیل والوں کی بات چھوڑ دیں۔ میں نے کہا چونکہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر جب یہ قدم اٹھایا تھا تو میرے سامنے اس وقت بھی تمام اسیران پنجاب تھے۔ مگر اب جبکہ انہوں نے میری حمایت میں احتجاج شروع کر دیا ہے تو پھر میں کیسے انہیں فراموش کر سکتا ہوں۔ لہٰذا آپ بات پورے صوبہ کی کریں۔

معائنہ کے لئے ڈاکٹروں کی ٹیم کی آمد اور روزانہ وزن چیک کرنا:۔

احتجاج کے دوسرے روز ہی پنجاب حکومت کے احکام پر ڈاکٹروں کی ایک ٹیم بلڈ پریشر چیک کرنے اور روزن معلوم کرنے کے لئے پہنچ گئی۔ میں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ حکومت کو کس قدر ہماری صحت کی فکر لاحق ہے۔ مگر انہوں نے بتایا اس میں خوش فہمی والی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل حکومت صبح و شام یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ کیا آپ واقعتاً" بھوک و پیاس برداشت کر رہے ہیں یا ایسے ہی ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ میں نے کہا انہیں کیسے معلوم ہو گا کہ ہم واقعتاً" احتجاج کر رہے ہیں تو ڈاکٹروں نے بتایا کہ اگر آپ صرف ایک دو کھجوروں سے سحری و افطاری کریں گے تو لازماً آپ کا وزن بھی کم ہو گا۔ بلڈ پریشر بھی لو ہو گا۔ اور نبض بھی دھیمی پڑے گی۔ ان تینوں چیزوں کے مطالعہ سے انہیں معلوم ہو تا رہے گا کہ واقعی آپ کا احتجاج جاری ہے اور صحت گر رہی ہے۔ یہ بات باقی ساتھیوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس بات پر زور دینا شروع کر دیا کہ ہمارا وزن زیادہ سے زیادہ تیزی سے گھٹنے لگ جائے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ ایک ایک دن میں ہمارا ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو کلو وزن کم ہونے لگ گیا۔ ادھر بھوک آخر بھوک ہے۔ ہم سحری و افطاری میں پانی پر زور دیتے اور کھجوریں برائے نام ہی استعمال کرتے۔

احتجاج کے چوتھے روز اخبارات میں جماعت کا احتجاج اور حکمرانوں کی پریشانی:۔

ہمارا احتجاج چوتھے روز میں داخل ہو چکا تھا۔ کچھ ساتھی بے ہوشی کا شکار ہو گئے انہیں ڈاکٹروں نے ڈرپیں لگانے کی کوشش کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر میری اجازت سے ان کا علاج شروع ہو گیا

ادھر اخبارات میں لحہ بہ لحہ کی خبریں شائع ہو رہی تھیں اور باہر جماعت کے احباب اور عوام میں حکومت کے خلاف شدید اشتعال پیدا ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جیل انتظامیہ کو ٹیلیفون پر کارکنوں کی طرف سے سخت ست کہا جانے لگا تھا۔ ڈاکٹروں کی ٹیم ہر تین گھنٹے بعد آ جا رہی تھی۔ سب کو میری فکر لاحق تھی کہ کہیں گردے کی تکلیف یا کوئی اور عارضہ لاحق نہ ہو جائے۔ جیل کے حکام صبح و شام احتجاج ختم کرنے کی درخواست کر رہے تھے۔ لیکن ہمارا احتجاج جاری تھا۔ چنانچہ ۹ فروری کو ایک مرتبہ پھر ڈی آئی جی جیل خانہ جات آ گئے کہ آپ کے مطالبات اس حد تک تسلیم کیے جاتے ہیں کہ آپ سمیت تمام اسیران کے بیوی بچے اور بہن بھائیوں کو ملاقات کی اجازت ہو گی۔ عام کارکنوں اور جماعت کے عہدیداران کو اجازت نہیں ہو گی۔ میں نے کہا میرے بچے تو ویسے بھی مہینہ میں بمشکل ایک دفعہ ملنے آتے ہیں۔ اصل مسئلہ تو کارکنوں کا ہے۔ لہٰذا ان سے ملاقات پر پابندی کسی صورت بھی قبول نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے آئی جی صاحب سے بات کر کے پیغام بھجوایا کہ آپ کا یہ مطالبہ بھی منظور کیا جاتا ہے۔ صبح آپ سے مل کر ہم تحریری معاہدہ کریں گے۔ یہ بات سن کر میں نے دوسرے ساتھیوں کو بھی خوشخبری سنائی کہ اب معاملات طے ہونے کے قریب ہیں وہ حوصلے بلند رکھیں۔

اڈیالہ جیل سے اٹک منتقلی:-

رات کو دیر تک وظائف و معمولات میں مصروف رہ کر سو گیا۔ ابھی رات کے اڑھائی بجے کا وقت تھا کہ کسی شخص کی اس چھوٹے سے سیل میں آمد کی آہٹ پا کر میں بیدار ہوا تو آنکھوں کے سامنے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب موجود تھے۔ میں نے اس وقت ان سے آمد کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا آپ تیاری کریں۔ اس جیل سے آپ کو کسی دوسری جیل بھجوایا جا رہا ہے۔ میں نے کہا کونسی جیل؟ انہوں نے کہا اس کا مجھے علم نہیں

ہے۔ میں نے اپنے سیل سے نکل کر ساتھیوں کے کمرہ کا تالا کھلوایا اور انہیں جگا کر بتایا کہ مجھے اس جیل سے منتقل کرنے کے آرڈر آ گئے ہیں۔ لہٰذا آپ لوگ صبر و حوصلہ سے کام لینا۔ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں یا پیغام نہ بھیجوں اس وقت تک احتجاج جاری رکھنا۔

ساتھی میری اس اچانک منتقلی سے بہت پریشان ہوئے اور بعض نے یہ کہا کہ آپ احتجاج ترک کر دیں تو پھر آپ کم از کم ہمارے پاس تو رہیں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے کافی سوچ سمجھ کر پورے صوبہ کے اسیران کے لئے احتجاج شروع کیا تھا۔ صرف ہماری ذات کی حد تک تو ہمیں تیسرے روز ہی تمام سہولتیں دینے کا وعدہ کیا جا چکا تھا لیکن ہم نے باقی ساتھیوں کی بات سامنے رکھ دی۔ اب محض اتنی سی بات پر اس احتجاج کا ختم کر دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ مجھے یہیں رہنے دیا جائے۔ ساتھیوں کا اصرار تھا کہ انہیں یہ معلوم کر کے بتایا جائے کہ کس جیل میں لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے کہا اس وقت سورج طلوع ہونے میں صرف ڈیڑھ دو گھنٹے رہتے ہیں اور جہاز کی کسی پرواز کا بھی کوئی وقت نہیں ہے۔ اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ جہلم یا اٹک جیل لے جائیں گے۔ یہ بات سن کر جیل کے حکام نے کہا کہ آپ کا گمان بالکل درست ہے۔

جلدی جلدی تمام سامان کتابیں، کپڑے، بستر وغیرہ باندھا گیا اور میں نے پھر ایک کھجور کے ساتھ پانی پی کر روزہ کی نیت کی اور سب ساتھیوں سے گلے مل کر سیکورٹی وارڈ کے گیٹ پر آیا۔ گیٹ کے سامنے ہی پولیس کی گاڑیاں آئی ہوئی تھیں۔ پولیس گاڑی کے پاس ہی سپرنٹنڈنٹ مہر عمر دراز صاحب موجود تھے۔ وہ مجھ سے ملے میں نے ان سے کہا کہ آپ کا پیغام تو ملا تھا کہ مطالبات منظور کر لئے گئے ہیں لیکن یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے۔ سب اوپر سے آرڈر آ رہے ہیں۔ میں نے کہا اب کہاں بھیجا جا رہا ہے تو انہوں نے جواب دیا اٹک۔

پولیس کی پانچ گاڑیوں اور پانچ مسلح موٹر سائیکل سوار پولیس کے اہلکاروں کے

جلوس میں ہم اٹک کی طرف روانہ ہوئے۔ فجر کی نماز پڑھ کر لوگ مساجد سے نکل رہے تھے کہ پولیس کی گاڑیاں شہر میں داخل ہو رہی تھیں اور سیدھی جیل کے گیٹ پر آ کر رکیں۔

اڈیالہ جیل کے بارے میں تاثرات:۔

اڈیالہ جیل ایشیاء کی ان خوبصورت ترین جیلوں میں سے ایک ہے۔ جو جدید طرز تعمیر کا شاہکار ہیں۔ اس جیل میں قیدیوں کی سہولت کے لئے کئی ایسی چیزیں بنائی گئیں کہ جن کا دوسری جیلوں میں تصور بھی نہیں ہے۔ اگرچہ قیدی حضرات کا ڈسپلن کے ساتھ اور اصول وضابطہ کے ساتھ کسی مفید چیز کو استعمال کرنا اسی طرح ناممکن ہے۔ جس طرح سٹوڈنٹس نوجوانوں کا ہاسٹل کی اشیاء کو صحیح انداز میں استعمال کرنا ناممکن ہے۔ تاہم پھر بھی جیل کی طرف سے انہیں ایسی مراعات مہیا کی جاتی ہیں۔ مثلاً سوئی گیس کے چولہے تمام بارکوں میں لگوانا ایک ایسی نعمت ہے کہ اس سے کوئلوں اور انگیٹھیوں کا خرچہ بچ جاتا ہے۔ اسی طرح تمام وارڈوں میں قیدیوں کی رہائش گاہوں کے ساتھ ساتھ گھاس کے بڑے بڑے سبز پلاٹ بھی رکھے گئے ہیں تاکہ چہل قدمی کرنے یا کسی کھیل کھیلنے کی گنجائش ہو۔

علاوہ ازیں اس جیل میں خوبصورت درختوں کے ساتھ ساتھ "رات کی رانی" کے پودوں کی بہتات ہے اور یہ پودے کافی بڑے بڑے ہو چکے ہیں۔ جس کے باعث رات کو بھینی بھینی خوشبو مہکتی رہتی ہے۔

جیل کا ہسپتال بہت خوبصورت ہے۔ اور ڈاکٹر نصیر احمد جیسا شخص پوری جیل کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جیل کے اندر قسم قسم کے باغات ہیں۔ جو جیل کے حسن کو بھی دوبالا کرتے ہیں اور فضا کو بھی خوشگوار بناتے ہیں۔ سخت گرمیوں میں بھی جیل کے کمرے، کوٹھڑیاں اور بارکیں ہوادار رہتی ہیں۔ تاہم یہاں سردی سخت پڑتی ہے۔ جیل میں بجلی کا نظام بہت اچھا ہے اور بہت کم بجلی خراب ہوتی ہے۔

قیدیوں کو ہنر سکھانے، کمپیوٹر کی تعلیم دینے کا انتظام بھی بہت عمدہ ہے۔ اور باقاعدہ فیکٹری کے ساتھ جیل کے اندر سکول کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

جیل کے وسط میں ایک وسیع مسجد ہے جس میں دن کو باجماعت نماز ہوتی ہے اور جمعہ کے دن مسجد کے اندر سینکڑوں لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ جمعہ کے لئے باہر سے خطیب آتا ہے جو قیدیوں کو دین و ایمان کے مسائل سے آگاہ کرتا ہے۔

جیل کی ڈیوڑھی دو منزلہ ہے جس کے باعث دفاتر کا نظام بہت عمدہ ہے۔ جیل کا پھاٹک کافی اونچا ہے جس کے باعث ٹرک آٹا وغیرہ اشیاء لے کر جیل کے اندر پہنچ جاتا ہے۔

جہاں تک اس جیل کے نقصانات کی بات ہے تو اس میں اکثر مسائل تو خود جیل حکام کے پیدا کردہ ہیں۔ تاہم جیل کا شہر سے دور ہونا اس لئے نقصان دہ ہے کہ ملاقات کے لئے آنے والوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شام کے وقت اس طرف ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ اس لئے دیر سے رہا ہونے والوں کو رات باہر جیل کے سامنے نہایت تکلیف میں گذارنا پڑتی ہے۔

جیل کے شہر سے دور ہونے کے باعث اسیروں کو کنٹین والے ٹھیکیدار کے ذریعہ اشیاء راولپنڈی سے منگوانا پڑتی ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر چیز دوگنی تگنی قیمت پر لینا پڑتی ہے۔

شہر کے قریب یا وسط میں واقع جیلوں میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ باہر سے تازہ روٹی یا سالن تک ملازمین جیل یا کنٹین والے سے منگوایا جا سکتا ہے۔ لیکن اڈیالہ جیل میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ شہر کے قریبی جیلوں میں عدالتوں کے جج اور انتظامیہ کے افسران وقتاً فوقتاً دورہ کر کے قیدیوں کے حال و احوال سے آگاہی اور مسائل معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں جبکہ اڈیالہ جیل جیسی جیل تک پہنچنا ایک بڑا مسئلہ ہے۔

اس جیل میں پانی کی قلت کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ قیدی گرمیوں میں سخت مشکلات کا شکار ہوتے ہیں۔ جیل حکام کی طرف سے پیدا کردہ مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ اس جیل

کے اندر مختلف مقامات پر لگائے گئے ناکے ہوتے ہیں۔ جہاں پر اپنے لواحقین سے ملاقات کر کے واپس پلٹنے والوں کو کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے۔ عام طور پر شہرہ ہے کہ اگر ایک شخص اپنے ملاقاتی سے سو روپیہ لے کر ملاقاتی شیڈ سے باہر نکلے تو اپنی بارک تک پہنچتے پہنچتے اس کی جیب میں صرف دس روپے رہ جائیں گے۔ کیونکہ ہر ناکہ پر دس روپے گذرنے کی فیس ادا کرنا پڑتی ہے۔ یہ ناکے ہر ماہ باضابطہ ٹھیکہ پر چڑھتے ہیں اور جیل ملازمین سفارش کرا کر اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ریٹ لگا کر ان ناکوں کا ایک ماہ کے لئے قبضہ حاصل کرتے ہیں۔

رشوت اور ناکوں کا سلسلہ صرف عبدالستار عاجز صاحب ہی کے دور میں ختم ہوا ہے۔ ورنہ یہ سدا بہار چیز ہے۔ جیل میں کیسے کیسے قیدیوں کو لوٹا جاتا ہے۔ یہ ایک مستقل عنوان ہے۔ انشاء اللہ اگلے صفحات میں اس پر ضرور تفصیل سے لکھوں گا۔

اٹک جیل آمد اور انتظامیہ کا رویہ:۔

صبح ساڑھ چھ بجے کے قریب جب اٹک جیل کے گیٹ پر گاڑیاں پہنچیں تو سو سالہ قدیم انگریز کی اس یادگار جیل کا چھوٹا سا گیٹ کسی بوڑھی یورپین میم کی طرح شکار کا منتظر نظر آیا۔ پولیس کے ہمراہ اندر ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں ایک سادہ کپڑوں میں ملبوث ادھیڑ عمر اور بے وقار چہرہ کے شخص کو بڑی ٹیبل پر جھکے ہوئے "مقصود رزاق ولد عبدالرزاق" بڑبڑاتے سنا۔ غالباً وہ اپنے سامنے رکھی فائل کو پڑھ رہا تھا۔ میں نے اچانک مقصود کا نام سنا تو خیال آیا کہ یہاں مقصود رزاق کا کیا تذکرہ ہے؟ خیر میں نے کہا کہ جلدی سے مجھے جائے نماز لادیں تاکہ نماز فجر پڑھ لوں۔ ایک ملازم دو جائے نماز لے کر آیا اور کہنے لگا کہ آپ دونوں نماز پڑھ لیں۔ میں اب بھی نہ سمجھا کہ دوسرا کون شخص مراد ہے۔ نماز ادا کر کے بیٹھا ہی تھا کہ ایک ملازم نے اندر آکر پوچھا کہ سر دوسرے آدمی کو بھی اندر لے آئیں۔ اب میرے ذہن میں آیا کہ "دوسرا شخص واقعتاً" مقصود رزاق ہوگا۔ جو

اڈیالہ جیل میں ہمارا ساتھی تھا اور سیل نمبر ۳ میں ہم سے دور دوسرے وارڈ میں بند تھا۔ میں نے اس سادہ کپڑوں میں ملبوس افسر سے کہا۔ مقصود کو ادھر میرے پاس بلوالو۔ میری یہ بات سن کر مجھے لانے والے پولیس افسران اور جیل کے افسران حیران ہو گئے کہ مجھے کیسے پتہ چلا ہے کہ مقصود کو بھی لایا گیا ہے۔ میں نے کہا آپ حیران نہ ہوں اسے بلوائیں۔ جب میری اس بات پر کسی نے توجہ نہ دی تو میں خود اٹھ کر ڈپٹی کے کمرہ سے باہر نکلا اور ساتھ والے دفتر میں بیٹھے مقصود کو ملنے چلا گیا۔ مقصود کی مجھ پر نظر پڑی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ میں نے کہا فکر نہ کرنا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چونکہ مقصود کو مجھ سے ملے چار روز گذر چکے تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کے حال احوال پوچھے اور میں واپس ڈپٹی کے کمرہ میں آ گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم دونوں کو ایک ہی جگہ رکھا جائے۔ تو اس بے وقار چہرہ والے افسر نے کہا۔ یہ ہماری مرضی ہے۔ آپ بس خاموش رہیں۔ میں سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو ایک تو یہ شخص بذات خود ضرور گڑبڑ کر رہا ہے۔ دوسرے اوپر سے ہدایات بھی سخت ہیں تاہم میں نے اس سے کہا آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم لوگ جیل میں اپنی مرضی سے بھی رہنا جانتے ہیں۔ اس وقت تو چونکہ میں خود احتجاج پر ہوں، لہٰذا حکومت جو چاہے کرے مگر جب یہ سلسلہ ختم ہو گا تو جناب کو بخوبی علم ہو جائے گا کہ جیل میں برا وقت کیسے گذرتا ہے۔ میری اس بات سے جیل کا یہ افسر اور پولیس سخت پریشان ہو گئی۔

مجھے کہا گیا چلیں جی اندر چلیں۔ میں اٹھ کر دفتر سے باہر نکل کر گیٹ کے سامنے کھڑا ہوا تو سنتری نے گیٹ کی چھوٹی کھڑکی کھولی۔ میں نے اسے کہا۔ بڑا گیٹ کھولو میں کھڑکی سے نہیں گزرتا۔ اس نے فوراً دفتر کے سامنے جاکر کہا سر وہ کہتے ہیں کہ بڑا گیٹ کھولو! تو اندر سے سر صاحب خود باہر آ گئے اور کہنے لگے چونکہ ابھی جیل کی گنتی نہیں کھلی ہے اس لئے آپ کو کھڑکی سے ہی گذرنا ہو گا۔ میں نے یہ بات سن کر واپسی قدم اٹھائے اور اس کے دفتر میں کرسی پر آکر بیٹھ گیا اور کہا پہلے آپ لوگ جیل کی گنتی کھول لیں۔ میں پھر چلا جاؤں گا۔

میں آج ابھی آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اعظم طارق وہ عالم دین ہے جو کھڑکیوں سے نہیں گذرتا۔ یہ جواب سن کر جیل کے اس افسر کی عقل ٹھکانے آگئی اور کہنے لگا آپ بڑے غصے والے ہیں۔ جیسے سنا تھا ویسا ہی پایا ہے۔ اچھا بڑا گیٹ کھول دیتے ہیں آپ تشریف لے جائیں۔

قارئین کرام! آپ یہ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے اس وقت تکبر کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں داخل ہوتے ہی اس کا نام تختی سے پڑھ لیا تھا۔ اس کا نام تھا کاظم بلوچ اور وہ ایک مشہور متعصب شیعہ افسر تھا۔ اب آپ سمجھ گئے ہونگے کہ یہاں بات تکبر و غرور کی نہیں بلکہ غیرت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس جیل میں جو لوگ ہماری جماعت سے محبت کرنے والے موجود تھے۔ جب انہیں ہماری جیل میں آمد کا علم ہوا تو جیل کے ملازمین سے ان کا پہلا سوال یہ تھا کہ مولانا کھڑکی سے اندر آئے ہیں یا گیٹ سے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ گیٹ کھلوا کر اندر آئے ہیں۔ تو انہوں نے فاتحانہ انداز میں نعرہ لگاتے ہوئے کہا اب شیعہ ڈپٹی کو اپنی حیثیت کا پتہ چل گیا ہو گا۔

اٹک جیل کی کال کوٹھڑی میں احتجاج کا پانچواں روز۔ جیل حکام کا ناروا سلوک:۔

جیل کی ڈیوڑھی میں سامان بھی پہنچ چکا تھا۔ مجھے کہا گیا کہ آپ چلیں سامان اندر بھجوا دیتے ہیں۔ سخت ترین سردی پڑ رہی تھی۔ میں نے سر پر پگڑی اور جسم پر چترالی اوور کوٹ پہنا ہوا تھا اور گرم چادر بھی لپیٹی ہوئی تھی۔ مجھے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اویس بٹ اور جیل کا دیگر عملہ ساتھ لے کر بارک نمبر۹ میں داخل ہو گیا۔ جہاں سزائے موت کے قیدیوں کے

لئے بنی ہوئی چار کال کوٹھڑیاں موجود تھیں۔ ایک کوٹھڑی میں داخل کر کے تالا لگا دیا گیا۔ میں نے اس چھوٹی سی کوٹھڑی کے چاروں طرف نظر دوڑائی تو نہ کوئی پانی کا انتظام تھا نہ ہی پیشاب وغیرہ کی جگہ تھی۔ اور کوٹھڑی کے اندر چار کمبل موجود تھے جو جانوروں کے بالوں سے بنے ہوئے تھے میں نے یہ کمبل بچھا کر قبلہ رخ ہو کر اپنا وظیفہ مکمل کیا اور تلاوت کی پھر انتظار کرنے لگا کہ میرا بستر اور سامان پہنچ جائے گا لیکن وہ نہ پہنچا۔ ڈیوٹی پر موجود ملازم سے کہا کہ جا کر افسران کو کہو میرا بستر بھجوائیں میں نے سونا ہے۔ وہ جواب لایا کہ ابھی اسی طرح گزارا کریں۔ دن کو صاحب (یعنی سپرنٹنڈنٹ صاحب) آئیں گے تو ان سے مطالبہ کریں۔ مجھے سمجھ آگئی کہ یہ معاملہ بھی لاہور ہی کی طرح حل ہوگا۔ میں نے کوٹ کو تکیہ بنا کر دو کمبل نیچے بچھائے اور دو کمبل اپنی گرم چادر پر ڈال کر لیٹ گیا۔ مگر دو منٹ بعد اٹھ بیٹھا۔ کیونکہ نیچے کا فرش اس قدر ٹھنڈا تھا کہ کمر بستر پر لگ نہیں رہی تھی۔ اب اور کوٹ اٹھا کر نیچے بچھایا اور لیٹا تو اوپر کی چادر سے کمبل کی مٹی چھن چھن کرتی منہ ناک میں داخل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی اور سردی بھی سخت لگ رہی تھی۔ بالآخر کوشش کے باوجود لیٹا نہ جا سکا اور اٹھ کر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد سٹیل کی بالٹی میں سالن ڈال کر اور سٹیل کی ٹرے میں کھانا سجا کر ایک شخص نے آکر کہا۔ کھانا تیار ہے مولانا! میں نے جواب دیا میرا روزہ ہے، واپس لے جائیں۔

یہاں ایک اور بات واضح کرتا چلوں کہ جب میری بھوک ہڑتال کی خبریں اخبارات میں شائع ہونے لگیں، تو کئی سارے ہمارے مہربان ناقدین کو ایک اور موضوع سخن ہاتھ لگا۔ جس سے انہوں نے ہمارے کارکنوں کو ورغلانے کا محبوب مشغلہ شروع کر دیا کہ دیکھو مولانا نے بھوک ہڑتال شروع کر دی ہے، جو کہ غیر شرعی فعل ہے اور اگر اس حالت میں مولانا کی جان چلی گئی تو یہ خودکشی ہوگی۔"۔۔ صاف ظاہر ہے کہ ان مہربانوں نے اصل حقائق سے لاعلمی کے ساتھ ساتھ بدنیتی کی بناء پر یہ پروپیگنڈا شروع کیا تھا۔ چنانچہ میرے

نزدیک وہ میری ذات سے بھی زیادہ قابل رحم تھے۔ ان کی اس حالت اور ادھر میری کیفیت کو میرے ایک شاعر دوست ظفر شجاع آبادی نے یوں رقم کیا۔

ہم تو اس قید قفس میں چلو مر جائیں گے
یہ تماشائی مگر جانے کدھر جائیں گے
مصلحت کوش زمانے کو خدا سمجھے گا
ہم تو اس عشق میں ہاں، جاں سے گذر جائیں گے
ٹوٹ جائے گا اگر سلسلہ نطق و صدا
کیا یہ تسبیح کے دانے نہ بکھر جائیں گے؟
ہم سلاخوں سے لپٹ کر نہیں روتے لوگو
تم سمجھتے ہو کہ بزدل ہیں یہ، ڈر جائیں گے
پھر وہ سمجھیں گے بلندی کو چھوا تھا میں نے
جب مرے خون میں ڈوبے ہوئے پر جائیں گے
موجہ صبر پہ کشتی تو رواں رکھی ہے
حکمرانوں کے جہاں تک بھی بھنور جائیں گے
منقلب ہو گی یہ دنیا، تو تماشہ ہو گا
جتنے دریا ہیں سمندر میں اتر جائیں گے
اپنے رستوں کو ظفر خون مسافت دے کر
اپنے چہرے پہ لئے گرد سفر جائیں گے۔

☆

سپرنٹنڈنٹ جیل کا دورہ اور ڈپٹی کمشنر و ایس پی پولیس کی آمد:-

قریباً دس بجے دن باہر سے ''پریڈ ہوشیار! کی آوازیں آنے لگیں اور ادھر ڈیوٹی پر موجود ملازم بار بار اپنی ٹوپی کو درست کر کے پتلون پر ہاتھ پھیر کر سٹینڈ بائی ہو کر سیلوٹ مارنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ پھر بارک نمبر۹ کے باہر کے دروازہ پر ایک اور آواز پریڈ ہوشیار! کی آئی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب مع جیل حکام میری والی کوٹھڑی کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا وہ میری کوٹھڑی کے قریب آ کر گویا ہوئے۔

مولانا! کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا ٹھیک ہوں۔ انہوں نے اگلا سوال کیا کھانا وغیرہ کھایا ہے۔ میں نے کہا میرا روزہ ہے اور اگر کھانے کا اتنا ہی خیال ہوتا تو پھر اس کوٹھڑی کا مہمان نہ ہوتا۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب نے میری بات سن کر پیچھے کی طرف دیکھا اور باقی عملہ کے افراد سے کہا کہ وہ اس شیڈ سے باہر چلے جائیں اور خود میرے قریب ہو کر سلاخوں کے دروازہ کو پکڑ کر کہنے لگے۔ مولانا! یہ سب کچھ اوپر کا معاملہ ہے۔ ہماری مرضی اور اختیار سے بالا ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ ہمارے آئی جی صاحب بھی اس مسئلہ میں کچھ نہیں کر سکتے ہیں تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ اس لئے آپ ہم پر ناراض نہ ہوں۔

میں نے جواب دیا کہ میں آپ کی اس صاف گوئی پر خوش ہوں۔ مجھے خود اس بات کا علم ہے کہ اس وقت معاملات ڈائریکٹ وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور ہوم سیکرٹری پنجاب ''ڈیل'' کر رہے ہیں۔ اس لئے آپ بے فکر ہو جائیں مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں ہے۔

انہوں نے کہا اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں۔

میں نے کہا سردی سخت ہے اگر میرا بستر اور کمبل آپ بھجوا دیں تو بہت اچھی بات ہے۔ اس کے جواب میں سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور کہا یہ

دوسرے کمبل دو اور بھجوا دیتا ہوں۔ یوں وہ واپس چلے گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ "ان تلوں میں تیل نہیں" یہ بیچارے تو میرا کمبل تک نہیں دے سکتے ہیں۔

ٹھیک سوا بارہ بجے دوپہر ایک مرتبہ پھر ہوشیار خبردار! کی آوازیں آنے لگیں تو معلوم ہوا کہ ڈپٹی کمشنر اور ایس پی اٹک آ رہے ہیں۔ یہ حضرات آئے اور دروازے پر کھڑے ہو کر حال واحوال پوچھا میں نے بھی رسمی سا جواب بیٹھے بیٹھے دیا۔ پھر یہ اس کوٹھڑی کا جائزہ لیتے رہے اور دروازے سے جھانک جھانک کر اندر دیکھتے رہے۔ جیسے انہیں اس بات کا خدشہ ہو کہ میں نے اس کوٹھڑی میں کوئی بم فٹ کر دیا ہے۔ ان کے واپس پلٹتے ہی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے سوال کیا کہ کمبل پہنچ گئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں پہنچ گئے ہیں۔ جس سے کلو کلو مٹی جھڑ رہی اور بال گر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا چند دن کی بات ہے۔ ہماری مجبوری ہے۔ میں نے کہا میں ساتھ کھجوریں لایا تھا کہ سحری وافطاری ہوتی رہے۔ جناب اگر وہ کھجوریں بھجوا سکتے ہیں تو بھجوا دیں ورنہ میں آپ کی مجبوری کے باعث اس کے بغیر بھی گذارا کر لوں گا۔

چنانچہ کچھ ہی دیر بعد کھجوریں پہنچ گئیں۔ میں نے جب غور سے دیکھا تو تمام کھجوریں چھانٹ کر چھوٹی چھوٹی الگ کر کے باقاعدہ گن کر پوری دس بھیجی گئیں تھیں۔

میڈیکل ٹیم کی آمد:۔

دوپہر تین بجے ڈاکٹروں کی ٹیم معائنہ کے لئے پہنچ گئی۔ ڈاکٹر حضرات نے بلڈ پریشر، نبض اور وزن چیک کیا اور بلڈ پریشر کافی لو ہونے پر گھبراہٹ کا اظہار کیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں خود اس طرح کے احتجاج کو پسند نہیں کرتا ہوں مگر اب مجبوری کے باعث مجھے مسلسل روزے رکھنے پڑ رہے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات نے روزوں کی بات سن کر حیرانی سے کہا یہ بات ہم نے پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔ ورنہ ہم جب ہسپتال سے چلے تھے تو ہم نے باہم مشورہ

کیا کہ ہم مولانا سے پوچھیں گے انہوں نے بھوک ہڑتال کر کے غیر مسلموں کا شعار کیوں اپنایا ہے؟ مگر آپ نے روزوں کا بتا کر ہمارے سارے سوالات ہی ختم کر دیئے ہیں۔

ڈاکٹر حضرات نے مشورہ دیا کہ آپ تھوڑا تھوڑا کچھ نہ کچھ کھاتے پیتے رہیں اور احتجاج بھی جاری رکھیں۔ میں نے کہا سحری و افطاری میں جس طرح ایک دو کھجوروں سے کام چلا رہا ہوں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ہوں اور میرے ساتھی مقصود کو ساتھ والے بارڈ "منڈہ خانہ" میں الگ بند کر رکھا تھا اور وہ اپنی روایت پر قائم تھا۔ یہ سارا دن مکمل ہوا رات بھی گذر گئی۔

احتجاج کا چھٹا روز، طبعیت کی حد درجہ کمزوری:-

۱۱ فروری بدھ کا سورج طلوع ہو رہا تھا اور میں تین کھجوروں سے سحری کر کے وظائف و معمولات اور فجر کی نماز سے فارغ ہو کر تلاوت میں مصروف تھا۔ باہر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا جسم میں سوئیوں کی طرح چبھ رہی تھی۔ سردی کے بچاؤ کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ جب اشراق کے نوافل پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا تو سر چکرانے لگا قریب تھا کہ میں گر جاتا۔ میں زمین پر بیٹھ گیا اور بیٹھ دیر بعد بیٹھ کر ہی نوافل ادا کیے۔ دراصل مجھے بھوک کا کوئی مسئلہ یا پریشانی نہیں تھی بلکہ میرا اصل مسئلہ سردی کا تھا۔ میں طبعاً سردی سے اس حد تک الرجک ہوں کہ گرمیوں کے موسم میں بھی میرے لئے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا مشکل ہوتا ہے اور گرمیوں کے کئی مہینوں میں گرم پانی سے غسل کرتا ہوں۔

دن دس بجے ڈاکٹروں کی ٹیم معائنہ کے لئے پہنچ گئی اور اس نے طبعیت کی کمزوری کو چیک کر کے تشویش کا اظہار کیا میں نے کہا اس کمزوری کا علاج صرف یہ ہے کہ سردی کی روک تھام ہو جائے۔ چنانچہ خوش قسمتی سے اس روز سوا بارہ بجے اے سی اٹک آفریدی صاحب اور اے ایس پی پولیس پہنچ گئے۔ آفریدی صاحب سے میری پرانی شناسائی تھی۔

انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر کافی دکھ کا اظہار کیا۔ میں نے کہا فکر والی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر حکمران ہمیں جائز اور قانونی سہولتیں دینے پر تیار نہیں ہیں تو پھر جہاں تک ممکن ہوا ہم احتجاج تو کریں گے۔ انہوں نے کہا میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میں نے جواب دیا کہ اگر میری بستر پر بچھانے والی ایک چادر اور میرا کمبل مجھے مل جائے تو کم از کم سردی سے کافی حد تک مجھے راحت مل جائے گی۔ انہوں نے فوراً سپرنٹنڈنٹ کو کہا یہ دونوں چیزیں مولانا کو مہیا کی جائیں اور ساتھ ساتھ کہا بے شک اوپر کے احکامات سخت ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کڑکتی ہوئی سردی کے موسم میں آپ لوگ مولانا کے ساتھ وہ سلوک روا رکھیں جو لوگ جانوروں سے بھی نہیں رکھتے ہیں۔ آفریدی صاحب کے کہنے پر مجھے چادر اور کمبل کیا ملی۔ ایسے لگا جیسے دنیا کی آدھی بادشاہی مل گئی ہے۔ میں نے ظہر سے لے کر عصر تک خوب نیند کے مزے لیے۔ اس دوران ہسپتال کے ڈسپنسر الطاف قادری صاحب ویٹ مشین لا کر ویٹ معلوم کرنے آئے تو میں نے کہ دیا اب عصر کے بعد آنا۔ دو اڑھائی گھنٹے کے آرام سے میری طبیعت ایک مرتبہ پھر بحال ہو گئی۔ ڈاکٹر حضرات حسب معمول آئے اور چیک اپ کر کے چلے گئے۔ یوں سارا دن بھی گذر گیا اور اگلی رات بھی نماز عشاء سے فارغ ہو کر وظائف پڑھ کر گذار دی۔

احتجاج کا ساتواں دن اور بیماری کا حملہ:۔

۱۲ فروری جمعرات کی صبح پھر اللہ کا نام لے کر تین کھجوروں سے روزہ کی نیت کر لی۔ طبیعت اب کافی کمزور ہو چکی تھی۔ ابھی آٹھ بجے ہی کا وقت تھا کہ ڈسپنسر قادری صاحب پہنچ گئے۔ بلڈ پریشر چیک کیا جو بہت نیچے جا چکا تھا اور نبض بھی خطرناک حد تک دھیمی دھیمی چل رہی تھی۔ ڈاکٹر حضرات نے انجکشن لگوانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا میرا روزہ ہے۔ اور ویسے بھی جو ہونا ہے اسے سامنے آنا چاہیے۔

یہ انتقام تماشائے قید و بند ہے کیا
ہمارے حق میں صدا بھی کہیں بلند ہے کیا
اے غمگسار زمانہ، ہوا کے رکھوالے
مجھے پسند ہے مرنا، تجھے پسند ہے کیا؟

سہ پہر تین چار بجے پھر ڈسپنسر نے وزن چیک کیا تو وزن اسی کلو سے بھی نیچے جا چکا تھا۔ گویا کہ سات دن میں آٹھ کلو وزن کم ہو چکا تھا۔ جونہی وہ وزن چیک کر کے گئے میں نے عصر کی نماز پڑھی تو سلام پھیرنے کے بعد طبیعت خراب ہونے لگی۔ سینہ پر درد اٹھنے لگا اور سانس پھولنے لگی۔ دل کی دھڑکن تیز ہو چکی تھی۔ میں نے ڈیوٹی پر موجو ملازم سے کہا کہ ڈاکٹر کو بلوائیں۔ وہ میری حالت دیکھ کر گھبرا گیا اور بھاگا بھاگا ڈسپنسر کی طرف گیا مگر وہ جیل ہسپتال سے باہر گھر جا چکا تھا۔ اس کے گھر آدمی بھیجا گیا۔ ادھر آدھ گھنٹہ تک میری طبیعت حد درجہ بگڑتی چلی گئی پھر آہستہ آہستہ کچھ سکون ملنے لگا۔ ادھر ڈسپنسر صاحب پہنچ گئے۔ انہوں نے بلڈ پریشر چیک کیا تو حیران رہ گئے کہ اچانک بلڈ پریشر ہائی کیسے ہو گیا۔ اسی طرح سینے کا درد اور نبض کا تیز چلنا کافی خطرناک تھا۔ انہوں نے فوراً جیل حکام کو تحریری طور پر مطلع کیا کہ مولانا کی حالت بہت نازک ہے۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میری ذمہ داری نہ ہو گی ڈاکٹروں کا پینل بلوالیں۔ لیکن اس وقت ڈاکٹر حضرات بھی دستیاب نہ تھے۔ ٹھیک ایک گھنٹہ بعد جبکہ افطاری کرنے کے باعث میری طبیعت کافی بہتر ہو چکی تھی ڈاکٹر حضرات پہنچے۔ انہوں نے چیک اپ کیا اور بیماری کی کیفیت کو دیکھا تو کافی پریشانی کا اظہار کیا۔ انہوں نے فی الفور ای۔ سی۔ جی کرانے اور باقی ٹیسٹ کرانے کی تجویز دی اور ساتھ ساتھ جیل حکام کو لکھ دیا کہ اگر دوبارہ یہی بیماری لوٹ آئی تو مولانا کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو گا۔ ادھر عشاء کے وقت ای۔ سی۔ جی مشین لے کر ڈاکٹر حضرات پہنچ گئے۔ اب میں نے ہر طرح کے چیک اپ کرانے سے انکار کر دیا۔ میں نے کہا حکومت پنجاب جانے اور میں جانوں۔ اس

ظالم حکومت کے تشدد کے باعث مجھے زندگی میں پہلی بار اڈیالہ جیل میں گردہ کی تکلیف ہوئی اور اب ان بے حس حکمرانوں کی ناجائز ضد کے باعث عارضہ قلب میں مبتلا ہونا پڑ رہا ہے۔ اس لئے اب نہ میں علاج کراتا ہوں اور نہ ہی تشخیص کراتا ہوں۔ جب یہ رپورٹ آئی جی جیل خانہ جات پنجاب کو پہنچی تو انہوں نے ڈائریکٹ وزیر اعلیٰ سے رابطہ کیا اور کہا کہ مولانا اعظم طارق کے بارے میں ملنے والی رپورٹیں سخت تشویشناک ہیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا یا خبریں باہر اخبارات تک پہنچ گئیں تو کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس پر وزیر اعلیٰ نے اپنے دیگر ذرائع سے تصدیق کرنے کے بعد جواب دینے کا کہا۔ پھر جب تمام اطراف سے اطلاعات موصول ہوئیں تو وزیر اعلیٰ نے آئی جی سے کہا کہ آپ احتجاج ختم کرائیں اور ان کے مطالبات تسلیم کرنے کی حامی بھر لیں۔ رات ساڑھے نو بجے میرے پاس سپرنٹنڈنٹ اٹک جیل ملک شوکت حیات پہنچ گئے اور کوٹھڑی کا دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔ انہوں نے مجھے مبارک باد دی کہ آپ کے مطالبات حکومت نے تسلیم کر لیے ہیں۔ لہٰذا آپ احتجاج ختم کر دیں۔ میں نے کہا اس بات کی ضمانت کون دیتا ہے کہ حکومت اپنے وعدے پورے کرے گی۔ انہوں نے کہا آئی جی صاحب اس بات کی ذمہ داری لے رہے ہیں اور میں بھی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے کہا مجھے آپ پر اور آئی جی صاحب پر اعتماد ہے لیکن میں سرکاری ملازمین کی مجبوریاں سمجھتا ہوں۔ آپ یا آئی جی صاحب اس عہدہ پر آج یہاں ہیں کل کسی اور جگہ تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کوئی اور معقول ضمانت سامنے لائیں۔ وہ اٹھ کر چلے گئے اور رات گیارہ بجے آ کر بتایا کہ آئی جی صاحب کی سپاہ صحابہؓ کے راہنما مولانا ضیاء القاسمی صاحب سے فیصل آباد میں بات ہو گئی ہے وہ صبح پہنچ رہے ہیں۔ میں نے کہا تب پھر صبح ہی احتجاج ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا اور کھانا قاسمی صاحب کے ہمراہ کھاؤں گا۔ تاہم علی الصبح میرے پاس مقصود کو بھیج دیا جائے۔ سپرنٹنڈنٹ نے اصرار کیا کہ آپ صبح جب

مقصود آجائے تو کم از کم دودھ کے ساتھ دوائی ضرور کھالیں تاکہ آپ کی صحت ٹھیک ہو جائے۔ میں نے ان سے وعدہ کرلیا۔

صبح جب مقصود میرے پاس پہنچا تو اس کی بھی نہایت بری حالت تھی۔ ہم نے دودھ پیا دوائی کھائی اور قاسمی صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن حضرت قاسمی صاحب فیصل آباد سے جمعہ پڑھا کر چلنے کے باعث نہ پہنچ سکے۔ اب بات اگلے دن پر جا پہنچی۔

مولانا ضیاء القاسمی اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کی جیل آمد:۔

حکومت نے ہمارے سات روزہ احتجاج کے بعد گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ مولانا ضیاء القاسمی صاحب، مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب اور میرے بچوں کو ملاقات کی اجازت دے دی۔ ہفتہ ۱۴ فروری دوپہر گیارہ بجے جیل میں مولانا قاسمی صاحب اور میرے بچے پہنچ گئے۔ میں ڈیوڑھی میں ملاقات کے لئے پہنچا تو مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ سے ملاقات ہوئی۔ مولانا نے حکومت کی طرف سے مطالبات تسلیم کرنے اور اس سلسلہ میں اپنی کوشش کا ذکر بھی فرمایا۔

میں نے ان کی مخلصانہ کوششوں کو سراہتے ہوئے کہا اس وقت حکومت نے میرے تمام مطالبات ماننے کی بات کی ہے مگر مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں حکومت دھوکے اور فریب کا راستہ اختیار نہ کرے۔ مولانا قاسمی صاحب نے فرمایا۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ اب اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا میری ذمہ داری ہے۔ لہٰذا آپ اپنے مطالبات لکھ کر دے دیں۔

اس اثناء میں جیل کے گیٹ پر مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب مدظلہ M.P.A بھی پہنچ گئے۔ لیکن جیل حکام نے ان سے معذرت کرلی کہ آئی جی صاحب کی طرف سے ملاقات والے فیکس شدہ خط میں آپ کا اسم گرامی نہیں ہے۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد جبکہ حضرت

قاسمی صاحب اور بچے ملاقات کر کے جا چکے تھے۔ حضرت چنیوٹی صاحب کو اجازت ملاقات مل گئی۔ حضرت چنیوٹی صاحب جیل کی ڈیوڑھی میں تشریف لائے ان سے گرم جوشی سے معانقہ ہوا۔ حضرت نے بتایا کہ باہر چنیوٹ کے ساتھی اور رویت ہلال کمیٹی پاکستان کے چیئرمین مولانا عبداللہ صاحب تشریف فرما ہیں لیکن انہیں ملاقات کی اجازت نہیں ملی ہے۔ میں نے جیل سپرنٹنڈنٹ سے کہا ابھی تو معاہدہ پر لکھے ہوئے الفاظ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔ آپ ابھی سے ملاقاتوں پر پابندی لگا رہے ہیں۔ انہوں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں بہت مجبور ہوں۔

حضرت چنیوٹی صاحب نے بتایا کہ مجھے صوبائی وزیر قانون راجہ بشارت نے یقین دہانی کرا کر بھیجا ہے کہ آپ جو مطالبات پیش کرنا چاہتے ہیں تحریری طور پر ہمیں دے دیں۔ ہم انہیں پورا کر دیں گے۔

حضرت قاسمی صاحب اور حضرت چنیوٹی صاحب کی وساطت سے حکومت کو پیش کردہ مطالبات:-

حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی مدظلہ کی آمد پر مندرجہ ذیل مطالبات تحریر کر کے ان کے سپرد کیئے گئے اور میں نے ایک اتھارٹی لیٹر تحریر کیا کہ مولانا ضیاء القاسمی صاحب جس بات پر حکومت سے مذاکرات کریں گے۔ میں ان کا پابند رہوں گا۔ ان حضرت کو اہم مطالبات لکھ کر دستخط کر دیئے۔ مطالبات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پنجاب کے تمام اسیران سپاہ صحابہؓ کو والدین، بیوی بچوں، بہن بھائیوں اور قریبی عزیز، نیز وکلاء سے ہفتہ میں ایک دن ضرور ملاقات کی اجازت عام ہوگی اور

ڈپٹی کمشنر سے اجازت لینے کی شرط ختم ہو گی۔

۲۔ دوستوں اور کارکنوں کو صرف ایک مرتبہ ڈی سی کو اپنی شناخت کرانا ہو گی بعد ازاں وہ بغیر شناخت کے ملاقات کرنے کے مکمل مجاز ہونگے۔

۳۔ جیلوں میں اسیران سپاہ صحابہؓ کو ایک جگہ رکھا جائے اور عام قیدیوں کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت جمعہ اور عیدین کی اجازت دی جائے۔

۴۔ تمام اسیران کو ان کے س آبائی اضلاع کی جیلوں میں رکھا جائے۔

۵۔ جن اسیران کے مقدمات جیلوں میں سماعت ہو رہے ہیں (ان کی خواہش کے مطابق سرکاری وکیل مہیا کیا جائے)

پریشانی میں مبتلا اہل خانہ سے ملاقات:۔

ایک ہفتہ سے میرے احتجاج کی خبریں سن سن کر بچے حد درجہ پریشان ہو چکے تھے۔ جھنگ میں میرے بارے میں طرح طرح کی افواہیں گشت کر رہی تھی۔ اس بات پر تو سب کا اتفاق تھا کہ مولانا بے ہوش پڑے ہوئے ہیں اور ان پر سخت بیماری کا حملہ ہو چکا ہے۔ جس کے نتیجے میں میرے معصوم بچوں کے دلوں پر اک قیامت بیت رہی تھی۔ وہ سارا سارا دن خواتین کی باتیں سن سن کر روتے رہتے اور ان کی آنکھوں سے پہلے آنسو خشک نہ ہوتے کہ دوسری طرف سے کوئی اور بری خبر آ جاتی۔ خود اہلیہ کا حال بھی یہی تھا۔ اب جب وہ مجھ سے ملاقات کے لئے آئے تو انہیں یقین تھا کہ وہ مجھے اسٹریچر پر لیٹا ہوا بے ہوشی کے عالم میں بے سدھ پڑا دیکھیں گے۔ لیکن جونہی میں ان کے سامنے آیا تو وہ حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے۔ اور پھر وہ باری باری مجھ سے لپٹتے رہے اور مجھے پوچھتے

رہے۔ ابو آپ کا کیا حال ہے؟ ابو ہم تو بہت پریشان تھے۔ چھوٹے بچے اپنے بڑے بہن بھائیوں کی اور امی کی شکایت کرنے لگے کہ ابو یہ سارا دن روتے رہتے تھے اور ہمیں انہوں نے بتایا بھی نہیں کہ آپ ٹھیک ہیں۔ بچوں کی ان معصوم باتوں کو سن کر مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ میرے ساتھ پیش آنے والے حادثہ سے ان کے دلوں پر کیا کیا قیامتیں گذر گئیں ہیں۔

مجھے اہلیہ نے بتایا کہ دراصل آپ پر حکومت نے جیل کے اندر سخت پابندی لگادی تھی۔ اس لئے ہم تک کوئی خبر صحیح نہیں پہنچ رہی تھی۔ جیل کے عملہ اور قیدیوں کی طرف سے جو خبریں باہر پہنچتی۔ وہ بہت ہی تشویشناک ہوتی تھیں۔ صرف بچوں کی بات نہیں جھنگ میں گھر گھر آپ کے لئے دعائیں جاری تھیں اور ملک بھر کے کارکن پریشان تھے۔ عورتیں آ آ کر یہ کہتیں تھیں کہ جلوس نکالنے چاہئیں۔ مگر ہم نے کہا کہ چونکہ مولانا سے اجازت نہیں ہے۔ اس لئے صبر کریں۔

بہرحال بچوں سے اس ملاقات میں جی بھر کے باتیں ہوئیں اور میں نے انہیں تسلی دی کہ میری طبیعت ٹھیک ہے۔ لیکن سب بچوں کا کہنا تھا کہ نہیں ابو جی آپ بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ چھوٹے بچے بار بار پوچھ رہے تھے۔ ابو جی اب آپ کو حکومت رہا کردے گی؟ میں نے کہا بیٹا حکومت کی کیا مجال ہے کہ وہ مجھے جیل میں رکھے۔ میں تو اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے یہاں آیا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہمیں خود جیل سے باہر لائے گا۔ بچوں نے بتایا کہ چھوٹا بھائی تین سالہ انس روزانہ زور زور سے شعر پڑھتا ہے۔

بھویں جتنی کالی رات ہوئے بالاخر سویرا تھیندا اے

جینھوں بھرا کھوہ وچ سٹن اوھنوں مصر دا تاج ڈھیندا اے

اور پھر کہتا ہے ابو پکے ہیں پکے ہیں۔ میں نے یہ بات سن کر اسے اپنی گود میں بٹھایا

اور کہا بیٹے ذرا مجھے بھی یہ شعر سناؤ تو وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ پھر میری گود سے اٹھ کر سامنے جا کھڑا ہوا جب میں نے دو تین مرتبہ اسے شعر سنانے کے لئے کہا تو اس سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس کی معصوم آنکھیں میری چہرے پہ جم گئیں۔ اور پھر اس نے ابو، ابو کہتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔ اس کے ٹپ ٹپ گرتے ہوئے آنسو زمین میں جذب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ معصوم محبت کا یہ دلفگار منظر دیکھ کر میرے دل پر کیا گزر رہی تھی اسے میں ہی جانتا ہوں۔ مگر اس وقت میرا جذباتی کیفیت سے دوچار ہونا اور حوصلہ چھوڑنا بچوں کے ذہنوں پر منفی اثر ڈال سکتا تھا۔ میں نے اپنے آنسوؤں کو پی کر لبوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجالی اور اسے پیار کرنا شروع کر دیا۔

میں اپنے بچوں کے آنسوؤں کی کچھ ایسی قیمت چکا رہا ہوں
ستم کے تاریک راستوں میں پہاڑ بن کر ڈٹا ہوا ہوں
کٹے گی ظلمت کی رات آخر، کہ ہوگا سچائی کا سویرا
میں ہر شہیدِ وفا کے خوں سے چراغ اتنے جلا رہا ہوں

-------  -------

صحافیوں کے نام خط پر صوبائی حکومت کی پریشانی اور ڈی آئی جی جیل خانہ جات کی انکوائری کے لئے آمد:-

حضرت قاسمی صاحب کے جانے کے بعد اب انتظار تھا کہ ملاقاتیں کھل جائیں گی اور جیل کی بارک نمبر۹ میں ہمیں بند رکھنے کی پالیسی ختم ہو جائے گی۔ لیکن یہ سب کچھ تو نہ ہوا۔ اس کے برعکس ۲۴ فروری کو بعد نماز عشاء سپرنٹنڈنٹ جیل ملک شوکت حیات اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کاظم بلوچ میری کوٹھڑی کے سامنے پہنچ گئے۔ کوٹھڑی کا تالا کھول کر مجھے باہر بلوایا اور ایک طرف لے جا کر سپرنٹنڈنٹ صاحب نے پنجابی میں کہا۔ "سرلے گئے او" میرا کباڑہ کر دیا نا! میں نے حیران ہو کر پوچھا کیا آفت ہوئی؟ تو انہوں نے ایک خط نکال کر مجھے دکھایا جو میرے لیٹر پیڈ پر میرے دستخطوں سے صحافی حضرات کے نام تھا۔ میں نے کہا اس میں گھبرانے کی کون سی بات ہے؟ وہ کہنے لگے آپ کیسی بات کرتے ہیں۔ یہاں تو پوری حکومت پنجاب حرکت میں آچکی ہے اور ابھی شاید ڈی سی اور ایس پی صاحبان کا یہاں چھاپہ پڑنے والا ہے۔ اور صبح ہمارے ڈی آئی جی جیل خانہ للوانی صاحب انکوائری کے لئے آرہے ہیں۔ حکومت کا اعتراض یہ ہے کہ یہ خط باہر کیسے گیا اور مولانا کی خبریں باہر اخبارات میں کیسے شائع ہو رہی ہیں۔ میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا آپ جا کر آرام کریں۔ جو بھی انکوائری پر آئے گا۔ میں اسے مطمئن کرلوں گا۔ مگر وہ سخت پریشان تھے کہنے لگے۔ میری ملازمت اس وقت خطرہ میں ہے اور آپ کو بالکل احساس ہی نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا اچھا سنئے میں آپ کے ڈی آئی جی کو اگر یہ کہوں کہ یہ خط میں نے اپنے بچوں کی ملاقات کے موقع پر دیکر دستی باہر بھیجا ہے تو اس میں آپ کا کیا قصور ہے؟ اور میں نے یہ خط آپ سب لوگوں کے سامنے تحریر کیے تھے۔ اس پر ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی

کہنے لگے واہ! ہم ایسے ہی پریشان ہو رہے ہیں اور ادھر حکومت نے بھی اس مسئلہ کو اتنا بڑا سمجھ لیا ہے۔ میں نے کہا آپ لوگ چیونٹی کی ٹانگ میں رسہ ڈالنے والے ہیں۔ برداشت کرنے پہ آجائیں تو جیل میں پریس کانفرنس برداشت کر لیتے ہیں اور گرفت پر آجائیں تو ایک خط کی وجہ سے آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اگلے روز علی الصبح جب D.I.G صاحب کی آمد پر مجھے ڈیوڑھی میں بلوایا گیا تو میں نے وہاں سے انکار کر دیا میں نے کہا وہ یہاں آئیں اور خود دیکھیں کہ میں کس حال میں ہوں۔ مجبوراً D.I.G صاحب میری کوٹھڑی میں آئے تو میں نے انہیں بھی سخت سردی میں زمین پہ بچھے ہوئے ٹاٹ پہ بٹھالیا۔ ادھر کوئلوں کی انگیٹھی جل رہی تھی جس کے دھوئیں سے کوٹھڑی بھری ہوئی تھی۔ D.I.G صاحب کو میں نے قریباً آدھ گھنٹہ بٹھا کر باتیں کیں اور خط کی حقیقت بتائی تو وہ کہنے لگے کہ "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا" ادھر دھوئیں کے باعث ان کی آنکھوں سے پانی نکلنے لگا اور ناک سے بھی بہنے لگا۔ انہوں نے کہا مجھے اب معلوم ہوا کہ آپ نے مجھے یہاں کیوں بلوایا ہے۔ میں نے کہا جب ڈاکٹروں نے مجھے چارپائی اور بجلی کا ہیٹر دینے کی سفارش کی ہے اور کاغذوں میں مجھے ہسپتال میں داخل کر کے علاج شروع کر رکھا ہے تو آپ لوگ آخر کیوں کر مجھے یہ دونوں چیزیں نہیں دیتے ہیں۔ ویسے بھی میں ایک منتخب رکن اسمبلی ہوں عام آدمی دو ہزار روپے خرچ کر کے B کلاس کی سہولتیں حاصل کر لیتا ہے اور چارپائی اور دیگر بہت سی مراعات اسے مل جاتی ہیں۔ حکومت کو شرم آنی چاہیے کہ وہ اس قدر گھٹیا سوچ میں مبتلا ہو کر میرے ساتھ انتقامی کاروائی کر رہی ہے۔ کہ مجھے چارپائی تک نہیں دی جا رہی ہے۔ اس پہ D.I.G صاحب نے سپرنٹنڈنٹ کو طلب کر کے کہا جب ڈاکٹر نے مولانا کو ہسپتال داخل قرار دیا ہوا ہے تو بطور مریض انہیں چارپائی اور ہیٹر دیا جانا چاہیے۔ اس طرح میری اعوانی کے لئے آنے والے D.I.G صاحب خود ہی جلد ہی اپنی تفتیش بھول کر سہولتیں دینے پہ مجبور ہو گئے۔

میرے قتل کے لئے ایران کی طرف سے پانچ کروڑ روپے کا اعلان۔

حکومت پنجاب کا جیلوں کے افسران کے نام خط:۔

جب مری جرات اظہار کے تحفے آئے
قید آئی تو کہیں دار کے تحفے آئے
اک مرے قتل کا امکان بنانے کے لئے
کس قدر درہم و دینار کے تحفے آئے

۲۵ فروری کو آئی جی جیل خانہ جات نے ہوم سیکرٹری کی طرف سے جاری کردہ خط تمام جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ حضرات کو فیکس کیا۔ جس پر واضح طور پر تحریر تھا۔ حکومت ایران نے تحریک جعفریہ پاکستان کو ہدایت کی ہے کہ وہ مولانا اعظم طارق کو جیل میں قتل کرائے اور اس سلسلہ میں پانچ کروڑ روپے انعام کا اعلان کیا ہے۔ کسی طرح سے یہ خط میں نے پڑھ لیا اور یہ خبر جھنگ پہنچ گئی اور وہاں سے اخبارات میں شائع ہو گئی۔ اس خبر کی اشاعت پر اٹک جیل کی انتظامیہ سے پھر باز پرس شروع ہو گئی کہ اس خفیہ خط کا باہر علم کیسے ہوا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب پھر حیران و پریشان ہو کر مجھ سے ملے۔ میں نے کہا سب سے پہلے تو آپ اس بات کی قسم اٹھائیں کہ کیا یہ جو خبر لگی ہے کیا یہ غلط ہے؟ آپ کو اس طرح کا کوئی خط نہیں آیا ہے؟ وہ کہنے لگے آپ اس بات کو چھوڑیں یہ بتائیں کہ اخبارات میں خبر کیسے لگی ہے؟ میں نے کہا آپ کا انداز بتا رہا ہے کہ واقعی خط آپ کو بھی مل گیا ہے۔ اب رہی بات خبر کی تو یہ جھنگ سے لگی ہے۔ اب جھنگ میں اگر ہماری جماعت کو کسی طرف سے بچی خبر مل گئی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ حکومت جانے اور جھنگ والے جانیں۔ میری اس بات پر سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ واقعی اس میں نہ آپ

کا قصور ہے نہ ہمارا قصور ہے۔ انہوں نے کہا دراصل بات یہ ہے کہ لاہور ملتان کراچی کے شہروں میں بھی اخبارات میں آپ سے متعلق خبر لگ جائے تو اگلے ہی لمحے مجھ سے جواب طلبی شروع ہو جاتی ہے۔

اخبارات میں اب خبریں لگا کریں گی۔ حکومت کو تحریری چیلنج:۔

مری خبر تو ہواؤں نے روک رکھی تھی
قفس سے آگئی باہر مری کہانی کیوں؟
یہ جان لو کہ تہہ آب اک سمندر ہے
سمٹ کے جھیل میں رہتا نہیں ہے پانی کیوں؟

آئے دن حکومت کی طرف سے جیل انتظامیہ کی وساطت سے اخباری خبروں پر سخت بازپرس کرنے کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی دراز ہو گیا تو میں نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے کہا کہ میں ایک خط اپنے لیٹر پیڈ پر لکھتا ہوں۔ آپ صوبائی افسران کو بھیج دیں۔ انشاء اللہ خط کے بعد آپ کی روز روز کے اس جھنجھٹ سے جان چھوٹ جائے گی اور آپ کی پریشانی کا مستقل علاج ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا آپ ضرور لکھیں۔ میں نے اپنے لیٹر پیڈ پر "وضاحت نامہ" کے عنوان پر ایک تحریر لکھ دی۔

میں نے لکھا کہ میں ایک مذہبی جماعت کا لیڈر ہوں منتخب رکن اسمبلی اور سیاسی آدمی بھی ہوں۔ میری جماعت پاکستان کے اکثر اور پنجاب کے تمام شہروں میں موجود ہے۔ میری ہدایت پر جماعت کے اہم راہنماؤں، راولپنڈی اور راٹک کے کئی کارکنوں کو میرے دستخط شدہ لیٹر پیڈ بھجوا دیئے گئے ہیں۔ اب یہ لوگ میری طرف سے جماعت کی پالیسی کے مطابق اخبارات کو بیانات جاری کرنے کے مجاز ہیں اور میں ان کے بیانات کی مکمل ذمہ

داری قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا حکومت کو جان لینا چاہیے کہ وہ مجھے اخبارات کی خبروں سے باز نہیں رکھ سکتی ہے۔ روزانہ جیل سے پچاس سے زائد افراد عدالتوں میں پیشی پر جاتے ہیں اور اسی طرح پچاس سے زائد افراد کی ملاقات پر سو سے زائد تو ملاقات کرنے والے جیل کے گیٹ پر آتے ہیں۔ ہمارے باہر کے ذمہ داران کا عدالتوں میں جانے والے قیدیوں اور ملاقات پر آنے والوں کے ذریعہ میرے بارے میں معلومات حاصل کر لینا اور میرا زبانی پیام وصول کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لہٰذا حکومت یا تو میری ملاقاتیں کھول دے ورنہ اخباری بیانات اب ہمیشہ جاری ہوتے رہیں گے۔ حکومت میں طاقت ہے تو روک لے۔

اس خط کے بعد پھر حکومت پنجاب کی طرف سے آئے دن بیانات کا نوٹس لینے کا سلسلہ کافی حد تک کم ہو گیا۔

یکم مارچ کو روزنامہ اوصاف نے میرا رنگین صفحہ پر ایک تفصیلی انٹرویو شائع کیا جو سوالات لکھ کر جیل سے حاصل کیا گیا تھا۔ اس انٹرویو نے حکمرانوں کو باور کرا دیا کہ وہ جسم کو تو پابند کر سکتے ہیں لیکن سوچ پر پابندیاں نہیں لگا سکتے۔ اس موقع پر بے ساختہ میری زبان پر یہ شعر آ رہا ہے۔

تم میرے افکار پہ پہرے نہ بٹھاؤ
جذبہ کبھی پابند سلاسل نہیں ہوتا

میرے خطوط کی چیکنگ واپسی خطوط کی پڑتال اور خط روکنے کا سلسلہ:۔

اخبارات میں شائع ہونے والے انٹرویوز کی اشاعت اور بیانات سے گھبرا کر ایک مرتبہ پھر حکومت پنجاب نے نیا آرڈر جاری کر دیا اور طریقہ یہ نکالا کہ اٹک کے بڑے ڈاک خانہ میں کچھ اہلکار بٹھا دیئے جو میرے نام آنے والے خطوط کو پڑھ کر خوب چیک کر کے

دوبارہ بند کر دیتے ہیں اور ہر وہ تحریر اور لٹریچر جس پر انہیں ایک فیصد بھی اعتراض ہو روک لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نام پر آنے والے نصف خط مجھ تک نہیں پہنچتے ہیں۔ جو خط پہنچ جاتے ہیں۔ انہیں آخری مرتبہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب ملک عطا محمد (جو کاظم بلوچ کی جگہ آئے ہیں) چیک کرتے ہیں اور پھر کھلے خطوط مجھے دیئے جاتے ہیں۔ ادھر مجھ سے لیٹر پیڈ واپس لے لئے گئے۔ للذا مجھے سادہ کاغذ پر خطوط کے جوابات لکھ کر واپس ڈپٹی صاحب کو بھجوانا ہوتے ہیں جو انہیں پڑھ کر پوسٹ کرتے ہیں۔ اس پابندی کے باعث جلسوں اور کانفرنسوں کے موقع پر کارکنوں کے نام پیغام بھجوانے کا سلسلہ تو منقطع ہو گیا ہے لیکن پھر بھی ماہنامہ خلافت راشدہ اور ہفت روزہ ضرب مومن کے لئے پابندی سے کوئی نہ کوئی مضمون کسی عدالت میں جانے والے قیدی یا ملاقات پر جانے والے کسی آدمی کے ہاتھ پوسٹ کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔ جہاں تک اخبارات کے بیان والی بات ہے تو وہ جیسے کہ میں نے پہلے لکھا حکومت کی طاقت سے باہر ہے اور انشاء اللہ جب تک جیل میں ہوں اخبارات میں بیانات آتے رہیں گے اور حکمرانوں کی ملک دشمن و عوام دشمن اور اسلام مخالف پالیسیوں پر تنقید جاری رہے گی۔ اپنے مشن و کاز کے لئے آواز بلند کرتا رہوں گا۔

شدید بارشوں کی وجہ سے باتھ روم کی چھت گر جانے کے باعث قاسم بلاک میں منتقلی:۔

اٹک جیل ایک سو سالہ قدیم جیل ہے۔ اکثر بارکیں اور ہسپتال سمیت عمارتیں کچی ہیں۔ جیل میں داخل ہو کر ایسے لگتا ہے جیسے کسی پرانے زمانہ کے دیہات کی سیر کر رہے ہیں۔ دیواروں کی خستہ حالت، جگہ جگہ سے گری اور ٹوٹی ہوئیں کچی مٹی کی کوٹھڑیاں،

دیواروں پر مٹی کی لیپائی کی درجنوں تہوں کے درمیان دراڑیں ایسے لگتی ہیں جیسے سیلاب کے بعد دلدلی زمین پھٹی ہوئی ہو۔

چنانچہ فروری کے آخری عشرہ اور مارچ کے ابتدائی دنوں میں بارشوں کا زور رہا تو جیل کی کئی عمارتیں اور دیواریں زمین بوس ہونا شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ہسپتال بھی تمام کا تمام گرنے کے قریب ہو گیا اور تمام مریضوں کو نکال کر اسے تالا لگا دیا گیا۔

ہم تین ساتھی بارک نمبر۹ کی پہلی کوٹھڑی میں مقیم تھے۔ بارشوں کے وقت اس کوٹھڑی کی چھت ٹپکنے لگ گئی تو اگلے روز دوسری پھر دو روز بعد تیسری پھر کچھ دنوں بعد چوتھی کوٹھڑی میں منتقل ہوتے گئے۔ لیکن کوئی بھی کوٹھڑی بارش کے سامنے مضبوط ثابت نہیں ہو رہی تھی بلکہ مسلسل ٹپکنے کا سلسلہ جاری تھا۔ ادھر کوٹھڑیوں کی چھتوں پر مٹی بھی نہیں ڈالی جا رہی تھی تاکہ مٹی کے بوجھ کے باعث چھتیں ہی زمین پر نہ آ رہیں۔ لیکن کب تک ایسا ہوتا آخر ۴ مارچ کی صبح کوٹھڑیوں کے سامنے بنے ہوئے باتھ روم کی چھت اس وقت دھڑام سے زمین پر آ گری جب میں چند لمحے پہلے ہی وہاں سے نکلا تھا۔

میں پہلے بھی احتجاج کرتا رہتا تھا کہ حکومت نے ہمیں قصداً اس کھنڈرات پر مشتمل جیل میں رکھا ہوا ہے۔ یہ جگہ ہمارے لئے سخت خطرناک ہے اور میری جان کو خطرہ ہے لیکن یہ کہہ کر میری بات کو ٹال دیا جاتا کہ یہ کوٹھڑیاں بہت مضبوط ہیں۔ سو سال سے قائم ہیں اب بھلا اس بارش سے ان کو کیا خطرہ ہے؟ ادھر بارش سے مسلسل چھت ٹپکنے کے باعث ہم نے عارضی انتظام یہ کیا ہوا تھا کہ چھت سے پانچ فٹ نیچے پوری کوٹھڑی میں ایک پلاسٹک کا ۸x۹ فٹ کا ٹکڑا بازار سے منگوا کر دیواروں پر کیلوں سے ٹھونک دیا تھا اور کوٹھڑی کے دروازے کی جانب سے ذرا اسے نیچا کیا ہوا تھا۔ جس کے باعث چھت کے دس سے زیادہ مقامات سے ٹپکنے والے قطرے اس پلاسٹک پر گرتے پھر جمع شدہ پانی خود بخود ڈھلوان کی طرف ہو کر سامنے دروازہ کے اوپر جا کرتا۔ یہ انتظام بظاہر اچھا تھا لیکن اس پر

گرنے والے قطروں کی ٹک ٹک ٹک کی آواز اتنی شور برپا کرتی کہ سوتے ہوئے میں آدمی ہڑبڑا کر اٹھ جاتا۔

باتھ روم کی چھت گرنے پر میں نے جیل انتظامیہ کو صاف صاف بتا دیا کہ اب میں کسی صورت اس بارک میں نہیں رہوں گا۔ آپ لوگوں نے لڑائی کرنی ہے، تشدد کرنا ہے یا جو بھی حربہ آزمانہ ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔ میری اس ضد نے کام دکھایا اور انتظامیہ نے صرف ایک دن کی مہلت مانگی اور اگلے روز اس جیل میں سزائے موت کے قیدیوں کے لئے تیار کیئے گئے سولہ سولہ کوٹھڑیوں پر مشتمل دو نئے بلاکوں میں سے ایک "قاسم بلاک" میرے لئے خالی کرالیا۔ میں نے کہا پہلے بھی میرے ساتھ میرا ایک ساتھی مقصود رزاق جو اڈیالہ جیل سے ساتھ لایا گیا تھا میرے ساتھ رکھا جائے۔ تیسرا آدمی تو آپ خود بند کرتے ہیں کیونکہ جیل قوانین واصولوں کے مطابق ایک کمرہ یا کوٹھڑی میں ایک یا کم از کم تین آدمی بند کے جاتے ہیں۔ دو آدمی بند نہیں کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ہم دونوں تو بہرحال ایک ساتھ رہیں گے۔ تیسرا آدمی ساتھ بند کریں نہ کریں۔ آپ کی مرضی! مجبوراً جیل حکام نے ہم دونوں کو ہی ایک جگہ رہنے کی اجازت دے دی۔

کرنل عنایت اللہ اور دیگر ساتھیوں سے ملاقاتیں۔ قاسم بلاک میں آمد اور گھبراہٹ:۔

اس جیل میں فوجی سازش کیس کے ایک ملزم کرنل عنائت اللہ صاحب بھی چار سال قید کاٹ رہے تھے۔ جو اب اپنی قید پوری کر کے رہا ہو چکے ہیں۔ انکا قیام میری جیل آمد کے موقع پر قاسم بلاک میں تھا۔ ان کے ہمراہ اور بھی B کلاس والے لوگ اس جگہ تھے۔ کرنل عنائت اللہ صاحب باشرع متقی و پرہیزگار انسان ہیں۔ جس رات حکومت پنجاب نے

ہمارے مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کیا اور اگلے روز جمعہ کے دن حضرت قاسمی صاحب کا انتظار تھا میں نے جیل حکام سے کہا اب چونکہ مطالبات منظور ہو چکے ہیں۔ لہٰذا آپ کرنل عنایت اللہ صاحب، چوہدری وجاہت صاحب، رفیق پہلوان صاحب، نعت خوان عمر حیات اور چند دیگر احباب کو ملوادیں تاکہ ہم ظہر کی نماز باجماعت ادا کریں۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن چونکہ ابھی ہمارے احتجاج کا باضابطہ اختتام نہیں ہوا تھا۔ اس لئے وہ اس خوف سے کہ کہیں معاملات بگڑ نہ جائیں چند افراد کو بھجوانے پر آمادہ ہو گئے۔ یوں ہماری ان حضرات سے ملاقات ہوئی۔ یہ سب حضرات تین چار روز یعنی ہماری اس جیل آمد کے بعد ہی سے سخت بے چین اور ملاقات کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لیکن چونکہ ہمارا احتجاج جاری تھا اور حد درجہ سختی تھی۔ اس لئے وہ ہم سے ملاقات تو درکنار ہمیں سلام تک پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر رفیق پہلوان اور چوہدری وجاہت کی مقصود رزاق سے تو پہلے کی شناسائی تھی۔ میرے لئے یہ سب حضرات اجنبی تھے۔ تاہم یہ بڑے ہی مخلص ساتھی ہیں۔ چوہدری وجاہت صاحب پابندی سے صبح کا ناشتہ تیار کر کے بھجواتے رہے اور کبھی کبھی کسی نہ کسی بہانہ سے ان سے سلام و دعا ہوتی رہی۔ کرنل عنایت اللہ صاحب کو اس کے بعد ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔

اب جب ہمیں قاسم بلاک لایا گیا تو چوہدری وجاہت اور ان کے ساتھی کو ۵ مارچ دوپہر کے وقت راولپنڈی جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ کرنل عنائت اللہ صاحب کو بارک نمبر۹ میں بھیج دیا گیا اور صرف ہم دو ساتھیوں کو اس بلاک میں منتقل کر دیا گیا۔

ہم خوش خوش قاسم بلاک میں آ تو گئے مگر یہاں آکر چند ہی لمحوں بعد طبیعت پریشان ہو گئی کیونکہ چاروں طرف خالی کال کوٹھڑیاں اور سامنے نصب شدہ تختہ دار (یعنی پھانسی گھاٹ) اور ہم صرف دو ساتھی اس عجیب سے ماحول نے دل پر گھبراہٹ سی طاری کر دی۔ میں نے افسران سے کہہ بھی دیا کہ ایک دو روز تک ہم یہاں ٹھہر کر دیکھیں گے اگر ہمارا دل

نہ لگا تو ہم واپس انہی خستہ حالت کوٹھڑیوں میں چلے جانے پر تیار ہوں گے۔ افسران اس بات پر بہت خوش ہوئے کیونکہ اس بلاک میں درجنوں ایسے لوگ رکھے گئے تھے جو ماہانہ دو دو سو روپیہ فی کس کے حساب سے جیل حکام کو ادائیگی کرتے تھے۔ کیونکہ قاسم بلاک ایک پرسکون اور صاف ستھری جگہ ہے۔ لیکن ایک دو دن بعد ہی ہماری طبیعت اس سے مانوس ہوگئی اور اس وقت جبکہ میں یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ ہمیں اس جیل میں آئے ہوئے ایک سال کا عرصہ مکمل ہوگیا ہے۔

بشارات و رویائے صالحات اور میرے معمولات:-

اگرچہ یہ باتیں لکھنے اور بتانے کی نہیں ہیں لیکن محض تحدیث بالنعمۃ اور دوسرے لوگوں کو شوق دلانے کے لئے چند باتیں مختصراً تحریر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ جب کوئی جماعت یا فرد اخلاص کے ساتھ راہ حق پر چلتا ہوا مصائب و آلام کی وادیوں سے گذرتا ہے۔ تو رحمت باری تعالیٰ اس کی تسلی و تشفی و تسکین قلب کے لئے روحانی طور پر ایسی چیزوں اور واقعات کو سامنے لاتی ہے کہ جس سے اس کے جذبے بلند ہوتے چلے جاتے ہیں اور اس کے یقین و ایمان میں تازگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ ویسے تو اس گناہگار کو بچپن ہی سے بفضل اللہ تعالیٰ، امام الانبیاء رحمۃ اللعالمین ﷺ کی زیارت مبارکہ کا درجنوں مرتبہ شرف حاصل ہوا ہے اور دوران تعلیم و بعد از فراغت بھی یہ سلسلہ جاری رہا ہے اور الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ ﷺ کی روحانی توجہ اس مشن و کاز کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے باہر کی دنیا میں بھی حاصل رہی ہے۔ لیکن جب سے قید و بند کی ان راہوں پر چلنے کا موقع ملا ہے۔ اس وقت سے تو آپ ﷺ کی شفقت اور عنائیت کا یہ عالم ہے کہ باہر کے احباب کے ذریعہ بھی سلام پہنچتے رہتے ہیں اور علماء و مشائخ کی معرفت بشارات ملتی رہتی ہیں۔

ذیل میں کچھ خطوط درج کیے جاتے ہیں۔ جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ سپاہ صحابہ کا کام

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کس قدر قبولیت کا درجہ رکھتا ہے اور روح پیغمبر ﷺ کس حد تک مسرور ہوتی ہے۔



پہلا خط

جرنیل سپاہ صحابہؓ جبل استقامت حضرت العلامہ محمد اعظم طارق صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

مزاج گرامی بخیر!

اللہ کریم آپ کو دنیا و عقبیٰ میں عافیت سے نوازے آمین! اس نئے دور ابتلاء میں آپ کے پر آشوب احوال احباب سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ کل علامہ شعیب ندیم صاحب نے زبانی آپ کی خیریت اور سلام دیا۔ ہم ہر وقت آپ جیسے مخلص مجاہد علماء کرام کی سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔ الرؤیۃ الصالحۃ بشریٰ من اللہ (الحدیث) ابھی ایک صالح حافظ قرآن جوان محمد ادریس آئے اور اپنا یہ خواب سنایا کہ آج اذان صبح کے وقت دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ پڑھانے مسجد میں تشریف لا رہے ہیں۔ بہت سے لوگ دو طرفہ قطار میں آپؐ سے مل رہے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ مولانا اعظم طارق بھی آ رہے ہیں۔ اتنے میں آپ بھی اندر آ جاتے ہیں اس کے بعد اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ میں راقم معبر خواب نہیں لیکن یہ صاف دلیل ہے کہ آپ کی خدمات عند اللہ مقبول ہیں اللہ تعالیٰ آپ کے دشمنوں کو خائب و خاسر بنائے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد صابر مد ظلہ کی طرف سے سلام

طالب دعا

(مولانا) عبد السلام خادم

تدریس مدرسہ اشاعت القرآن حضرو ۹۷-۹-۱۰

دوسرا خط سعودی عرب سے ایک ساتھی کا ہے۔ بالاختصار پیش خدمت ہے۔

جناب مولانا حافظ محمد اعظم طارق صاحب

اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور آپ کی حفاظت فرمائے آمین!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

وبعد الحمدللہ ہم سب خیریت سے ہیں اور اللہ کریم سے دعا اور امید کرتے ہیں کہ آپ بالکل خیروعافیت سے ہونگے۔ صورت احوال یہ ہے کہ!

آپ کا خیریت نامہ پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ میں یہی سمجھتا تھا کہ شاید میرا خط آپ کو نہ ملے لیکن یہ جان کر بے حد خوشی ومسرت ہوئی کہ میرا خط آپ کو مل گیا ہے بلکہ میں جیل کے افسران کا انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے میرا خط آپ تک پہنچادیا۔

مولانا اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات آسان فرمائے آمین! یہاں جس جس ساتھی نے آپ کا خط پڑھا۔ اس نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا ہے اور آپ کی پریشانیوں اور مشکلات سے نجات کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد آپ کو اللہ کے فضل سے رہائی ملے گی اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے اس دن کے منتظر ہیں جب آپ رہائی کے بعد عمرہ یا حج کے لئے تشریف لائیں گے۔

آج رمضان المبارک کی ۲۲ تاریخ ہے۔ رمضان کے آخر میں، میں چھٹی پر جارہا ہوں۔ لہٰذا آپ مجھے خط کا جواب پہلے والے ایڈریس پر ہی تحریر فرمائیے گا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ دو یا تین ماہ تک چھٹی گذار کر آجاؤں گا اور آتے ہی آپ کے خط کا جواب تحریر کروں گا۔

چھٹی کے دوران مولانا خان محمد صاحب حفظہ اللہ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے ہاتھ مبارک پر بیعت ہونے کا ارادہ ہے۔ دعا فرمائیے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس شرف سے

نوازے اور میرے اس ارادے اور عمل میں خیر و برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ بھائی محمد اسحاق صاحب سپاہ صحابہ ؓ کے مقدس موقف کو لوگوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ دعا فرمایئے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان جیسے ساتھی اور دے اور ہمارا دامن اخلاص سے بھر دے آمین! مولانا محمد ابو بکر یوسف صاحب کا تعارف آپ کو کرا دوں۔ کیونکہ آپ انہیں مل چکے ہیں۔ ان کا تعلق تحصیل جلالپور ضلع ملتان سے ہے۔ ان کے والد محترم کا نام گرامی قاری محمد یعقوب صاحب ہے۔ جو مدرسہ موسویہ کو چلا رہے ہیں۔ مولانا محمد ابو بکر صاحب کے ایک چچا طائف میں تحفیظ میں پڑھاتے ہیں اور دوسرے چچا مدینہ منورہ میں تحفیظ میں پڑھاتے ہیں۔ چند روز قبل مولانا محمد ابو بکر صاحب کے مدینہ والے چچا طائف تشریف لائے تھے جنہوں نے بتایا کہ مجھے مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت مبارک ہوئی اور میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مولانا محمد اعظم طارق صاحب بیٹھے ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ مولانا محمد اعظم طارق صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ میں اس سے خوش ہوں۔ یہ بشارت مولانا محمد ابو بکر صاحب کے چچا کو ہوئی جو مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہیں اور انہوں نے خود مولانا محمد ابو بکر صاحب کو اپنا یہ مبارک خواب سنایا۔ ہم سب ساتھی یہ بشارت سن کر ۔ ۔ خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی شکر ادا کرتے ہیں۔ یا اللہ مولانا اعظم طارق پر تیرا یہ بہت بڑا انعام اور کرم ہے۔ یا اللہ مولانا محمد اعظم طارق کو مزید استقامت دے۔ یا اللہ ان کا دین کے لئے صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرنا قبول فرمالے۔ بے شک اس کی طاقت تو نے ہی عطا کی، عطا کر رہا ہے اور عطا کرتا رہے گا۔ اے اللہ ہم تیرے سوا کسی کو مشکل کشا نہیں سمجھتے ہیں اور انشاء اللہ نہ ہی سمجھیں گے۔ اے اللہ تو سب کی مشکل کشائی کرنے والا ہے۔ یا اللہ تجھے اس محبت کا واسطہ ہے جو تجھے اپنے پیارے حبیب ﷺ سے ہے۔ اس لازوال محبت کا واسطہ ہے۔ مولانا محمد اعظم طارق صاحب اور دیگر جتنے علماء اور ساتھی جیلوں میں قید ہیں ان سب کی رہائی کا فیصلہ

فرمادے اور سپاہ صحابہ کے مقدس مشن کو کامیابی عطا فرمادے آمین ثم آمین!

انشاء اللہ تعالیٰ شہدائے سپاہ صحابہؓ کے خون کی برکت سے ملک پاکستان میں دین اسلام کا نفاذ ہوگا اور دین اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ اور خلافت راشدہ کا لازوال نظام قائم ہوگا۔ باذن اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح نیت سے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین

الٰہی یہ توفیق ہم کو عطا ہو
کریں کام وہ جس میں تیری رضا ہو

آمین!

آپ کی صحت وعافیت کا طالب

خادم سپاہ صحابہؓ محمد نعیم الطائف

قاری ابو اسعد محمد طیب صاحب کا خط

محترم ومکرم حضرت مولانا اعظم طارق صاحب دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

آداب وتسلیم کے بعد عرض ہے کہ سب سے پہلے میں اپنا تعارف کرادوں تاکہ آپ خط پڑھیں تو میرا خاکہ بھی آپ کے سامنے ہو۔ میں طلحہ فاروق (آپ کے گن مین) کا بھائی طیب آپ سے عرض کررہا ہوں۔

چند دن پہلے نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو میں نے جہاں اور بہت سی باتیں عرض کیں تو کچھ آپ کے بارے میں بھی عرض کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ اعظم طارق ہمارا بیٹا ہے۔ جلد ہی اپنے بیوی بچوں میں خوشحالی کی زندگی گذارے گا۔ دشمن اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے شاہ صاحب تو ان سے خفاء ہیں فرمایا وہ بہت حساس طبیعت کے ہیں وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گے یعنی ناراضگی ختم ہو جائے گی۔

میں نے نبی پاک ﷺ سے عرض کی کہ اعظم طارق سے ملاقات ہو تو کیا کہوں۔ فرمایا کہنا! اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی خاص خاص رحمتیں کرے۔

والسلام!

آپ کا بھائی ابو اسعد محمد طیب

وحید پارک، کوٹ خواجہ سعید، لاہور

7 - 3 - 99

لاہور کے ایک ہونہار طالب علم کا ایک خط

محترمی مولانا محمد اعظم طارق صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

ہم خیریت سے ہیں امید کرتا ہوں کہ آپ بھی خیریت سے ہونگے۔ کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر مجھے ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ آخر آج طبیعت پر جبر کر کے خط لکھنے کا تہیہ کیا ہے۔

دراصل مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ ''آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا اعظم طارق کو میرا سلام کہو۔'' یہ سن کر میری آنکھ کھل گئی اور میں نے سوچا کہ آجکل خط لکھوں گا۔ مگر آپ کا ایڈریس میرے پاس نہ تھا۔

کچھ دنوں کے بعد پھر آپ ﷺ کی زیارت ہوئی تو "آپ ؐ نے سختی سے فرمایا کہ تم نے مولانا اعظم طارق کو سلام کیوں نہیں کہا؟ میں گھبرا کر بیدار ہوا اور آپ کو خط لکھ کر اب ماہنامہ خلافت راشدہ فیصل آباد کی معرفت بھجوا رہا ہوں۔ جیسے ہی خط ملے فوراً جواب دینا تاکہ مجھے اطمینان ہو۔

آپ کا بھائی

حافظ معین اجمل خاں

فرخ آباد، لاہور

---------- O ----------

بھکر کے ایک دینی مدرسہ کی طالبہ کا خط

ایک رات حضور اکرم ؐ کی زیارت ہوئی تو سب سے پہلے تو حضور ﷺ سے میں نے کہا کہ یا رسول ؐ اللہ مجھے کلمہ پڑھا دیجئے تو آپ نے ﷺ نے مجھے کلمہ طیبہ پڑھایا تو مجھے خیال ہوا کہ شیعہ تو کلمہ بہت لمبا پڑھتے ہیں تو میں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ رسول کریم یہ شیعہ کون ہیں یہ کافر ہیں یا مسلمان؟ تو آپ ﷺ نے چہرہ مبارک پھیر لیا اور فرمایا شیعہ تو عیسائی ہے پھر میں نے ان کا کلمہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ شیعہ عیسائی ہیں۔ حتیٰ کہ میں نے اپنی بات دو تین مرتبہ دوہرائی یہی جواب ملا کہ یہ تو عیسائی ہے اور آپ ﷺ کا جھوٹا پانی پیا تھا اور آپ ﷺ نے نماز روزہ کی بھی تاکید کی تھی۔

والد صاحب کو ایک مرتبہ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ والد صاحب کو پتہ چلا کہ قریب ہی ایک بستی میں حضور ﷺ آئے ہوئے ہیں۔ تو والد صاحب جلدی سے تیاری کر کے چلتے ہیں تو راستہ میں ایک آدمی ملتا ہے جس نے والد

صاحب سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے والد صاحب نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ قریب بستی میں آئے ہوئے ہیں تو وہ آدمی کہتا ہے حضور نے سعید خان اور غلام رسول کو تو اپنی محفل سے نکال دیا ہے۔ والد صاحب نے جا کر حضور ﷺ کی زیارت کی۔ (نوٹ) مندرجہ بالا دونوں افراد میں سے ایک علاقہ کے شیعہ MNA کا قریبی دوست تھا۔ سنی تھا اور دوسرے نے زکوٰۃ کا منکر ہو کر اپنے آپ کو شیعہ لکھا تھا۔ ان دونوں کو محفل سے نکال دیا یعنی کوئی شیعہ سے دوستی بھی نہ کرے۔ جو سنی شیعہ بنا تھا اب کافی دنوں سے وہ بیمار ہے اب نہ اس کی موت آتی ہے اور وہ زندگی سے تنگ ہے۔

ھاجرہ شریف الدین شہر بھکر

زیارت رسول ﷺ اور بشارت برائے طالبان و سپاہ صحابہؓ

محترم بھائی ابو محمد صاحب جو کہ انڈیا کے رہنے والے ہیں اور عرصہ دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تقریباً ہر جمعرات کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مستفید ہوتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ "درج ذیل کلمات جس کے کئی جز ہیں، متعدد بار زیارت ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے۔

ایک بار آپ ﷺ نے طالبان سے فرمایا کہ خدا کے واسطے آپس میں گروپ بندی کو ختم کرو۔ ایک امیر کی اطاعت میں آجاؤ یا پھر مجلس شوریٰ بنا لو اور مشورہ سے خوب کام کرو۔ (غالباً یہ خواب فتح کابل سے پہلے کا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تبلیغ والے، طالبان ختم نبوت والے اور سپاہ صحابہ مجھے بہت عزیز ہیں۔

پندرہ روزہ "الخلافۃ الاسلامیہ" اسلام آباد

مدینہ منورہ سے حاجی یامین صاحب کا دلچسپ خط

تعارف:- حاجی یامین صاحب ملتان کے رہائشی ہیں۔ حضرت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خانوادہ سے حد درجہ عقیدت واحترام کا رشتہ ہے اور سپاہ صحابہؓ سے قلبی محبت اس قدر شدید ہے کہ ایک لفظ بھی کسی سے قائدین جماعت کے خلاف برداشت نہیں کرتے۔ حاجی یامین صاحب کی والدہ مرحومہ ایک ولیہ خاتون تھیں اور صبح وشام قائدین سپاہ صحابہؓ وکارکنوں کے لئے رو رو کر دعائیں کرنے والی ایک شفیق ماں تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے حاجی صاحب کو دین کے ساتھ ساتھ دنیوی لحاظ سے بھی خوب عزت و دولت سے نوازا ہے۔ ملتان جیل میں جب قائدین سپاہ صحابہؓ ۱۹۹۶ء میں اسیر تھے تو دوپہر کا کھانا مستقل حاجی صاحب کے گھر سے آتا جو باقی اسیران کو بھی کفایت کرتا۔

اب ۱۹۹۹ء میں حاجی صاحب اپنی اہلیہ کے ہمراہ حج کو گئے تو ان کے ساتھ مسجد نبویؐ میں عجیب واقعہ پیش آیا۔ جس کا ذکر انہوں نے ۹۹-۳-۱۶ کو مدینہ منورہ سے تحریر کردہ خط میں کیا ہے۔ اب ان کے ہاتھ سے تحریر شدہ خط ملاحظہ فرمائیں۔

میرے بہت ہی محترم قائد و مرشد جرنیل سپاہ صحابہؓ

حضرت مولانا محمد اعظم طارق صاحب MPA

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ! کے بعد عرض یہ ہے کہ یہاں پر بمعہ فیملی خداوند کریم کے فضل وکرم سے بالکل خیریت سے ہوں اور امید کرتا ہوں کہ بفضل تعالیٰ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔

جناب والا! میں فیملی کے پانچ ارکان کے ساتھ آپ کے لئے ہر وقت دعاگو ہوں

میں نے آپ کی طرف سے طواف کیا ہے اور بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر رو رو کر آپ کے لئے دعائیں مانگی ہیں اور مقام ملتزم سے لپٹ کر خوب رو رو کر اللہ پاک سے آپ کے لئے اور تمام ساتھیوں کے لئے رہائی کی دعائیں مانگی ہیں۔ اب میں یہ خط مدینہ منورہ سے لکھ رہا ہوں۔ یہاں پر میں نے قاری الشیخ محمد طاہر صاحب کو اپنے ساتھ لیا اور ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بارگاہ رسالت میں سلام عرض کیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے بھی سلام عرض کیا ہے اور آپ کی طرف سے بار بار سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ آقا! آپکے غلام اعظم طارق پر گورنمنٹ پاکستان نے کیا کیا ظلم کئے ہیں اور وہ تو صرف آپ کا اور آپکے صحابہؓ کرام کا دیوانہ پروانہ ہے۔

پھر میں نے ام المومنین حضرت امی عائشہ و تمام امہات المومنین اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنھم کے سامنے بھی آپ کا سلام بڑی عاجزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

میں کل روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضری دے رہا تھا کہ پچپن سالہ موٹا تازہ آدمی اور ایک نوجوان ایرانی شیعہ وہاں آگیا۔ میں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہا تو پہلے وہ ہنس پڑے پھر استغفر اللہ انہوں نے "لعنۃ اللہ" کہا۔ میں اس وقت اکیلا تھا۔ لیکن بھائی جان خدا کی قسم اتنا مجھے کبھی زندگی بھر غصہ نہیں آیا ہوگا میں نے فوراً اس کتے کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور میں نے خمینی کتا کہا۔ تھپڑ کھا کر وہ میری طرف بڑھے تو اس دوران لوگ درمیان میں پڑ گئے میں ان لوگوں کو حقیقت بتانے لگا تو وہ شخص بھاگ نکلا میں اس کے پیچھے خمینی کتا خمینی کتا کہتا ہوا بھاگنے لگا وہ بھاگا جا رہا تھا اور حضرت معاویہ رضی علیہ عنہ کہتا جاتا تھا پھر میری ہچکی بندھ گئی اور میں منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ۱۵ منٹ تک خوب رویا۔ تب مجھے پولیس کے اہلکاروں نے آکر وہاں سے ہٹایا اور سمجھایا کہ جب سے شیخ حذیفی مدظلہ نے شیعیت کے بارے میں یہاں تقریر کی ہے اب ہر شخص ان سے نفرت کرتا ہے۔

میں آج کل جہاں شیعوں کا گروپ دیکھتا ہوں وہاں پہنچ جاتا ہوں اور صحابہؓ کی شان میں طاہر جھنگوی کی نظمیں سناتا ہوں۔

والسلام!

آپ کا بھائی حاجی یامین

حال مقیم۔ مدینہ منورہ

۹۹-۳-۱۶

شیعہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا تبادلہ اور جیل میں شیعہ دھماچوکڑی کا خاتمہ:۔

۱۸ مارچ ۱۹۹۸ء کو معلوم ہوا کہ شیعہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کاظم بلوچ کا تبادلہ ہو گیا ہے اور ملک عطامحمد صاحب نے چارج لے لیا ہے۔ ملک عطامحمد صاحب سے اڈیالہ جیل میں کافی تعلق رہا تھا۔ اٹک جیل کا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کاظم بلوچ عرصہ تین سال سے اس جیل میں جماہوا تھا اور اس کی موجودگی میں تین چار سپرنٹنڈنٹ تبدیل ہو چکے تھے۔ اس لئے جیل میں مشہور تھا کہ کاظم بلوچ کسی کے پاؤں نہیں جمنے دیتا ہے۔ ویسے بھی کاظم بلوچ بڑا دبنگ قسم کا آدمی تھا۔ سپرنٹنڈنٹ حقیقت میں وہ تھا۔ جیل کے دورے کے موقع پر اس کی بات چلتی تھی اور اس نے ملازموں میں اپنا گروپ بنا رکھا تھا۔ ادھر جیل میں شیعہ قیدیوں کو اس قدر کھلی چھٹی تھی کہ وہ منشیات کا کاروبار کھلے بندوں کرتے تھے اور انہوں نے اپنے اپنے وارڈ میں سیاہ علم لہرا رکھے تھے۔ ہر اتوار کے دن یہ لوگ اپنی بارک سے نکل کر علم ہاتھ میں لے کر دوسری بارک میں جا کر مجلس عزاء منعقد کرتے تھے۔ مجھے یہاں ان کے اتوار کا دن مختص کرنے پر حیرت تھی لیکن معلوم ہوا کہ چونکہ نواز شریف نے اقتدار میں آکر جمعہ کی بجائے اتوار کی سرکاری چھٹی کر دی تھی۔ اس لئے شیعہ نے اتوار کا دن مجلس وماتم کے لئے

مخصوص کر لیا تاکہ چھٹی کے باعث لوگ زیادہ جمع ہو سکیں۔ مجھے اگرچہ جیل کے اندر شیعہ کے اس طریق عبادت اور مجلس عزاء کے نام پر تبرابازی پر سخت تکلیف تھی کیونکہ اس سے بہت سے کم علم اور سادہ مسلمانوں کے بھٹکنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تاہم اب جاری رسم بد کا خاتمہ مشکل تھا۔

ایک روز رفیق پہلوان کا پیغام ملا کہ شیعہ اپنی بارک سے نکل کر ان کی بارک نمبر ۶ میں مجلس و ماتم کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب بھیجا کہ آپ ڈٹ جائیں ادھر میں نے سپرنٹنڈنٹ اور بالا افسران کو پیغام بھیجا کہ تم لوگ اگر شیعہ کی غنڈہ گردی نہیں روکو گے تو پھر میں تمام پابندیاں توڑ کر اپنے وارڈ سے باہر آ جاؤں گا۔ اس دھمکی کا اثر یہ ہوا کہ شیعہ کو انتظامیہ نے سختی سے کہہ دیا کہ اب تم نے اگر مجلس کرنا ہی ہے تو بارک نمبر ۲ جہاں پاگل بند ہیں وہاں جا کر کرو ورنہ پھر ہم تم سے نمٹ لیں گے۔ اس کے بعد شیعہ یہ کہتے ہوئے واپس ہو گئے کہ ہمارے ساتھ یہ سب کچھ مولانا اعظم طارق کے کہنے پر کیا جا رہا ہے اور پاگل خانہ والی بارک کا نام ہی اتنا بدنام ہے کہ اب خود کوئی شیعہ بھی مجلس میں جانے سے کتراتے ہیں ادھر محرم کی آمد پر جیل حکام نے اعلان کر دیا کہ جن لوگوں نے دس روز سوگ کے منانے ہیں اور وہ شیعہ ہیں۔ وہ اپنے نام لکھوائیں۔ ہم انہیں دس دن کے لئے الگ "زنان خانہ" والی جگہ میں بند کر دیں گے۔ پھر کسی کو باہر نہیں نکلنے دیں گے۔ اس پر شیعہ نے کہا کہ نہیں ہمیں پہلے کی طرح واپس اپنی بارکوں میں آنے جانے کی بھی اجازت دی جائے دن کو ہم اکٹھے ہوں گے۔ رات کو اپنی اپنی بارکوں میں ہوں گے۔ مگر جیل حکام نے انکار کیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ ساڑھے آٹھ سو قیدیوں کی تعداد سے کل ۲۵ شیعہ نے نام لکھوائے۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ جیل میں شیعہ کی تعداد تین فیصد ہے۔ دوسرے یہ ہوا کہ اس دفعہ دس محرم کو وہ جلوس (جو جیل کے چکر سے شروع ہو کر سزائے موت کی کوٹھڑیوں تک جاتا تھا) بند ہو گیا۔ یہ لوگ وہیں زنان خانہ کے سامنے "سینہ کوبی" کر کے تھک کر بیٹھ گئے۔

ہر قسم کے درد کے لئے حیرت انگیز تاثیر رکھنے والا دم۔ جیل حکام اور قیدیوں کو درد سے آرام:۔

اڈیالہ جیل میں کتاب "حیات الحیوان" جلد اول کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک بہت ہی تاثیر رکھنے والے "دم" کا علم ہوا جو قرآن کریم کی آیات پر مشتمل ہے اور عباسی خلفاء نے ان آیات کو سونے کی ڈبیہ میں لکھوا کر محفوظ کیا ہوا تھا۔ خصوصاً سر درد کے لئے نہایت مجرب ہے۔ میں نے اڈیالہ جیل میں کئی حضرات کے درد سر اور جسم کے بعض حصوں کے درد کے لئے یہ آیات پڑھ کر دم کیا تو حیرت انگیز طور پر اس کے اثرات نمودار ہوئے۔ اس جیل میں ایک روز ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطا محمد صاحب قاسم بلاک آئے تو کمر میں شدت درد کے باعث کراہ رہے تھے۔ انہوں نے ایسے ہی کہہ دیا کہ آپ دم کر دیں میں نے دم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ میں کچھ دنوں بعد ڈیوڑھی گیا تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے کہا میرے اس دائیں بازو میں کئی دنوں سے سخت تکلیف ہے۔ دم کر دیں۔ وہی آیات پڑھ کر دم کیا تو وہ حیرت سے اپنا ہاتھ جھٹک جھٹک کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے۔ کمال ہے! اب درد کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کے کلام میں تو بہت اثر ہے۔ ہم لوگ ہی بد عمل ہیں۔ یہ سب کلام الٰہی کا اثر ہے۔ یہ بات ایسی مشہور ہوئی کہ جیل کے ملازمین اور قیدی تک ہر دوسرے تیسرے روز لوگ دم کرانے کے لئے آنے لگے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ جسے بھی دم کیا اللہ تعالیٰ نے فوری شفاء نصیب فرمائی۔

بعض ساتھیوں کو بھڑوں نے کاٹ لیا خود ایک روز مجھے بھڑ نے ایسا کاٹا کہ میں دم ہی بھول گیا اور شدت درد سے میری زبان پر الفاظ جاری نہیں ہو رہے تھے۔ لیکن حوصلہ کر

کے میں نے آیات پڑھیں اور لعاب دھن بھڑ کی کاٹی ہوئی جگہ پر لگایا تو ٹھنڈ پڑ گئی۔ آیت قرآنیہ کی اس تاثیر سے میرا اپنا یقین اور ایمان اتنا پختہ ہو گیا ہے کہ اب کسی اور طرف دھیان ہی نہیں جاتا ہے۔ تاہم ہر بیماری کے لئے دوا استعمال کرنا بھی سنت ہے۔ خود میں عرصہ سے اپنے پاؤں کے تلوؤں کی جلن کا علاج ڈاکٹروں سے کرا رہا ہوں اور آج کل یونانی علاج جاری ہے اور افاقہ بھی ہو رہا ہے۔ یہ بات اس لئے لکھ رہا ہوں کہ "دم" کرنے والے میں کوئی کمال نہیں ہوتا۔ وہ تو ایک قسم کی دوا استعمال کرتا ہے جیسے ڈاکٹر دوا استعمال کرتا ہے۔ دوائی بروقت صحیح تجویز اور استعمال سے شفاء اللہ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن شیطان ایسے جاہل پیروں سے بڑے بڑے دعوے کراتا اور جاہل مریدوں کو شرک کی دلدل میں پھینک دیتا ہے۔ اس موقعہ پر وہ قرآنی آیات لکھ رہا ہوں جنہیں پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ ہر وہ شخص خود کو حرام مال اور بدگوئی سے محفوظ رکھے گا انشاء اللہ۔ اس سے یقینی فائدہ اٹھائے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم بسم اللہ وباللہ ولاحول ولاقوہ الا باللہ العلی العظیم اسکن ایھا الوجع سکنتک بالذی یمسک السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ ان اللہ بالناس لروف الرحیم بسم اللہ وباللہ ولا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم اسکن ایھا الوجع سکنتک بالذی یمسک السموت والارض ان تز ولا ولئن ذالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا

جیل ٹھیکہ پر کیسے چڑھتی ہے؟ قیدی کیسے لٹتے ہیں ایک بھیانک حقیقت کا انکشاف:-

ایمان یہاں پہ بکتے ہیں، زندان کی بولی لگتی ہے
حالات قفس کے مت پوچھو، انسان کی بولی لگتی ہے
جب ظالم جابر ہو جائے، جب حاکم تاجر بن جائے
لٹتے ہیں مسافر رستے میں، سامان کی بولی لگتی ہے

ملاحظہ خانہ:-

قیدیوں سے رقم لوٹنے کے لئے جیل حکام کو سینکڑوں ڈھنگ آتے ہیں- وہ نئے جیل آنے والے شخص کو رات ایسی جگہ پر ٹھہراتے ہیں جہاں نہ پنکھا ہوتا ہے نہ قضاء حاجت کی جگہ نہ پانی کا بندوبست نہ نماز کی جگہ نہ ہی اور کوئی آسائش- بلکہ یہ جگہ جسے جیل کی زبان میں ملاحظہ خانہ کہا جاتا ہے- ایک جہنم نظیر ہوتی ہے- تاکہ ایک دو راتوں کے اندر اندر ہی نیا آنے والا شخص گھبرا اٹھے پھر اگلی صبح اس کے ہاتھ میں جھاڑو دے کر کہا جاتا ہے صفائی کرو- کسی کو گٹر کے گندے پانی میں "پوچا" بھگو کر زمین پر پھیرنے، کسی کو گارا بنانے یا کوئی اور سخت کام کرنے پر لگا دیا جاتا ہے- اب جب وہ کام سے انکار کرتا ہے یا کام کر کے تھک جاتا ہے تو پھر پرانے قیدی جو جیل حکام کے آلہ کار ہوتے ہیں- بڑی ہمدردی کے انداز میں اسے آکر کہتے ہیں- "اگر کوئی مال پانی لگاؤ تو تمہاری جان چھوٹ سکتی ہے" جیل میں آج کل اس لین دین کے لئے ایک یہ اصطلاح بڑی مشہور ہے "کچھ بھن توڑ کرو" اب وہ شخص جو پہلے روز ہی جیل کی ڈیوڑھی میں اپنی جیب خالی کرا کر پہنچا ہوتا ہے- مجبوراً وعدہ

کر لیتا ہے کہ میری جونہی ملاقات آئی میں آپ کو پیسے دونگا۔ پھر ایک ہزار سے لے کر چار پانچ سو روپے تک معاملہ طے پا جاتا ہے۔ بعض مالداروں سے تو دس دس ہزار تک بھی وعدہ ہو جاتا ہے۔ اب جب اس روز یا اگلے دنوں میں ملاقات آتی ہے۔ تو چیف چکر بذات خود یا اس کے کارندے ملاقات شیڈ میں پہنچ جاتے ہیں اور وہ اس شخص کو بار بار یاد دلاتے ہیں کہ وہ ملاقات کو آنے والوں سے رقم حاصل کر کے ان کے حوالہ کرے اور ابھی دے دے۔ کیونکہ انہیں خدشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ رقم لے کر خود شیڈ سے باہر آ گیا تو باہر تلاشی پر کھڑا ہوا دوسرا ملازم اس کی جیب خالی کر لے گا۔ اور یوں چیف چکر کی بجائے رقم کا مالک "تلاشی ملازم بن جائے گا"

کرپشن کی اصل وجہ:-

قیدیوں کو لوٹنے کے مزید طریقے بیان کرنے سے قبل یہ لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جیل میں کرپشن کا آغاز کیسے ہوتا ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر جیل کا سپرنٹنڈنٹ جیل میں رشوت کا خاتمہ چاہے اور منشیات کی روک تھام کرنے پر مخلص ہو۔ تو جیل میں ایک پیسے کی بھی کرپشن نہیں ہو سکتی ہے۔ میں نے نو ماہ کا عرصہ مختلف اوقات میں عبدالستار عاجز صاحب کی افسری کے ایام میں اڈیالہ جیل میں گذارا ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ان کے دور میں کسی ملازم کو کرپشن کی اجازت نہ تھی۔ وہاں خفیہ طور پر تو یہ کام جاری ہو سکتا تھا لیکن اگر ایسی کسی بات کا علم عاجز صاحب کو ہو جاتا تو وہ اس کا بہت سخت نوٹس لیتے تھے۔ جبکہ میں نے اٹک، لاہور، ملتان اور بہاولپور کی جیلوں میں جو کچھ دیکھا ہے۔ اس پر میں جتنا بھی لکھوں گا آخر مجھے تسلیم کرنا ہو گا کہ میں تمام باتیں نہیں لکھ سکا ہوں۔ کیونکہ لوٹ مار کے اتنے انداز اور اتنے دروازے ہیں کہ میں ہر ایک پر مکمل ایک کتاب لکھ سکنے کے باوجود انہیں شمار نہیں کر سکتا۔

محکمہ جیل کے عہدہ جات:-

چونکہ آگے چل کر محکمہ جیل کے کئی عہدیداران کا ذکر آنے والا ہے۔ اس لئے پہلے اس محکمہ کے عہدہ جات لکھے جاتے ہیں۔ یہ ترتیب اوپر سے نیچے کی طرف کچھ اس طرح ہے۔ آئی جی جیلخانہ جات۔ ڈی آئی جی، اس وقت پنجاب میں چار ڈی آئی جی ہیں۔ (صوبہ پنجاب کو تین سرکلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ نمبر۱۔ سرکل لاہور، نمبر۲۔ سرکل ملتان۔ نمبر۳۔ سرکل راولپنڈی ان تینوں سرکلوں کو تین ڈی آئی جی صاحبان کنٹرول کرتے ہیں۔ ایک ڈی آئی جی صاحب آئی جی آفس میں بیٹھتے ہیں۔)

سینئر سپرنٹنڈنٹ (یہ سینٹرل جیل کا انچارج ہوتا ہے) سپرنٹنڈنٹ (یہ ڈسٹرکٹ جیل کا انچارج ہوتا ہے) ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ (سینٹرل جیلوں میں دو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوتے ہیں۔ ایک فیکٹری کو کنٹرول کرتا ہے۔ دوسرا ڈیوڑھی کو جبکہ ڈسٹرکٹ جیل میں ایک ہی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہوتا ہے) اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ (یہ مطابق ضرورت ہوتے ہیں)۔ عام طور پر ڈسٹرکٹ جیل میں چھ ہوتے ہیں۔ ایک ایک جیل میں سات سات آٹھ آٹھ بھی ہوتے ہیں۔ جب میں اٹک کی اس ڈسٹرکٹ جیل میں آیا تو اس چھوٹی سی جیل میں پانچ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ تھے۔ یہ لوگ مختلف بارکوں اور وارڈوں کے نگران ہوتے ہیں)

چیف یہ عہدہ ڈسٹرکٹ جیلوں میں بہت کم ہوتا ہے۔ سینٹرل جیلوں میں اس عہدہ پر فائز شخص ہی کو چیف چکر یا چیف فیکٹری لگایا جاتا ہے۔ ان عہدوں پر ہر ماہ کسی ایک کو لگانا سپرنٹنڈنٹ صاحب کا اختیار ہے۔

ہیڈ وارڈر۔ ڈسٹرکٹ جیلوں میں ہیڈ وارڈر کو چیف چکر۔ تلاشی اور لنگر اور گودام بارک کا انچارج وغیرہ کی ڈیوٹی دی جاتی ہے۔

ایس۔جی اس کو ہیڈ وارڈر کے ہمراہ بطور امدادی لگایا جاتا ہے۔

وارڈر- یہ عام سپاہی کا نام ہے۔ جس کی ڈیوٹی کبھی جیل کی بڑی دیوار (جسے کوٹ موقع کہا جاتا ہے) کی برجیوں پر کبھی کوٹ موقع کے گشت پر ہوتی ہے یا کبھی کسی اور ڈیوٹی پر لگایا جاتا ہے۔

ماہانہ ٹھیکہ سسٹم:-

جب سپرنٹنڈنٹ صاحب رشوت کے بغیر گذارا کرنے پر تیار نہ ہوں تو پھر مزاج شناس ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ہرماہ کی آخری تاریخ کو اپنے اپنے خاص ہیڈ واڈروں کے نام صاحب کو پیش کر کے کوشش کرتے ہیں کہ چیف چکر کے عہدہ پر ہمارے آدمی کو لگایا جائے۔ وہ ہر ہفتے یا مہینے کے حساب سے پیش کش کرتے ہیں۔ مثلاً آج کل اس اٹک جیل میں ۲۵ سے تیس ہزار روپے ماہانہ لگے بندھے سپرنٹنڈنٹ کی خدمت میں پیش کیے جانے کا وعدہ ہو رہا ہے۔ جبکہ آج کل جیل کو مندے کا شکار قرار دیا جا رہا ہے۔ کیونکہ اٹک کی چیک پوسٹ کے خاتمہ کے بعد زیادہ لوگ گرفتار ہو کر نہیں آرہے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف جیل کے حکام افسران بالا، حکمرانوں اور سیاستدانوں کے سامنے جیل کی تنگ دامنی اور وسائل کی قلت کا رونا روتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دعا کر رہے ہوتے ہیں کہ اللہ کرے یہ سارا شہر ہی جیل میں آجائے تاکہ

چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے

تو چیف چکر کے عہدہ کے لئے حالات اور موسم کے مطابق بولی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ مثلاً گرمیوں کے موسم میں آمدنی زیادہ ہوتی ہے۔ لوگ بڑی بارکوں کی بجائے چھوٹے سیلوں (چکیوں) میں الگ الگ پنکھے لگوا کر رہنا پسند کرتے ہیں۔ اس لئے بارکوں کی بجائے سیلوں میں گنتی ڈلوانے کے لئے ادائیگی کرتے ہیں۔

چیف چکر کی آمدنی کے ذرائع:۔

نمبرا۔ چیف صاحب نے مہینہ کی پہلی تاریخ کو چارج لیتے ہی ان تمام لوگوں سے ماہانہ طے شدہ رقم کی وصول کرنی ہوتی ہے۔ جنہوں نے الگ الگ چھوٹے سیل حاصل کر رکھے ہیں۔ نمبر۲ ہر نئے جیل آنے والے سے رقم بٹورنا تاکہ اس سے کام نہ لیا جائے۔ اگر کوئی رقم ادا کرنے کی بجائے کام کرنے پر تیار ہو تو پھر اسے "ٹھاپیں" لگوانا۔ یعنی معمولی سی بات پر گردن پر تھپڑ لگوانے۔ نمبر۳ زنان خانہ میں موجود خواتین سے جیل میں موجود ان کے عزیزوں سے ملاقات کرانے پر وصولی کرنا۔ نمبر۴ کسی شخص کی بیڑی چھوٹی کرانے یا اتروانے پر سینکڑوں روپے لینے۔ نمبر۵ کوئی خاص مراعات دینا یعنی ایک بارک سے دوسری بارک میں جانے کی اجازت دینا اور اس پر رقم بٹورنا۔ اس کے علاوہ کم از کم ایک درجن طریقے ہیں۔ جنہیں بروئے کار لاکر پیسے بٹورے جاتے ہیں۔ کچھ بھی نہ ہو تو محض بہانہ بنا کر کسی شخص کو قصوری سیل بند کر دینا۔ جہاں پانی بجلی نہیں ہوتی اور اکیلا شخص چھوٹے سے سیل میں بند ہو کر پریشان ہو جاتا ہے اب اس سے باہر نکالنے کے لئے بڑی رقم کا مطالبہ کرنا۔

تلاشی کا ٹھیکہ:۔

جو قیدی عدالتوں میں جاتے ہیں۔ واپسی پر سامان لے کر آتے ہیں یا جن کے لواحقین ملاقات کے موقع پر سامان دے جاتے ہیں۔ اس سامان کی تلاشی ضرور ہوتی ہے۔ اس تلاشی کا انچارج ایک ہیڈ واڈر ہوتا ہے۔ جو اپنے سرپرست افسران کے ذریعہ ایک ماہ کا ٹھیکہ لیتا ہے۔ آج کل اس جیل میں یہ ٹھیکہ ۱۸ سے ۲۰ ہزار تک ماہانہ چل رہا ہے۔ نقد رقم لے کر سامان بغیر تلاشی کے سپرد کر دینا۔ نئے آنے والے لوگوں کی جیبوں سے تمام رقم

نکال لینا۔ اگر رقم ہزاروں میں ہو تو چند ہزار جیل کے رجسٹر میں جمع کرینا اور چند ہزار ہضم کر لینا۔ ملاقات کے موقع پر آنے والے جو نقد رقم دے جائیں۔ اس سے کم از کم پچاس فیصد وصول کر لینا۔ جن لوگوں سے تھوڑی بہت منشیات برآمد ہوں ان سے رقم نقد لے کر منشیات واپس کر دینا۔ ہر قسم کی سبزی، فروٹ اور ہوتے راشن سے حصہ نکالنا۔ گویا کہ جو شخص کچھ مال پانی لگا دے وہ ممنوعہ چیزیں بھی جیل کے اندر لے جاسکتا ہے۔ جو انکار کرے اس کی ہر چیز ممنوعہ یا مشتبہ قرار دے کر سارا سامان اس طرح بکھیر دیں گے جیسے یہاں جمعہ بازار لگ گیا ہے۔ نئے آنے والوں سے گھڑی، انگوٹھی یا اور کوئی قیمتی چیز یہ کہہ کر لے لینا کہ جیل میں یہ چیز ممنوع ہے۔ پھر جب ایسے شخص کی رہائی ہونے لگے تو اسے کہنا ابھی دفتر کا وقت ختم ہو گیا ہے الماری کی چابی نہیں ہے۔ لہٰذا یا دو تین گھنٹے انتظار کریں یا پھر دوبارہ آ کر گھڑی وغیرہ لے لینا۔ اکثر لوگ رہائی کے شوق میں ایسی چیزیں لینے تک روادار نہیں ہوتے ہیں۔

لنگر کمانڈر:۔

قیدیوں کا جہاں کھانا پکتا ہے۔ وہاں کا انچارج بھی ہیڈ واڈر ہوتا ہے۔ جسے جیل کی اصطلاح میں "لنگر کمانڈر" کہا جاتا ہے۔ وہ ہر اس شخص کو آگ کے تنور پر بیس گھنٹے بیٹھنے پر مجبور کرتا ہے جو ماہانہ رقم نہ دے۔ اور جو ادائیگی کرے اسے آرام کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ لنگر پر کام قیدیوں سے کرایا جاتا ہے اور لنگر کی مشقت سخت ہوتی ہے۔ وہ بعض مالدار قیدیوں کو تازہ روٹی بھجوانے اور صبح پراٹھے پکوا کر بھیجنے اور روٹیاں اصل گنتی سے زیادہ دینے کا بھی ماہانہ "بھتہ" وصول کرتا ہے۔ اور لنگر پر پکنے والی اشیاء میں خورد برد بھی کرتا ہے۔ مثلاً گھی، دال، سبزی، آٹا، چاول وغیرہ بیچ کر کام چلاتا ہے۔ قیدیوں کی روٹیوں کا وزن ہلکا کر کے گھی برائے نام سالن میں ڈال کر اپنا کام دکھاتا ہے۔ آج کل یہاں

ایک وقت کے کھانے میں چالیس کلو دال پکتی ہے مگر ۲۸ کلو دال کے ساتھ بارہ کلو آٹا ملا کر سالن تیار کیا جاتا ہے۔ تاکہ دال کی بچت ہو۔ میں نے جب اس پر گرفت کی تو لنگر کمانڈر نے خود مجھے الگ کر کے کہا کہ ہماری مجبوری ہے۔ اوپر سے یہ آرڈر ہے۔ ایک وقت میں پانچ کلو گھی اور ایک من کم از کم آٹا بچالیا جاتا ہے۔ اس طرح تنور میں جلنے والی لکڑی بچالی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مصالحہ جات، چائے کی پتی، چینی وغیرہ بچا کر شام کو ساری بچت باہر روانہ کر دی جاتی ہے۔ اس طرح گوشت، دودھ کا حال ہے۔ جبکہ حساب وکتاب میں اس بات کو مکمل انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قیدیوں کو کھانا بالکل صحیح دیا جارہا ہے۔ گویا کہ لنگر سے ایک دن میں کم از کم چار پانچ ہزار روپے کی بچت کا سلسلہ جاری ہے۔

ملاقات انچارج:۔

قیدیوں کی ملاقاتیں کرانے کا انچارج اکثر اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ہوتا ہے۔ اس نے اپنے کارندے جیل کے قیدی رکھے ہوتے ہیں۔ جو قیدیوں کو جیل کے اندر سے بلا کر ملاقاتی شیڈ میں لانے کے لئے باہر سے آنے والے ملاقاتیوں سے طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہیں گے آپ کے آدمی کی آج ملاقات کا دن نہیں ہے۔ یا وہ پہلے ملاقات کر گیا ہے۔ لہٰذا ایک سو روپے دیں ہم ملاقات کرا دیں گے۔ اس طرح جو لوگ ملاقات کر رہے ہوتے ہیں تو وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے بیوی بچے بڑے شوق سے باتیں کر رہے ہیں لہٰذا اس کے پاس جا کر کہیں گے۔ "وقت ختم ہو گیا واپس چلو" اب وہ شخص انہیں اپنی جیب سے یا ملاقات پر آنے والے سے مانگ کر بیس تیس روپے دے گا تو اسے باتیں کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ ورنہ بے عزت کر کے اٹھا دیں گے۔ یہ قیدی لوگ اپنے جیسے انسانوں پر وہ ظلم کرتے ہیں کہ جسے سن کر روح کانپ اٹھتی ہے۔

اسی طرح خاص لوگوں کو کرسی پر بٹھا کر ملاقات کرانا یا ڈیوڑھی میں بلوا کر آمنے

سامنے بٹھا کر ملاقات کرانا۔ اگر رقم معقول دی جائے تو میاں بیوی کو تنہائی میں ملاقات بھی کرائی جاتی ہے۔

مگر اس کی ہوتی ہے قیمت زیادہ

گودام انچارج:۔

یہ عہدہ ہیڈ وارڈر کے پاس ہوتا ہے۔ جو دالیں، گھی، چینی، سبزیات، آٹا، گوشت وغیرہ خرید کرتا ہے اور لنگر والے کو پانے کے لئے دیتا ہے۔ یہ ناقص مال لا کر فراہم کرتا ہے اور اکثر چیزیں فروخت کر کے سپرنٹنڈنٹ کو معقول رقم پہنچاتا ہے۔ اس راستہ سے ہر ماہ لاکھوں روپے وصول کئے جاتے ہیں۔

فیکٹری انچارج:۔

سینٹرل جیلوں میں فیکٹری کا انچارج چیف کو بنایا جاتا ہے۔ چھوٹی جیلوں میں ہیڈ وارڈر کو لگایا جاتا ہے۔ جو فیکٹری میں دریاں، فرنیچر، قالین، وغیرہ تیار کرانے کا نگران ہوتا ہے۔ یہاں بھی رشوت لے کر مشقت معاف کرنا اور فیکٹری کی مصنوعات کو خفیہ طور پر فروخت کرنا اور خاص لوگوں کے لئے خاص تحائف بنوانا۔ خصوصاً افسران بالا کے لئے خصوصی قالین، فرنیچر وغیرہ تیار کرا کے بھجوانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ٹھیکیداروں کو مال فروخت کرتے وقت سپرنٹنڈنٹ و ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ خاطرہ خواہ کمیشن بنانے میں مصروف رہتے ہیں۔ واضح رہے کہ اٹک کی اس جیل کی فیکٹری آج کل ویران پڑی ہے۔ چند سال قبل قیدیوں نے ہنگامہ کے دوران اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا تھا۔

کینٹین کا ٹھیکہ:۔

سپرنٹنڈنٹ صاحب کی آمدن کا ایک معقول ذریعہ کینٹین کا ٹھیکہ ہوتا ہے۔ جس

ٹھیکیدار نے ایک سال تک قیدیوں کو اشیاء ضرورت جیل کے اندر کینٹین ناکر فروخت کرنا ہوتی ہیں۔ وہ پہلے ہی ہاتھوں روپے سالانہ کمیشن یا ماہانہ کمیشن کی ادائیگی کر لیتے ہیں۔ یہ اس کمیشن کی ادائیگی کے باعث قیدیوں کو ایک روپے والی چیز چار پانچ روپے میں ملنے لگتی ہے اور اس پر کوئی نوٹس لینے والا نہیں ہوتا ہے۔ اس کی چھوٹی سے مثال یہ ہے کہ ڈاک لفافہ جو سوا دو روپے کا سرکاری ریٹ پر ملتا ہے۔ جیل میں علی الاعلان پانچ روپے میں فروخت ہوتا ہے۔ میں نے بارہا کینٹین کے ٹھیکیدار کو بلوا کر ڈانٹ پلائی کہ تم اشیاء چار گنا مہنگی کیوں بیچتے ہو تو وہ معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں خود افسران بالا کو بڑی رقم دینا ہوتی ہے۔ اس لئے ہماری مجبوری ہے۔

باغیچہ کی آمدن:-

اکثر جیلوں کے ساتھ دو دو چار چار مربعے یعنی سو سو ایکڑ زمین جیلوں کے نام پر ہوتی ہے تاکہ اس میں گندم، سبزیات، دالیں وغیرہ کاشت کی جائیں اور اس زمین پر کام کرنے کے لئے جیل کے ان قیدیوں کو پاؤں میں زنجیریں پہنا کر بھیجا جاتا ہے جن کا عرصہ قید چھ ماہ یا چار ماہ رہ گیا ہو اور ان کے بارہ میں یقین ہو کہ اب یہ بھاگیں گے نہیں۔ ان قیدیوں کو "شیر پنجہ" یا "بیرونی پنجہ" کہا جاتا ہے۔ اور انہیں ہیڈ وارڈر یا ایس جی لے کر جاتا ہے۔

باغیچہ یعنی جیل کی زمین کا نگران بھی سپرنٹنڈنٹ کی صوابدید پر ہیڈ وارڈر ہوتا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ وہ فصلوں کی تیاری پر لازم تیار کرے۔ فصل کا فروخت کر کے یا کسی اور ذریعہ سے سپرنٹنڈنٹ کی نذر کرے اور سبزیات فروخت کر دے۔ یہ نگران خود بھی اپنا حصہ بچاتا ہے اور افسران کو بھی کھلاتا ہے۔ اور زیادہ آمدن اس نگران کی زمین پر کام کرنے والے سرکاری ٹریکٹر کے ڈیزل کی ہوتی ہے۔ روزانہ دو سے تین سو روپے تک ڈیزل یا ٹریکٹر مرمت کے عنوان پر خرد برد کر لیتا ہے۔

ہسپتال:-

ہر جیل میں ہسپتال موجود ہوتا ہے کیونکہ جیل میں ایک ہزار سے چار ہزار تک انسانوں کی تعداد ہوتی ہے۔ لیکن ہسپتال سے ادویات غائب ہوتی ہیں۔ مریضوں کو دودھ، ڈبل روٹی، ادویات مہیا کرنے کے فنڈز افسران جیل میں (جس میں ڈاکٹر حضرات بھی شریک ہوتے ہیں) تقسیم ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑی آمدنی ہسپتال انتظامیہ کی اس سے ہوتی ہے کہ وہ مالدار قیدیوں کو بھاری رقوم لے کر مریض ظاہر کر کے ہسپتال کے بیڈ اور مریضوں کے لئے حاصل شدہ سہولیات سے مالا مال ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ جبکہ حقیقی مریض بارکوں میں تڑپ تڑپ کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ اس طرح ڈاکٹر حضرات کسی کو مریض قرار دے کر اس کی بیڑی اتارنے پر بھی نذرانہ وصول کر لیتے ہیں۔

سرکل انچارج اور میٹ:-

ہر بارک کا انچارج ایک ہیڈ وارڈر ہوتا ہے جو اپنی بارک کے قیدیوں سے مختلف سہولتوں کے عنوان پر ماہانہ مقرر حصہ بھی لیتا ہے اور جس شخص کا بھی باہر سے سامان آئے۔ اس کی تلاشی لینے کے بہانہ رقم بٹورتا ہے۔ اور اس کا کارندہ ایک قیدی ہوتا ہے۔ جسے میٹ کہتے ہیں۔ وہ تمام وصولیوں کا انچارج ہوتا ہے۔

چکر منشی:-

اس عہدہ پر عام طور پر ایس جی مقرر ہوتا ہے۔ جس کا کام ہے کہ قیدیوں کی اڑتی لگانا (یعنی روزانہ ایک قیدی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ شفٹ کرنے کی لسٹ بنانا ہوتا ہے۔)

جیل کے بعض قیدیوں کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ اور ان کی تعداد بھی سو سے زائد ہوتی ہے۔ آگے اس کے کارندے بھی ہوتے ہیں۔ جو لوگوں سے اس بنیاد پر پیسے بٹورتے ہیں کہ ان کی گنتی پسند کی چکی میں ڈالی جائے گی اور اس چکی میں کم افراد رکھے جائیں گے۔ ورنہ ایک چکی میں سات آٹھ آدمی بھر دیں گے جس کی وجہ سے رات گذارنا دشوار ہو جائے گا۔

بیڑی اتارنا۔ اڑدی ختم کرنا۔ یا کوئی خصوصی مراعات دینا:۔

مندرجہ بالا آمدن کے ذرائع کے علاوہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بے بہا اختیار ہوتے ہیں۔ حقیقت میں سپرنٹنڈنٹ جیل کا بے تاج بادشاہ یا جنگل کا شیر ہوتا ہے۔ وہ جیل کے اندر جو چاہے کرے۔ جس کی بیڑی جب چاہے اتارے جب چاہے جسے چاہے بیڑی لگا دے۔ اڑتی لگادے۔ قصوری بند کرادے۔ ٹھاپیں لگوائے۔ کسی کو ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر تک کی اجازت دے۔ کسی کی B کلاس ختم کر دے۔

مراعات دینے کے لئے ہر شخص کی حیثیت کے مطابق ڈیمانڈ کی جاتی ہے۔ چنانچہ سینکڑوں سے لے کر ہزاروں روپے تک بیڑی اتارنے اور اڑتی ختم کرنے قصوری سے نکالنے کے واسطے لئے جاتے ہیں۔

منشیات کا کاروبار:۔

اگرچہ مندرجہ بالا رشوت کے درجنوں دروازے افسران و ملازمین کے لئے چوبیس گھنٹے کھلے ہوتے ہیں۔ لیکن آتش ہوس اور طمع ولالچ کی پیاس ان سے بجھتی نہیں ہے بلکہ یہ مرض اور بڑھتا جاتا ہے۔ پھر یہ افسران وہ آخری گھناؤنا قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ جہاں انسانیت سرپیٹ کر رہ جاتی ہے اور ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔ وہ قدم جیل میں منشیات کا کھلے بندوں فروخت کرنے کا ہے۔ جیل کے اہلکار خود منشیات لا کر دیتے ہیں اور

ان کی سرپرستی میں منشیات فروخت ہوتی ہیں۔ آج کل ریٹ کچھ اس طرح ہے کہ چرس فروخت کرنے والا چیف چکر کو روزانہ سو روپیہ اور سرکل انچارج کو پچاس روپے دیتا ہے۔ پوڈر بیچنے والا چیف چکر کو روزانہ دو سو روپے اور سرکل انچارج کو سو روپیہ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ افسران بالا بھی ہر ہفتہ میں ہزار پانچ سو روپے وصول کرتے رہتے ہیں۔ منشیات فروش اکثر جیل کے عملہ کو صبح کا ناشتہ اور دن میں تین چار بار چائے بسکٹ وغیرہ بھجواتے ہیں۔

جواء کا کاروبار:۔

جیل حکام کی نگرانی میں جیل میں جواء بھی خوب کھیلا جاتا ہے۔ اور یہ جواء براہ راست چیف چکر کی نگرانی میں ہوتا ہے یا اس کا نمائندہ موقعہ پر موجود ہوتا ہے تاکہ اچانک کسی بڑے افسر کی آمد پر قبل از وقت مطلع کیا جا سکے۔ آج کل چیف چکر جواء کرانے والوں سے روزانہ کا پانچ سو روپے وصول کرتا ہے۔

فراڈی گروپ:۔

ہر جیل میں کچھ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو فراڈ اور چار سو بیس (۴۲۰) کے مقدمات میں آئے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ یہاں جیل میں بیٹھ کر ایسے ایسے فراڈ کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور لاکھوں روپے کماتے ہیں۔ ایک جیل میں دو فراڈی بھائیوں کے طریقہ واردات کو دیکھیے۔ یہ فراڈی گروپ جیل میں ہی کار کی ڈکیتیوں کی خبریں پڑھ کر جیل ملازمین کے ذریعہ ان علاقوں کے تھانوں سے ڈکیتی کی F.I.R منگواتا ہے۔ پھر اس F.I.R سے مدعی کا ایڈریس لے کر جعلی نام سے مدعی کو خط لکھتا ہے کہ تمہاری فلاں رنگ فلاں نمبر کی فلاں وقت فلاں جگہ سے چرائی جانے والی کار ہمارے پاس ہے۔ ہم جیل میں ہیں۔ آپ

ہم سے ملاقات کرلیں۔ کار اور گاڑی کے بارے میں ساری معلومات F I R سے انہیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اب جب مالک جیل آکر ملاقات لکھواتا ہے تو تمام بان افسران سے سیٹنگ کے باعث جعلی نام پر یہ لوگ ملاقات کرلیتے ہیں اور کار مالک کو مطمئن کرتے ہیں کہ تمہاری گاڑی آج شام یا کل صبح تمہارے گھر کے سامنے ہوگی۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ ایک لاکھ یا پچاس ہزار نہیں ادا کریں۔ گاڑی کا مالک سوچتا ہے کہ اگر میری آٹھ دس لاکھ یا چار پانچ لاکھ کی گاڑی صرف ایک لاکھ یا پچاس ہزار میں واپس مل جاتی ہے تو یہ سودا سستا ہی ہے۔ چنانچہ وہ رقم بخوشی دے دیتا ہے۔ اب واپسی پر جب اسے گاڑی نہیں ملتی ہے تو وہ جیل والوں کو آکر بتاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ملنا ہے۔ اسے جواب ملتا ہے کہ اس نام کا کوئی شخص اس جیل میں نہیں ہے وہ لاکھ کہے کہ کل یا آج ہی میں مل کر گیا ہوں مگر جھوٹا ہی ثابت ہوگا۔ کیونکہ واقعی جیل میں اس نام کا آدمی تو ہوتا نہیں۔ اگر ہوتا تو سامنے لایا جاتا، اب یہ شخص کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ اس نے تو اس سے ملاقات ہی نہیں کی۔ اس فراڈ کی سرپرستی کرنے والے افسران ہزاروں روپے اپنے پیٹ میں ڈال کر خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی بھی انہیں اس شرمناک کھیل پر "ندامت" نہیں ہوتی۔

فراڈی گروپ کی ایک اور سازش اور اس کا بدترین انجام:۔

طارق شاہ، نصیر شاہ نامی دو بھائیوں پر مشتمل یہ فراڈی گروپ مذہباً شیعہ ہے اور میری اس جیل میں آمد کے بعد چوری شدہ کاروں کے مالکان سے رقم بٹورنے والا ان کا کاروبار بند ہوگیا۔ تو انہوں نے منشیات کا کاروبار شروع کردیا۔ سرکاری ملازم انہیں منشیات لا کر دیتے تو وہ جیل میں فروخت کرتے۔ میں مسلسل بالا حکام سے احتجاج کرتا رہا۔ نئے سپرنٹنڈنٹ اور دیگر حکام نے میرے بار بار توجہ دلانے پر اس فراڈی گروپ پر سختی شروع کردی۔ اب جب یہ گروپ کافی پریشان ہوگیا تو اس نے مجھے ہی بدنام کرنے کی ٹھان

ل۔ چنانچہ 22 اکتوبر 98 کو یہ ہوا کہ ان بھائیوں نے میرے وارڈ قاسم بلاک میں میرے کھانے وغیرہ کی خدمت سرانجام دینے والے قیدی نوجوان عزت اللہ خان کو پیشکش کی "تم ہم سے چرس لے کر جیل میں بیچا کرو، ہم تمہیں بہت نفع دیں گے" شروع شروع میں تو عزت اللہ نے انکار جاری رکھا۔ لیکن جب ان کا اصرار بڑھا تو عزت اللہ نے میرے ساتھ اسیر دوسرے ساتھی مقصود کو ساری صورت حال بتا دی۔ جس پر مقصود نے جیل کے دو ملازمین کے سامنے عزت اللہ کو دو سو روپے دے کر ان سے چرس لانے کے لئے بارک نمبر۹ بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد عزت اللہ نے واپس آ کر بتایا کہ پیسے انہوں نے لے لئے ہیں اور چرس وہ دیوار کے اوپر سے ادھر پھینکیں گے۔ چنانچہ ملازمین کی موجودگی میں جب عزت اللہ نے بلند آواز میں کھانس کر دیوار کے پیچھے اپنی موجودگی کا احساس انہیں دلایا تو ادھر سے کاغذ میں لپٹی چرس کی پڑیا دیوار سے پھینک دی گئی۔ چنانچہ مقصود نے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ راجہ خادم حسین کو بلوا کر تمام صورت حال سے آگاہ کیا تو وہ چیف چکر کے ہمراہ بارک نمبر۹ میں گئے اور خوب تلاشی لینا شروع کر دی۔ ان فراڈی برادران نے راجہ صاحب کو دس ہزار روپے رشوت کی پیش کش کی مگر وہ تلاشی پر بضد رہے اور تھوڑی دیر میں زمین میں دفن شیشے کا ایک مرتبان برآمد کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جس میں ایک پاؤ (۲۵۰ گرام) کے قریب چرس موجود تھی۔ چنانچہ یہ معاملہ سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش کیا گیا۔ ادھر مقصود نے مجھے بتایا تو میں بھی ڈیوڑھی میں چلا گیا۔ پتہ چلا کہ ان فراڈی شیعہ برادران کا مقصد میرے مشفق عزت اللہ خان کو چرس دے کر رنگے ہاتھوں پکڑوانے کا تھا۔ تاکہ جیل میں مشہور کر سکیں کہ مولانا اعظم طارق چرس فروخت کراتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر الٹ دی۔ اب ان پر ایک اور مقدمہ قائم ہو گیا ہے اور وہ اس وقت قصوری میں بند ہیں۔

ڈیوڑھی کا دربان اور اردلی:-

ڈیوڑھی کے گیٹ پر ڈیوٹی دینے والا دربان اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کا اردلی بھی کسی سے کم نہیں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ "صاحب" کی آشیرباد سے لوگوں کی ملاقاتیں ڈیوڑھی میں کرانے کا کاروبار کرتے ہیں اور ایک دن میں ہزاروں کما لیتے ہیں۔ لوگ اسی بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اپنے عزیز سے اچھے ماحول میں آمنے سامنے بیٹھ کر ملاقات کرلی ہے۔

جیل حکام کا تلاشی کے بہانہ قیدیوں سے پیسے بٹورنا اور میری دھمکی پر دوسرے روز واپس کرنا:-

جیل حکام کس کس طرح قیدیوں کو لوٹتے ہیں اس کی تفصیلات آپ پڑھ چکے ہیں۔ لیکن ان تمام ہتھکنڈروں سے ہٹ کر پھر آخری ہتھکنڈہ یہ ہوتا ہے کہ کسی وقت اچانک قیدیوں کو بارکوں اور سیلوں میں بند کر کے تلاشی شروع کردی جاتی ہے۔ پھر جو کچھ نقد رقم ہاتھ آجائے۔ اسے غصب کرلیا جاتا ہے۔ ایسا ہی واقعہ ۱۴ مارچ ۹۸ء کو اٹک جیل میں پیش آیا دراصل ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کاظم بلوچ (شیعہ) کو جیل کے عملہ کی طرف سے الوداعی پارٹی دینے کا پروگرام بنا تو کمبختی قیدیوں کی آگئی۔ کہ اچانک شام کے وقت تلاشی کا عمل پوری جیل میں شروع ہو گیا اور ہزاروں روپے جمع کرلئے گئے۔ اگلے روز مجھے معلوم ہوا تو میں نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطاء محمد صاحب کو بلوا کر کہا کہ اس قدر ظلم کا آخر کیا جواز ہے؟ اگر آپ ان زیادتیوں کا ازالہ نہیں کریں گے تو میں سخت انداز سے احتجاج کروں گا اور آپ لوگوں کے لیے اس جیل میں کوئی مسئلہ کھڑا کردوں گا۔ ڈپٹی صاحب بھلے مانس آدمی ہیں پوچھنے لگے کیا بات ہوئی ہے؟ میں نے کہا قیدیوں سے پیسے کس جرم میں لئے گئے ہیں؟ کہنے لگے گزشتہ شب اڈیالہ جیل راولپنڈی میں پولیس نے اچانک افسران بالا کے ہمراہ چھاپہ مار

کر قیدیوں کی تلاشی لی تھی۔ ہمیں خدشہ تھا کہ یہاں تلاشی نہ ہو جائے۔ ہم نے خود تلاشی کر لی ہے تاکہ اگر باہر سے پولیس آئے تو اسے کچھ نہ ملے۔ چونکہ میں یہ خبر اخبار میں پڑھ چکا تھا۔ میں نے کہا باہر کی پولیس نے اڈیالہ جیل کے قیدیوں سے کوئی ایک روپیہ بھی وصول کیا ہے؟ اور کیا یہ اعتراض کیا ہے کہ ان قیدیوں کے پاس پیسے کیوں ہیں؟ ڈپٹی صاحب نے کہا۔ انہوں نے نقد رقم پر تو کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے کہا پھر آپ کے کارندوں نے رقم کیوں لوٹی ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ تلاشی کا اصل مقصد رقم لوٹنا ہے۔ لہٰذا یہ رقم واپس کرائیں۔ وہ میرے ساتھ وعدہ کر کے چلے گئے اور اگلے دن سب قیدیوں کو ان کے پیسے واپس مل رہے تھے اور سب حیرت سے کہہ رہے تھے کہ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوا کہ جیل حکام پیسے لے کر پھر ایک ایک کو واپس کرتے پھریں۔ میں نے قیدیوں کو پیغام بھجوایا کہ جب تک میں ہوں تم لوگ بس تھوڑے سے خود ٹھیک ہو جاؤ جیل حکام کو میں سنبھال لوں گا۔ اور جب تم لوگ خود قانون کی خلاف ورزی کر کے رشوت دیتے ہو تو پھر مجھے خود شرمندگی ہوتی ہے۔

بے قصور نو وارد قیدیوں پر تشدد کی رکاوٹ:۔

جیل حکام نئے آنے والے قیدیوں پر رعب ڈال کر پیسے لینے کے لئے اول روز ہی چکر میں کھڑا کر کے ان پر ظلم کراتے ہیں اور انہیں "ٹھاپیں" لگواتے ہیں۔ جیل حکام کا فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ آنے والوں پر جیل کا رعب بیٹھ جائے۔ ایک روز ایک شخص میرے پاس آیا اور بڑا پریشان تھا میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا باہر چکر میں ایسا ظلم ہو رہا ہے کہ اسے دیکھ کر خون کھولتا ہے۔ مگر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ تو اس نے جواب دیا کہ باہر سے کسی جھوٹے مقدمہ میں یا ذاتی دشمنی وغیرہ کے الزام میں چند باعزت اور شریف چہرہ مہرہ کے لوگ آئے ہیں۔ انہیں چیف چکر نے چکر میں کھڑے کرا کر قیدیوں سے

"ٹھاپیں" یعنی گردن پر تھپڑ لگوائے ہیں۔ اور وہ لوگ بہت افسردہ تھے۔ اب یہ لوگ ان سے پیسے وصول کریں گے۔ اس نے بتایا کہ موجودہ چیف بڑا ظالم انسان ہے۔ میں نے ڈیوٹی پر موجود ملازم سے کہا کہ فوراً چیف کو بلوا کر لاؤ دس منٹ بعد چیف پہنچ گیا اور میرے پاس آ کر کہا کیا حکم ہے سر؟ میں نے کہا سر کے بچے تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ میرے اس لہجہ سے وہ کانپ کر رہ گیا پوچھنے لگا سر میرا قصور کیا ہے؟ میں نے کہا آج تم نے اتنے لوگوں کو کس جرم میں پٹوایا ہے؟ یہ سوال سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ میں نے کہا میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ آئندہ اگر ایسی کوئی شکایت مجھے ملی تو پھر میں صبر نہیں کروں گا۔ اپنے وارڈ کی دیواریں پھلانگ کر خود چکر میں آ کر تمہاری مرمت میں کروں گا۔ اس کے بعد میں نے شام کو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کو بلوا بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا جیل میں آنے والوں کو تھپڑ لگوانا جیل قوانین کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا بالکل نہیں۔ میں نے کہا پھر آپ کے کارندے لوگوں پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ انہیں روک لیں ورنہ میں خود کوئی عملی کاروائی کر دوں گا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اب ایسا نہ ہو گا۔ الحمد للہ اب تک چھ ماہ کے عرصہ میں ایسی شکایت دوبارہ نہیں آئی۔

قیدیوں کو پرانے قرضے واپس مل گئے:۔

چھ سات واقعات کے بعد دیگر ایسے پیش آ گئے کہ جو نہی کسی قیدی پر ظلم ہوا۔ میں نے فوری اس کا نوٹس لے کر بالا افسران کے ذریعہ اس کا بدلہ چکا دیا۔ اس سے قیدیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اب ان کی عادت یہ ہو گئی ہے کہ وہ تھوڑی سی بات ہو تو ملازم کو دھمکی دیتے ہیں "اگر آپ نے یہ کیا تو ہم مولانا کو خط لکھ دیں گے"۔

کم از کم پانچ چھ واقعات ایسے پیش آ چکے ہیں کہ جیل کے ملازمین نے قیدیوں سے ادھار رقم لے رکھی تھی۔ واپس نہیں کر رہے تھے۔ ان قیدیوں نے کہا۔ "اچھا پھر ہم مولانا

کے پاس خود جاتے ہیں یا پیغام بھیجتے ہیں"۔ یہ سننا ہی تھا کہ ملازمین نے ادائیگیاں شروع کر دیں۔ کچھ ملازمین کا مجھے نوٹس لینا پڑا اور ان کی ماہانہ تنخواہ سے اس قدر رقم کٹوالی جتنی انہوں نے دبا رکھی تھی۔

صحیح بات یہ ہے کہ سب قیدی ایک ساتھ ظلم کے خلاف قدم اٹھائیں تو کسی ملازم کی جرات ہی نہیں ہے کہ ایسی زیادتی کر سکے۔ لیکن جیل حکام ہمیشہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کے منصوبہ پر عمل کرتے ہیں اور قیدیوں کو باہم دیگر دست و گریباں کرائے رکھتے ہیں تاکہ دونوں طبقوں سے مال حاصل کرنے کی شکل نکل آئے۔

نماز عید الاضحیٰ کی ادائیگی اور قربانی کا دن:-

ذوالحجہ کی چھٹی ساتویں تاریخ کو میں نے جیل حکام پر واضح کر دیا کہ مجھے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھانا ان کی ذمہ داری ہے۔ وہ سخت پریشان ہو گئے کہ یہ کس طرح ممکن ہو گا۔ میں نے کہا آپ لوگ میرے ساتھ جیل کی مسجد چلیں اور ساتھ واپس آ جائیں۔ وہ اس کے لئے کسی صورت بھی تیار نہ ہوئے۔ ناچار یہ طے پایا کہ جیل کالونی کی باہر والی مسجد کے امام صاحب جو کافی عمر رسیدہ ہیں۔ دس ذوالحجہ کو قاسم بلاک آئیں گے اور جیل کے اندر سے پندرہ بیس قیدی جن کے آپ نام دیں گے وہ بھی آ جائیں گے اس طرح ملازمین اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب بھی آ جائیں گے یوں قاسم بلاک ہی میں نماز عید الاضحیٰ ادا کر لی جائے گی۔ چنانچہ پچاس سے زائد افراد قاسم بلاک پہنچ گئے۔ میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات زندگی اور ان کی قربانیوں پر تقریر کی۔ باہر سے تشریف لائے ہوئے امام صاحب نے نماز پڑھا کر خطبہ کے بعد دعا کرائی۔ عید کے موقع پر کافی احباب سے مل بیٹھنے کا موقعہ مل گیا۔ ادھر باہر سے بھائی حبیب الرحمٰن اور بھائی محمد ساجد نے روسٹ مرغے اور پلاؤ وغیرہ بھجوائے تھے۔ ادھر ہم نے بھی رات ہی سے کھیر تیار کر رکھی تھی۔ یوں عید کی دوپہر خوب

مزے سے کھانے پینے میں گذری - پھر سپرنٹنڈنٹ صاحب اور دیگر افسران کے گھروں سے قربانی کا گوشت بھی پہنچ گیا۔

عید الاضحیٰ ہو یا عید الفطر یہ اسلامی تہوار اپنے دامن میں بے شمار خوشیاں لے کر آتے ہیں - مگر ایسے قیدی جو کسی سے ملاقات تک نہ کر سکتے ہوں - ان ایام میں کس کرب اور دکھ سے گذرتے ہیں - اسے تحریر میں نہیں لایا جا سکتا ہے - لیکن میں اپنے بارے میں تحدیث بالنعمتہ کے طور پر کہتا ہوں کہ مجھے الحمد للہ ان مواقع پر کبھی گھبراہٹ و پریشانی نہیں ہوئی بلکہ یہ خیال میرے جذبوں اور ولولوں میں اک نئی تازگی پیدا کر دیتا ہے کہ ایک اور عید اسلام اور حق کی خاطر قربان کرنے کا موقعہ مل گیا ہے - تاہم جب کبھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے بچوں کے دلوں پر خوشی کے لمحوں میں کیا کیا گذری - تو پھر ایک باپ ہونے کے ناطے مجھے تکلیف بھی ہوتی اور وہ ایسی چیز ہے کہ جس پر میرا بس نہیں ہے -

اپنے پیارے بچوں کی یاد میں غم زدہ ہو جانا اور کبھی کبھی ان کی معصوم صورتوں کا تصور کر کے سوچ کے جہاں میں کھو جانا نہ بزدلی ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کے منافی ہے - ہاں ایسی محبت جو انسان کو خدمت اسلام سے روک دے یا ناجائز کاموں پر مجبور کر دے واقعی اسلام کی تعلیمات کے منافی ہے - اللہ تعالیٰ ہر مجاہد اسلام کو دارین کی سعادتوں سے ہمکنار فرمائے -

سپیکر صوبائی اسمبلی کے نام خط :-

۲۲ اپریل کو سپرنٹنڈنٹ جیل کی وساطت سے میں نے ایک خط سپیکر صوبائی اسمبلی چوہدری پرویز الٰہی کے نام لکھا - جس میں انہیں یاد دلایا کہ سابقہ دور میں جب وہ اپوزیشن میں تھے اور جیل میں تھے تو وہ کس طرح سپیکر اسمبلی سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ مجھے اسمبلی میں بلوایا جائے - اب جبکہ سپریم کورٹ نے آصف زرداری کی اپیل پر یہ فیصلہ دیا ہے کہ

اسیر رکن اسمبلی کی ایوان میں شرکت کو ضروری بنانا سپیکر اسمبلی کی ذمہ داری ہے تو پھر آپ مجھے اسمبلی کے اجلاس میں طلب کرنے کے لئے اسی طرح آرڈر جاری کریں جس طرح سپیکر منتخب ہونے کے بعد تیسرے روز مجھے کوٹ لکھپت جیل سے بلوایا تھا۔ میں نے خط میں مزید لکھا کہ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ آپ مجھے بلوانے کے لئے پروڈکشن آرڈر جاری نہیں کریں گے۔ لیکن میں یہ خط صرف اس لئے لکھ رہا ہوں تاکہ یہ بات تاریخ کا حصہ بن جائے کہ آپ کا کردار کس قدر جانبدارانہ اور حکومتی انتقامی پالیسی کی حمایت میں تھا۔ تاکہ آئندہ لوگ جان سکیں کہ آپ بلامقابلہ منتخب ہونے والے سپیکر کس قدر بے اختیار اور بے بس سپیکر تھے۔ میں نے اس خط میں مزید لکھا آپ حکمرانوں سے کہیں کہ اس شخص کو جیلوں میں ڈال کر تشدد کر کے تو تم جھکا نہیں سکے ہو اب گولی مارنے کا آرڈر دے کر دیکھ لو۔ ہم چاہے ایک دن جیل میں رہیں یا ایک سال رہیں۔ ہم اپنے مشن سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ میرے جو جذبات آزاد فضاؤں میں اور اسمبلی کے اجلاس میں ہوتے تھے۔ آج بھی میں انہی جذبات سے لبریز ہوں۔ یہ جیلیں ہتھکڑیاں اور مقدمات ہمارے حوصلوں کو شکست نہیں دے سکتی ہیں۔

سپاہ صحابہؓ کا اسلام آباد میں احتجاجی مظاہرہ اور حکمرانوں کی حواس باختگی:-

قائد سپاہ صحابہ مولانا علی شیر حیدری اور میری گرفتاری کے خلاف ۲۷ اپریل کو اسلام آباد میں قومی اسمبلی کے سامنے احتجاجی مظاہرہ کرنے کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے مظاہرہ روکنے کے لئے پورا اسلام آباد پولیس کے ہزاروں جوانوں کے ذریعہ سیل کر دیا۔ جہاں کوئی داڑھی والا نظر آیا اسے گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اسمبلی کو جانے والے تمام

راستے مسدود کر دیئے گئے۔ بڑے پیانے پر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود حکمرانوں کی تمام منصوبہ بندی اس وقت خاک میں مل گئی جب کارکن سینکڑوں رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے اچانک اسمبلی کے سامنے جا پہنچے۔ ادھر اسلام آباد پولیس مظاہرہ سے چند گھنٹے قبل سپاہ صحابہؓ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی، مرکزی ڈپٹی سیکرٹری علامہ شعیب ندیم کو گرفتار کر چکی تھی۔ لیکن جب کارکنوں کو روکنا حکومت کے بس میں نہ رہا تو وزیر داخلہ نے ان گرفتار شدہ لیڈروں کو اپنے پاس بلوالیا اور انہیں یقین دلایا کہ اگلے ہفتے میں وزیر اعلیٰ کے ہمراہ سپاہ صحابہؓ کے لیڈروں سے ملاقات کر کے آپ کے مطالبات پورے کریں گے۔ اس لئے اس احتجاجی مظاہرہ کو پرامن طور پر اختتام پذیر کیا جائے۔ لیڈران نے مجھ سے اور قائد محترم مولانا حیدری سے ملاقات کی اجازت حاصل کرلی اور احتجاجی مظاہرہ سے خطاب کر کے کارکنوں کو مذاکرات کی خبر سنا کر پرامن طریقے سے گھروں کو لوٹ جانے کا حکم دیا۔

قائدین سپاہ صحابہؓ کی مجھ سے ملاقات اور حکمرانوں کی وعدہ خلافی:۔

۲۶۔ اپریل کی صبح قائمقام نائب سرپرست اعلیٰ سپاہ صحابہؓ خلیفہ عبدالقیوم مرکزی صدر شیخ حاکم علی اور علامہ شعیب ندیم صاحب میرے پاس اٹک جیل پہنچے اور مجھے گذشتہ روز کے مظاہرہ اور مذاکرات کی تفصیلات بتائیں۔ میں نے کہا مجھے ہرگز امید نہیں ہے کہ حکمران آپ سے مذاکرات کر کے مسئلہ حل کریں گے۔ لیکن یہ حضرات پرامید رہے کہ وزیر داخلہ سے ہماری بات ہوئی ہے۔ میں نے کہا یہ لوگ اس قدر جھوٹے ہیں کہ ان کی مثال نہیں ملتی۔ یونہی ہوا کہ اگلے ہفتے ان حکمرانوں نے ملاقات تک کا وقت نہ دیا کیونکہ اسلام آباد کے مظاہرہ کی بلا ان کے سر سے ٹل چکی تھی۔

قائد سپاہ صحابہ مولانا شیر حیدری کو تین سال قید کی سزا:-

۹ مئی کی صبح روزنامہ خبریں میں یہ خبر پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ گوجرانوالہ کی انسداد دہشت گردی کی عدالت کے جج نے قائد سپاہ صحابہؓ علامہ علی شیر حیدری کو پسرور میں کی جانے والی ایک تقریر کے مقدمہ میں تین سال قید اور دس ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنا دی۔ حالانکہ اس تقریر میں کوئی ایسی بات بھی نہیں تھی۔ جس پر دفعہ ۲۹۵ الف تعزیرات پاکستان کا اطلاق ہوتا۔ چونکہ نواز شریف حکومت ایران کی خوشنودی کے لئے یہ طے کر چکی ہے کہ سپاہ صحابہؓ کو ختم کر کے ہی دم لے گی۔ (اللہ تعالیٰ انہیں اس سازش میں ناکام فرمائے) یہ فیصلہ اس پالیسی کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی انسداد دہشت گردی کے جج صاحبان کرائے کے ٹٹو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ کیونکہ حکومت جب چاہے کسی آدمی کو اس طرح کی عدالت بنا کر کرسی پر بٹھا دے اور جب چاہے کان سے پکڑ کر جج صاحب کو گھر بھیج دے۔ بے نظیر کے دور میں ایسے ججوں کو "جیالا جج" کہتے ہوئے موجودہ مسلم لیگی حکمرانوں کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں اور اس طرح کی عدالت نے شیخ رشید کو کلاشنکوف کے مقدمہ میں سات سال سزا سنا دی تھی اور آج یہ "متوالے جج" ہیں جو ہوم ڈیپارٹمنٹ کی ہدایات پر فیصلے سناتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں سپریم کورٹ نے انسداد دہشت گردی کے اس کالے قانون کے خلاف یہ فیصلہ دیا کہ ان عدالتوں کے جج مستقل ہونگے اور ہائی کورٹ کے ماتحت ہونگے۔ اگر اس فیصلہ پر عمل ہو جاتا ہے تو پھر حکومت کی تمام سازشیں ناکام ہو جائیں گی اور مخالفین کو "متوالے ججوں" سے سزا دلوانے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ مولانا علی شیر حیدری کی سزا کے فیصلے کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ ہائی کورٹ سے ضرور اس ظلم کا ازالہ ہو گا۔ تاہم وقتی طور پر اس فیصلے سے دشمنوں کے گھروں میں خوشی سے گھی کے چراغ جلے ہیں اور اسلام پسند طبقوں میں سخت تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔

روزنامہ اوصاف میں امام مہدی کے عنوان پر تحریری بحث:۔

۴ مئی ۱۹۹۸ء کے روزنامہ اوصاف اسلام آباد میں سپاہ محمد کے لیڈر زاہد الراشدی کا ایک مختصر سا انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں اس نے مجھ پر امام مہدی کی گستاخی کا الزام لگاتے ہوئے مجھے واجب القتل قرار دیا۔ زاہد الراشدی کی حیثیت و شخصیت سے مجھ سے بڑھ کر کون آگاہ ہوگا۔ میں نے بارہا اس شخص پر انتہائی شرمناک الزامات کے ثابت ہونے کے باوجود اسے اپنی اصلاح کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ ۲۵ جولائی ۱۹۹۵ء کو جس روز میں نے روپوشی کے اختتام پر پشاور میں گرفتاری پیش کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ صبح کے وقت اسلام آباد سے میں نے کراچی میں برادر مکرم مولانا محمد احمد مدنی کو فون پر اپنا پروگرام بتایا تو وہ مجھے فرمانے لگے کہ میرے پاس جھنگ کا زاہد الراشدی بیٹھا ہے۔ اس سے بات کریں۔ میں نے فون پر اس سے پوچھا کہ تم کراچی کیا لینے گئے ہو؟ اس کے پاس "بس ایسے ہی چلا آیا" کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے مولانا مدنی صاحب سے دوبارہ بات کرتے ہوئے انہیں ہوشیار کیا کہ اس شخص کے فریب میں نہ آجانا اور کسی قسم کا اس پر اعتماد نہ کرنا۔ چند روز کے بعد میں نے اخبارات میں پڑھا کہ زاہد الراشدی ٹھوکر نیاز بیگ لاہور جاکر شیعہ تخریب کار غلام رضا نقوی کے ہاتھ پر شیعیت قبول کرچکا ہے۔ میرے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا۔ "پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔" کیونکہ موصوف کی جس قسم کی عادات تھیں۔ ان کا علاج ادھر ہی سے ہو سکتا تھا۔ اب اپنی حیثیت کو شیعہ کے اندر اجاگر کرنے کے لئے نہایت ہی شرمناک اور گھٹیا انداز اختیار کرکے اس شخص نے بکنا شروع کردیا۔ گذشتہ تین سال سے اس کا بار بار یہ دعویٰ سامنے آیا کہ میں مولانا اعظم طارق کے بارہ میں اہم انکشاف کروں گا۔ مگر ٹائیں ٹائیں فش" سے آگے کوئی بات نہ تھی۔ اب جب اس کا انٹرویو اوصاف میں شائع ہوا تو میں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "صرفِ میں ہی واجب

القتل کیوں" کے عنوان سے مندرجہ ذیل مضمون اوصاف کو بھیج دیا۔ جو ۱۰ مئی کو شائع ہو گیا۔ مضمون پیش خدمت ہے۔

صرف میں ہی واجب القتل کیوں؟

۴ مئی کو اسلام آباد کے کثیر الاشاعت روزنامہ اوصاف میں شیعہ تنظیم سپاہ محمد کے سیکرٹری اطلاعات زاہد الراشدی صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا۔ جس میں موصوف نے اپنی قابلیت وعلمیت کی دھاک اپنے ہم مذہبوں پر بٹھانے اور انہیں یہ احساس دلانے کے لئے کہ "میں دل سے تمہارا ہی ہوں مجھ پر اعتبار کرو" جہاں اور بڑے بڑے مطالبات کیے ہیں اور سپاہ صحابہؓ پر الزام لگانے کی پرانی عادت کو پورا کیا ہے۔ وہاں میرا نام لے کر ایک تو مجھے گستاخ امام مہدی قرار دیا ہے۔ دوسرے مجھے واجب القتل قرار دیا ہے۔

مجھے چونکہ ذاتی طور پر لیڈر موصوف کے مبلغ علم اور عادات وخصائل کا مشاہداتی' علم ہے کیونکہ وہ جھنگ ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آج تک میں نے کبھی بھی ان کی کسی بات، بلند وبانگ دعویٰ، حتیٰ کہ تہمت طرازی کا جواب نہیں دیا ہے۔ کیونکہ میں انہیں اس قابل ہی نہیں سمجھتا ہوں کہ ان کی کسی بات کا جواب دوں۔

لیکن اب چونکہ خوش قسمتی سے روزنامہ اوصاف جیسے قومی اخبار میں انہوں نے ایک بحث کا آغاز کر دیا ہے تو میں بصد شوق اس عنوان پر اپنا موقف بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ تاکہ دنیا کے سامنے ایک حقیقت آشکار ہو سکے۔

اس وقت میرا موضوع صرف اور صرف "نظریہ امام مہدی" پر اپنا اور اپنے ہم مذہب مسلمانوں کا موقف بیان کرنا ہے اور ساتھ ساتھ تقابل کے طور پر شیعہ مذہب کا موقف انہی کی مستند کتب سے پیش کر کے اصل وجہ فساد کو بھی بیان کرنا ہے۔

میں اس وقت اس بات کی طرف نہیں جاتا ہوں کہ مجھے قتل کرنے کے لئے سپاہ محمد

تحریک جعفریہ اور ان کے سرپرستوں نے کیا کیا اقدامات کیے ہیں۔ کیونکہ مجھ پر ایک درجن سے زائد مرتبہ گولیوں راکٹ لانچروں اور بموں سے حملہ کرنیوالوں کو جان لینا چاہیے کہ!

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

میرے عقیدہ مہدویت کی بنیاد حضرت خاتم المعصومین ﷺ کی وہ متواتر احادیث ہیں۔ جن میں آپ نے اس امام مہدی کی پیش گوئی فرمائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں سے نزول کے قریبا چالیس سال قبل مدینہ منورہ کی ایک نواحی بستی میں پیدا ہونگے۔ جن کے والد ماجد کا نام عبداللہ اور اپنا نام محمد والدہ ماجدہ کا نام آمنہ ہوگا۔ چالیس سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے وقت کے قطب و ابدال انہیں علامات سے پہچانیں گے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرکے کفار و نصاریٰ کی ان فوجوں سے جہاد کریں گے جو مکہ المکرمہ کی سرحد کے قریب پہنچ چکی ہوں گی۔ جب حضرت مہدی اپنے رفقاء سمیت دمشق کی جامع مسجد میں نماز عصر کی تیاری فرما رہے ہوں گے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا اور وہ حضرت مہدی کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے۔

بعد ازاں دونوں مقدس شخصیات لشکر اسلام کے ہمراہ دجال اور اس کے حواریوں کے مقابلہ میں اتریں گی اور دجال کو "لد" کے مقام پر قتل کریں گی۔ باطل قوتوں کو شکست فاش ہوگی اور پوری سرزمین پر اسلام کا بول بالا ہوگا۔

نہایت مختصر لفظوں میں اپنا نظریہ بیان کرنے کے بعد اب میں تصویر کا دوسرا رخ یعنی شیعیت کا نظریہ امام مہدی پیش کرتا ہوں اور اس ذمہ داری کے ساتھ پیش کرتا ہوں کہ کسی بھی عالم و جاہل کو اس کا انکار نہیں ہوگا۔

امام مہدی اور مذہب شیعہ:۔

شیعہ مذہب کی کتب صحاح اربعہ اور ملاں باقر مجلسی کی تصنیفات اور ایران کے رہنما آیت اللہ خمینی کی تالیفات اس بات پر شاہد ہیں کہ امام مہدی تیسری صدی ہجری میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کے والد کا نام حضرت حسن عسکری والدہ کا نام نرجس یا نرگس ہے وہ بچپن ہی میں عراق میں مشہور "غار سر من رای" جسے "غار سامرہ" کہا جاتا ہے میں غائب ہے اور قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔ بوقت ظہور آپ کے پاس اصلی قرآن مجید و مصحف فاطمہ تابوت سکینہ عصاء موسیٰ بھی ہوگا جو وہ ہمراہ لے گئے تھے۔ اتنے سے تعارف کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل سنت والجماعت اور میرے عقیدہ کے مطابق جس امام مہدی کی پیش گوئی کتب حدیث میں ہے ان کی پیدائش والدین کے نام اور مقام ظہور پر ہمارے اور اہل تشیع میں بنیادی اور اصلی اختلاف پایا جاتا ہے۔ آج پوری دنیا میں کسی بھی غیر شیعہ کا یہ نظریہ ہرگز نہیں ہے کہ امام مہدی پیدا ہو کر غائب ہو چکے ہیں اور امام مہدی کے والد کا نام حضرت حسن عسکری اور والدہ کا نام نرگس یا نرجس ہے۔

اہل سنت والجماعت اور اثنا عشری شیعہ کے مابین امام مہدی کے مسئلہ پر قریباً چالیس باتوں میں بنیادی اختلاف ہے۔ اگر کسی کو تفصیلات کا شوق ہو تو وہ دو سال قبل اس عنوان پر کوٹ لکھپت جیل میں لکھی جانے والی مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہید کی تصنیف امام مہدی فاروقی شہید اکیڈمی جامعہ عمر الفاروق راوی محلہ سمندری ضلع فیصل آباد سے منگوا کر اس بحث کو علمی و تحقیقی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ یہ بات ایک مسلمہ امر ہے کہ شیعہ حضرات جسے امام مہدی مانتے ہیں۔ وہ اور شخصیت ہے اور مسلمان جس امام مہدی کے منتظر ہیں وہ اور شخصیت ہے۔

اب تک کی مختصر تحریر سے قارئین کرام بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ نظریہ امام مہدی

پر اہل سنت والجماعت اور شیعہ کا بنیادی اختلاف ہے۔ لیکن میرا جرم اور قصور یہ ہے کہ میں نے اپنی تقاریر اور قومی اسمبلی کے خطابات میں اس بات پر شدت کے ساتھ احتجاج کیا ہے کہ شیعہ مذہب کی نہایت مستند کتب اور ملاں باقر مجلسی کی تصنیفات خصوصاً حق الیقین جس کی تعریف و توصیف خود آیت اللہ خمینی صاحب نے اپنی کتاب کشف الاسرار میں نہایت مبالغہ سے کی ہے اور اس طرح منتہی الامال جیسی ضخیم کتاب بصائر الدرجات وغیرہ میں تفصیل کے ساتھ یہ تحریر کیا گیا ہے کہ ہمارے امام مہدی جب ظاہر ہوں گے تو ان کے ہاتھ پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بیعت کریں گے (نعوذ باللہ)

ہمارے امام مہدی روضہ رسول ﷺ کو گرا کر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو (نعوذ باللہ) قبروں سے نکال کر زندہ کریں گے اور انہیں دن میں ہزار ہزار مرتبہ سولی چڑھائیں گے۔

ہمارے امام مہدی یعنی قائم آل محمد۔ حضرت عائشہ کو قبر سے نکال کر اس پر حد جاری کریں گے۔ (نعوذ باللہ)

ہمارے امام مہدی یعنی صاحب العصر کافروں سے قبل سنیوں کو قتل کریں گے اور ابتداء سنی علماء کے قتل سے کریں گے۔

صرف یہ چار باتیں میں نے نقل کفر کفر نہ باشد کے اصول پر اشارۃ لکھی ہیں۔ ورنہ ان کتب میں اور شیعہ مذہب کی دیگر بنیادی کتب میں جو حالات و واقعات ظہور امام مہدی کے بعد کے تحریر کیئے گئے ہیں۔ انہیں لکھنا کسی صاحب ایمان کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

صرف ان چار "کارناموں" کو پڑھ کر کوئی صاحب ایمان شخص یہ بتائے کہ وہ ایسے شخص کو ایک لمحہ کے لئے بھی امام مہدی تسلیم کرنے اور اس کی عزت و عظمت کو ماننے کے لئے تیار ہے؟۔

میں نے اپنی تقاریر میں انہی باتوں کی بناء پر علی الاعلان کہا ہے اور اب بھی بابانگ

ڈھول ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں کہ جس شخص کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس کے ہاتھ پر اللہ کے آخری رسول بیعت کریں گے اور وہ روضہ رسول کو گرا کر حضرات شیخین کی توہین کرے گا ام المومنین حضرت عائشہ پر حد جاری کرے گا اور کافروں سے قبل مسلمانوں کو قتل کرے گا۔ ہم اسے امام مہدی تو کجا ایک شریف انسان بھی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اور ایسے ناپاک عزائم رکھنے والے شخص کو بد ترین کافر، واجب القتل اور عبرتناک سزا کا مستحق یقین کرتے ہیں۔ اگر ہماری زندگی میں کوئی ایسا دعویٰ کرے گا یا ایسی ناپاک کوشش کرے گا تو اسے جوتوں کا ہار پہنا کر کالے منہ کے ساتھ بازیچہ اطفال بنا کر دم لیں گے۔

اب آخر میں میری شیعہ مذہب کے لیڈروں سے التماس ہے کہ وہ خود میدان میں آئیں اور اس بات کا اعلان کریں کہ جو کچھ ملاں باقر مجلسی نے اپنی کتاب حق الیقین میں لکھا ہے اور دوسرے مصنفین نے ہرزہ سرائی کی ہے۔ ہم اس سے براۃ کا اعلان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھیں کہ ہمارے نزدیک اس شخص کی کیا سزا ہے جو ان کتب میں تحریر کردہ باتوں کا مصداق بننے کی کوشش کرے؟

اسی طرح میں علماء اہل سنت سے بھی التماس کروں گا کہ وہ ضرور اس بات کا جائزہ لیں کہ میرا عقیدہ و نظریہ امام مہدی کے بارے میں جو میں نے بیان کیا کس حد تک صحیح ہے اور خود ان کا اس شخص کے بارہ میں کیا خیال ہونا چاہیے۔ جو مہدی کے نام پر مندرجہ بالا بیان کردہ ناپاک عزائم کی تکمیل کا خواہش مند ہو۔ اگر کسی طرف سے اس عنوان پر تحقیقی تحریر میرے موقف کے خلاف شائع ہوئی تو مجھے ایک مرتبہ پھر وضاحت کا حق حاصل ہو گا۔



اس مضمون سے شیعیت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہو گیا۔ ۱۸ مئی کو ایم عارف رضا کے قلمی نام سے کسی بڑے مجتہد شیعہ کی طرف سے اس کا جواب لکھا گیا اور اس مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ تیسری صدی ہجری میں سامرہ شہر میں پیدا ہونے والا محمد بن حسن عسکری ہی امام مہدی ہیں اور اہل سنت والجماعت بھی انہی کو امام مہدی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں میں نے مولانا عبدالرحیم کے نام سے جواب لکھا جس میں دس احادیث مبارکہ کے ذریعہ ثابت کیا کہ شیعہ کے مزعومہ امام مہدی اور اہل سنت کے امام مہدی میں کن کن باتوں پر اختلاف ہے۔ اس مضمون کی اشاعت اوصاف اخبار میں ۲۵ مئی کو ہوئی۔ اس کے بعد کسی شیعہ کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا ورنہ میری طرف سے جواب الجواب کی بھرپور تیاری تھی۔

پنجاب میں بلدیاتی الیکشن اور جھنگ میں جھنگوی گروپ کی کامیابی:-

مسلم لیگ کی حکومت قائم ہونے کے بعد یہ قیاس زور پکڑتا جا رہا تھا کہ اب حکومت بلدیاتی الیکشن کرا کر شہری اور دیہاتی سطح پر بھی اپنی جڑیں مضبوط کرے گی۔ چونکہ ۲۸۔ دسمبر ۹۱ء کے بلدیاتی الیکشن بھی مسلم لیگ کے سابقہ دور میں ہوئے تھے اور مسلم لیگ کو اس میں واضح کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ضلع کونسلوں، میونسپل کارپوریشنوں اور بلدیہ کی چیئرمینی کی سیٹوں پر مسلم لیگ ہی کے افراد براجمان تھے۔ اس لئے ۱۹۹۳ء میں پیپلز پارٹی نے برسراقتدار آتے ہی بلدیاتی الیکشن کے نتیجہ میں بننے والی باڈیاں ختم کر دیں تھیں۔ گو کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ سے چند دن کے لئے بلدیاتی باڈیوں کی بحالی ہوئی لیکن پنجاب حکومت نے بلدیاتی قانون ہی تبدیل کر لیا۔ تاکہ "نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" پیپلز پارٹی کا مزاج ہی بلدیاتی سیاست کے خلاف ہے۔ اب مسلم لیگ کا دوبارہ دور آیا تو دو طرح کی صورتیں حکمرانوں کے سامنے تھیں۔ پہلی صورت یہ تھی کہ پنجاب اسمبلی سے قانون پاس کرا کر

سابقہ بلدیاتی باڈیاں بحال کر دی جائیں۔ دوسری صورت یہ تھی کہ نئے الیکشن کرائے جائیں۔ بالآخر الیکشن کی تاریخوں کا اعلان کیا گیا لیکن جلد ہی وہ اعلان واپس لے کر دوسرا اعلان کر دیا گیا۔ پھر وہ اعلان بھی واپس لے کر ۲۰ مئی ۱۹۹۸ء کو الیکشن کا اعلان کیا گیا۔ سابقہ دو اعلانات کی طرح اب بھی عوام کو یقین تھا کہ یہ تاریخ بھی کینسل ہو جائے گی لیکن اس بے یقینی میں الیکشن مہم شروع ہو گئی۔

جھنگ میں میری عدم موجودگی اور ۳ فروری ۹۷ء کے الیکشن میں جماعت کی اچھی کارکردگی نہ ہونے کے باعث کافی مایوسی اور ناامیدی کی فضاء قائم تھی۔ مرکزی لیڈران بھی الیکشن میں دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ بعض اپنے ہی مایوس ذہن یہاں تک سوچنے لگے تھے کہ ہمیں اپنی عزت باقی رکھنے کے لئے الیکشن کا بائیکاٹ کر دینا چاہیے۔ جن لوگوں کو ذاتی نقصان ہو چکا تھا اور آئندہ کسی فائدہ کی امید نہ تھی۔ انہوں نے تو یہاں تک گوہر افشانی کر دی کہ چار سیٹیں بمشکل ملیں گی۔ بہت بے عزتی ہو گی۔ دراصل ان حضرات کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ جماعت ہمارا نام ہے اور ہم اگر سرگرم نہیں ہونگے تو بس جماعت ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ جماعت نہ اعظم طارق کی محتاج ہے نہ کسی اور بڑے لیڈر کی۔ یہ کارواں چلتا رہے گا۔ جو اس میں شریک ہو گا۔ عزت پائے گا جو الگ ہو گا۔ رسوا ہو گا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ عمر دراز فرمائے اور صحت و عافیت سے نوازے مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب اور مولانا عبدالغفور جھنگوی صاحب کو کہ ان حضرات نے میرے توجہ دلانے پر کمر ہمت کس لی اور میدان میں اتر آئے پھر ان کے ہمراہ شیخ حاکم علی بھی مل گئے اور ادھر حاجی منیر احمد کونسلر جیسے مخلص آدمی بھی ان کے ساتھ تھے۔ اب جب یہ چاروں حضرات مل کر چل پڑے تو حرکت میں برکت پیدا ہو گئی۔ جھنگوی گروپ کے نمائندے میدان میں اتر آئے۔ گو بعض جگہ فیصلے درست نہ ہو سکے لیکن مجموعی طور پر بہت اچھا کام ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۵۴ بلدیاتی سیٹوں میں سے ۲۴ سیٹیں جھنگوی گروپ جیت گیا۔ شیخ اقبال اور امان

اللہ سیال گروپ مل کر سترہ سیٹیں جیت پائے۔ مسلم لیگ کو سات سیٹیں ملیں باقی آزاد امیدوار جیت گئے۔ الیکشن سے اگلے روز جہاں اخبارات میں یہ خبریں تھیں کہ پنجاب میں مسلم لیگ نے میدان مار لیا۔ وہاں یہ خبریں بھی نمایاں تھیں کہ جھنگ کا میدان سپاہ صحابہؓ کے ہاتھ میں رہا۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی کرم اور فضل تھا کہ جماعت کی ساکھ اور عزت محفوظ رہی۔ چونکہ اس الیکشن میں مسلم لیگ اور شیخ اقبال گروپ کی صوابدید پر تیرہ مزید حلقے بڑھائے گئے تھے اور حلقہ بندی سے سپاہ صحابہؓ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح جھنگوی گروپ کے تین چار امیدوار محض پانچ دس ووٹوں سے شکست کھا گئے۔ لیکن بلدیاتی الیکشن میں کاسٹ ہونے والے جھنگ کے مجموعی ووٹوں کا حساب کیا جائے تو سپاہ صحابہؓ کو نصف سے زیادہ ووٹ حاصل ہوئے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ سپاہ صحابہؓ آج بھی جھنگ میں اسی طرح مقبول ہے جس طرح پہلے تھی۔

الیکشن سے صرف چند روز قبل مجھے اپنے سیکرٹری راشد محمود کی طرف سے پیغام ملا کہ شیخ اکرم برادر شیخ اقبال نے اسے کہا ہے کہ ہم لوگ باہم مل کر کوئی ایڈجسٹمنٹ کریں اور ایک دوسرے کے حق میں امیدوار بٹھالیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ ایسی حماقت بالکل نہ کی جائے۔ نظریاتی جماعتیں، نظریات کی بناء پر ہر میدان میں اترتی ہیں۔ مفادات کی سیاست کا شکار ہو کر ہم اللہ اور عوام کے سامنے ملزم بن جائیں گے۔

اب جبکہ میں یہ واقعات تحریر کر رہا ہوں۔ بلدیاتی الیکشن کو ساڑھے پانچ ماہ مکمل ہونے والے ہیں لیکن حکمرانوں کی ہٹ دھرمی یا دھاندلی کا اندازہ لگائیں کہ ابھی تک چیئرمینوں کے الیکشن صوبہ بھر میں نہیں ہوئے ہیں۔ حکمرانوں نے ڈپٹی کمشنروں اور وزیروں کے ذریعہ جوڑ توڑ کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے۔ سرکاری خزانہ سے رشوت دے کر منتخب کونسلروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس لئے میں نے مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب کو خط لکھ کر اس بات کا پابند کر دیا ہے۔ کہ وہ اپنی جدوجہد جاری

رکھیں اور کونسلر حضرات سے رابطہ رکھیں۔ لیکن اگر حکمرانوں نے دھونس دھاندلی کے ذریعہ چیئرمینی حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ پھر اپنے ساتھیوں کو کہیں کہ ڈٹ کر اپوزیشن کا کردار ادا کریں۔ کیونکہ ہمیں حکمرانوں کا آلہ کار بن کر عوام سے کیئے ہوئے وعدوں کے خلاف قدم ہرگز نہیں اٹھانا۔ جہاں تک جماعت کی طرف سے چیئرمینی کا فیصلہ ہے تو اسے اتفاق رائے سے حل کرلیا جائے۔ ادھر چونکہ مجھ سے ملاقات کے موقع پر گذشتہ گیارہ ماہ سے سخت پابندی ہے۔ اس لئے نہ تو الیکشن سے قبل کسی امیدوار سے ملاقات ہو سکی نہ الیکشن کے بعد منتخب کونسلر حضرات سے ملاقاتیں ہو سکی ہیں۔ ورنہ اگر ملاقات کھلی ہوتی تو بہت حد تک اس کا الیکشن پر اثر ہوتا۔ یہ حکمرانوں کی دھاندلی نہیں تو اور کیا ہے کہ مجھے پنجاب کے آخری کونہ میں بند کرکے ملاقات کے دروازے بھی مقفل کردیئے ہیں۔ ورنہ انہیں معلوم ہے کہ جھنگ کے عوام کس طرح ہماری آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ (نوٹ) آج جب ۱۵ نومبر کو اس کتابت شدہ مسودہ کا مطالعہ کر رہا ہوں تو صورت حال یہ ہے کہ جھنگوی گروپ نے خواتین کی مخصوص آٹھ اور مزدوروں کی مخصوص چار نشستیں بھی جیت لیں ہیں۔ اب الحمدللہ چیئرمینی یقینی طور پر جھنگوی گروپ کی ہوجائے گی

بھارت اور پاکستان کے ایٹمی دھماکے۔ جیل میں مٹھائی تقسیم کرانے پر حکومت پنجاب کو تشویش:۔

۱۳ مئی کو بھارت نے پانچ ایٹمی دھماکے کرکے براعظم ایشیاء میں اپنی تھانیداری کا رعب جمانے کی کاروائی شروع کردی۔ ایٹمی دھماکہ کے بعد بھارتی وزیراعظم، وزیر خارجہ وغیرہ کے نہایت ہی دھمکی آمیز بیانات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پاکستانی قوم خصوصاً اور پورا عالم اسلام بھارت کی اس حرکت سے حیران و ششدر رہ گیا۔ پاکستان کی بقاء و سلامتی خطرہ

میں پڑ گئی اور قوم عدم تحفظ کا شکار ہو کر رہ گئی۔

ہر طرف سے حکومت پر دباؤ بڑھنے لگا کہ ایٹمی دھماکہ کا جواب ایٹمی دھماکہ سے دیا جائے۔ امریکہ، برطانیہ، روس اور بڑی قوتیں پاکستان پر دباؤ بڑھانے لگیں کہ ایٹمی دھماکہ نہ کیا جائے اور بڑی بڑی پیش کشیں کی گئیں۔ قریب تھا کہ حکمران لالچ یا دباؤ کا شکار ہو جاتے لیکن عوام کے موڈ سے صاف طور پر یہ بات نظر آ رہی تھی کہ اگر حکمران ایٹمی دھماکہ نہیں کرتے تو قوم ان کا دھماکہ کر دے گی۔ چنانچہ ۲۸ اور ۳۰ مئی کو پاکستان نے چھ ایٹمی دھماکے کر کے انڈیا کے دھماکوں کا جواب دے دیا اور ہندو بنئے کا ادھار مع سود چکا دیا۔ ان ایٹمی دھماکوں کا پوری قوم نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ خود مجھے بے انتہاء مسرت ہوئی کیونکہ میری طرف سے مسلسل اخبارات میں بیان آ رہے تھے کہ حکومت ایٹمی دھماکہ کرے۔ چنانچہ میں نے نوافل شکرانہ ادا کیے اور ۲۹ مئی کو سپرنٹنڈنٹ صاحب کو ایک ہزار روپیہ نقد دیا کہ مٹھائی منگوا دیں۔ باہر سے مٹھائی منگوا کر جیل میں تقسیم کی گئی۔ باہر کے احباب نے جیل میں میری طرف سے مٹھائی تقسیم کی خبر اخبارات کو جاری کر دی۔ اخبارات میں خبر کا جاری ہونا تھا کہ حکومت پنجاب کو "پسو پڑ گئے۔"

اوپر سے جیل انتظامیہ کے نام نوٹس جاری ہو گئے کہ مولانا اعظم طارق کی مٹھائی کیوں تقسیم ہوئی۔ جواب میں جیل حکام نے لکھا کہ دراصل مٹھائی جیل حکام نے اپنے پیسوں سے منگوا کر تقسیم کی تھی۔ اخبارات نے خبر غلط لگائی ہے۔ چنانچہ صحافی حضرات کی "منت ترلا کر کے" یہ خبر اخبارات میں لگوائی گئی کہ جیل میں حکام کی طرف سے قیدیوں میں مٹھائی تقسیم کی گئی اور قیدیوں نے میاں نواز شریف کے حق میں نعرے لگائے۔ جبکہ ادھر نہ حکام کی طرف سے ایک دانہ مٹھائی کا آیا اور نہ کسی ایک بچے نے نواز شریف زندہ باد کا نعرہ لگایا۔

۲۹ تاریخ ہی کو میں نے وزیر اعظم، صدر، چیف آف آرمی سٹاف اور ڈاکٹر عبد

القدیر کو خطوط لکھ کر بذریعہ سپرنٹنڈنٹ روانہ کیے۔ جن میں ان ایٹمی دھماکوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپیل کی تھی کہ پاکستان کے جوہری پروگرام کو مزید وسعت دی جائے اور ایٹمی ترقی کے میدان میں تیزی سے آگے بڑھا جائے۔ سی ٹی۔ بی ٹی یعنی ایٹمی دھماکے نہ کرنے اور دیگر پابندیاں قبول کرنے کے معاہدہ پر ہرگز دستخط نہ کیئے جائیں۔ بلکہ اسے مسئلہ کشمیر سے مشروط کر دیا جائے کہ جب تک مسئلہ کشمیر کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل نہیں ہو گا۔ اس وقت تک پاکستان کسی بھی ایسے معاہدہ پر دستخط کر کے اپنے ہاتھ نہیں بندھوا سکتا ہے۔ اس موقع پر ملک کی اقتصادی و معاشی صورت حال کو صحیح سمت چلانے کے لئے مشورے بھی تحریر کیے۔

امام مسجد نبویؐ شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی کی معرکتہ الارء تقریر اور شیخ کے خواب کا ذکر پڑھ کر طبیعت پر رقت طاری ہوگی:-

۱۹۹۸ء مئی کے درمیانی عشرہ میں روزنامہ اوصاف میں مولانا زاہد الراشدی صاحب ناظم اعلیٰ شریعت کونسل پاکستان کا مضمون نظر سے گذرا۔ جس میں اس سال ۱۹۹۸ء ذوالقعدہ کے آخری جمعہ میں مسجد نبویؐ کے منبر سے شیخ الحرمین کی تقریر کے امریکی افواج کے بارے میں بیان کردہ ارشادات کی تلخیص درج کی گئی تھی اور اشارۃ "یہ بات بھی مضمون میں تحریر کردی گئی کہ امام مسجد نبویؐ نے ایران اور شیعہ کا بھی اس موقع پر خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ کے بعد شدت سے اس بات کا منتظر تھا کہ شیخ کا مکمل خطاب پڑھنے یا سننے کو مل جائے۔ چنانچہ احباب کے خطوط سے معلوم ہونے لگا کہ اس خطاب کی آڈیو کیسٹیں پاکستان میں تیزی سے عام ہو رہی ہیں۔ کچھ احباب کو میں نے تاکید کی وہ تقریر کا ترجمہ بھجوائیں۔ مگر وہ ایسا نہ کرسکے۔ اس اثناء میں ۳ جون کے روز ساجد

بھائی نے چار عدد ہفت روزہ ضرب مومن کے رنگین صفحات بھجوائے۔ جس میں شیخ حذیفی کے مکمل خطاب کا اردو ترجمہ تھا۔ تاہم شیعہ سے متعلق اہم مواد نہیں تھا۔ یہ مواد بھی ساجد کے ذریعہ مل گیا۔ ادھر کراچی سے برادرم مولانا ضیاء الدین آزاد نے تقریر کا اردو ترجمہ پہنچایا۔ لیکن جس روز ضرب مومن ملا تو اس میں شیخ کی اس تاریخی اور الہامی و انقلابی تقریر کا باعث بننے والے واقعہ کا تذکرہ تھا میں نے جب پڑھا تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ کیونکہ واقعہ ہی کچھ اس قسم کا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقعدہ کے آخری عشرہ میں ایران کا سابق صدر رفسنجانی سعودیہ کے دورہ پر گیا تو اسے سرکاری پروٹوکول دیا گیا اور شیخ حذیفی کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ اسے مسجد نبویؐ کا دورہ کرائیں۔ شیخ جب رفسنجانی کو مواجہہ شریف پر لائے تو رفسنجانی نے بارگاہ رسالت میں سلام پڑھا اور پھر پیچھے ہٹنے لگا تو شیخ حذیفی نے کہا آگے بڑھ کر حضرت ابو بکر حضرت عمرؓ پر بھی سلام پڑھیں تو اس خبیث شخص کی زبان سے ان دونوں حضرات یعنی شیخین کے بارہ میں یہ الفاظ نکلے (اللہ یلعنہما) شیخ نے یہ الفاظ سنے تو دل مسوس کر رہ گئے۔ رات کو شیخ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا علماء امت کو کیا ہو گیا ہے۔ کفار میرے روضہ پر آکر میرے ساتھیوں کو گالیاں دیتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کی فوجیں حرمین کے دروازوں پر آ پہنچیں ہیں اور علماء خاموش ہیں۔ بولتے کیوں نہیں ہیں؟ بس شیخ حذیفی نے اگلے ہی روز جمعۃ المبارک کے موقع پر امریکہ اور اس کے حواریوں اور شیعہ مذہب و ایران کے خلاف وہ تقریر کی کہ حقائق کے چہرے سے پردے ہٹ گئے اس تقریر میں رفسنجانی موجود تھا جو صدائے حق برداشت نہ کر سکا اور اٹھ کر چلا گیا شیخ حذیفی کو اس تقریر کے جرم میں قید کر دیا گیا بعد ازاں رہا کر کے ابہاء کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔

مجھ پر اس واقعہ کا شدید اثر ہوا کئی روز تک میرا کلیجہ منہ کو آتا رہا۔ جب تنہائی میں بیٹھتا تو دل بھر آتا۔ اپنی بے بسی پر سخت دکھ ہوتا، آسمان کی طرف منہ کر کے کہہ اٹھتا اے

کاش میرے اللہ! آج میں باہر ہوتا تو ان کفار کے خلاف اپنی توانائیاں صرف کرتا۔ آخر بے قراری کو قرار تب ملا جب میں نے شیخ حذیفی کی تقریر کا ترجمہ اپنی زبان سے ریکارڈ کرکے اور ساتھ اپنے جذبات پر بھی مبنی تقریر ریکارڈ کرکے جھنگ بھجوائی۔ یہ کام کیسے ہوا اسے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کی کرامت ہی کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ جیل کی سخت ترین پابندیوں اور قید تنہائی میں اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا ہے۔

لاہور میں سپاہ صحابہؓ کا زبردست احتجاجی مظاہرہ اور پولیس کی پکڑ دھکڑ:۔

۲۷ اپریل کو اسلام آباد میں احتجاجی مظاہرہ کے موقع پر حکومت کی طرف سے کئے گئے وعدوں کی خلاف ورزی اور سپاہ صحابہ کی قیادت کارکنوں کے خلاف انتقامی کاروائیوں پر مبنی اقدامات کے خلاف ۶ جون کو مسجد شہداء لاہور میں زبردست احتجاجی مظاہرہ ہوا۔ ہزاروں کارکن تمام رکاوٹوں کو عبور کرکے پولیس کے ساتھ آنکھ مچولی اور کہیں کہیں دو دو ہاتھ کرتے ہوئے مسجد شہداء پہنچ گئے۔ اس مظاہرہ سے دو روز قبل میرے پاس خدمت کے لئے آنے والا قیدی محمد افضل رہا ہو کر اپنے گھر لاہور جا رہا تھا۔ میں نے اسے کارکنوں کے نام پیغام لکھ کر دے دیا کہ وہ مظاہرے میں شریک ہو کر قائدین تک پہنچا دے۔ چنانچہ محمد افضل نے یہ خط مولانا محمد قاری جنرل سیکرٹری صوبہ پنجاب کو اس وقت پہنچایا۔ جب مظاہرہ جاری تھا۔ اگلے دنوں مجھے وہ خط اس نوجوان نے بھجوایا۔ جس پر قادری صاحب کے یہ الفاظ تحریر تھے کہ حکومت آپ کے لئے نرمی کرنے کو تیار نہیں ہے اور مولانا حیدری کے لئے ان کے ہاں کافی نرمی پائی جاتی ہے۔ مزید اس وقت کافی نوجوان گرفتار کیے جا رہے ہیں اور ہم سخت پریشانی کی حالت میں مظاہرہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ سپاہ صحابہؓ کا ان حالات میں مظاہرہ کا اعلان کرکے پھر ہزاروں کی تعداد میں رکاوٹوں کے باوجود جمع ہونا حکمرانوں کے لئے یہ پیغام ہوتا ہے کہ جس جماعت کو تم لوگ ختم کرنے

کے منصوبے بنا کر بے گناہ قائدین و کارکنوں سے جیلیں بھر رہے ہو۔ وہ جماعت اللہ کے فضل سے اب اس حالت میں ہے کہ اس کے ہزاروں رضاکار ایک آواز پر لبیک کہتے ہوئے سر پر کفن باندھ کر دیوانہ وار چلے آتے ہیں اور ان کے دل گولیوں، مقدمات، تشدد ہتھکڑی بیڑی اور جیلوں کے خوف سے آزاد ہو چکے ہیں۔ چنانچہ یہ مظاہرہ بھی افرادی قوت کے اعتبار سے زبردست کامیاب رہا اور حکام نے مذاکرات کے ذریعے اسیران کو رہا اور مطالبات پر پورے کرنے کا ایک مرتبہ پھر وعدہ کر لیا۔

اٹک جیل میں چند نظریاتی ساتھیوں کی آمد اور ان سے ملاقات:۔

جب ہمیں ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کو اس جیل میں لایا گیا تھا۔ اس وقت سپاہ صحابہؓ کے یہاں پر پانچ چھ ساتھی نظر بند تھے۔ لیکن ان سے ہماری ملاقات نہ کرائی گئی۔ جیل کے اندر رفیق پہلوان اور کرنل عنائیت اللہ صاحب چوہدری وجاہت وغیرہ ساتھی جن کا جماعت سے قلبی تعلق تھا لیکن باضابطہ جماعت میں شریک نہ تھے۔ ان حضرات سے کبھی کبھی الگ الگ ملاقات کی کوئی شکل بنتی رہتی۔

عید الاضحیٰ کے چند روز بعد مولانا انور شاکر صاحب ضلعی صدر کے سسر اور چچا محمد خان زمین کے ایک جھگڑے میں جیل آ گئے چنانچہ ان کے لئے بھی اجازت مل گئی کہ روزانہ ایک گھنٹہ کے لئے ادھر ہمارے پاس آ جایا کریں۔ اس طرح جیل میں ایک نوجوان عمر حیات بہت اچھا نعت خواں ہے۔ اس سے بھی نعتیں سننے کے لئے ہر دوسرے تیسرے روز بلوانے کی سہولت حاصل ہو گئی۔ ۱۱ جون کو حضرو کے قاری غلام حیدر ایک مذہبی کیس میں جیل آ گئے۔ انہیں جیل حکام نے بیڑی لگا کر قصوری بند کر دیا۔ اگلے روز انہیں قصوری سے نکال کر بارک نمبر ۹ میں بابا جی محمد خان کے ساتھ رہنے کی سہولت دلوا دی گئی۔ بعد ازاں دس پندرہ ایام میں تین مرتبہ انہیں قاسم بلاک آنے کی اجازت ملی اور ان سے

[illegible] ۱۹۹۲ء میں [illegible] قتل کر [illegible] مقدمہ درج ہوا تھا۔

۱۹۹۳ء میں کراچی [illegible] پولیس نے چھاپہ مار کر ایک نوجوان ضیاء الرحمن فاروقی کو گرفتار کیا۔ [illegible] پولیس کے ہاتھ لگے۔ اگلے ہی روز شام کے وقت ضیاء الرحمن کو جیل [illegible] دی گئی۔ [illegible] صاحب [illegible] کر کے [illegible] اور ۱۹۹۲ء میں ضیاء الرحمن کے [illegible] کے وقت [illegible] میں آنے کی اجازت لے لی گئی۔ اس طرح [illegible] ایک [illegible] ۲۲ [illegible] کر دیا گیا۔ اس مقدمہ میں [illegible] قتل [illegible] ہے۔ جس [illegible] سے [illegible] صرف [illegible] ۱۹۹۵ء سے [illegible] مقدمہ [illegible] کرانے میں کامیابی حاصل کی۔

اس طرح جیل میں ۲۵ اپریل ۹۸ء کو حافظ عبدالقادر [illegible] سے ایک مقدمے میں جیل آ گئے۔ جن کے ساتھ جیل حکام اور نمبرداروں نے نہایت برا سلوک کیا۔ تاہم تیسرے روز ان کو جیل کی مشقت سے نجات دلانے میں ہم کامیاب ہو گئے۔ اب وہ صبح کے وقت ہمارے پاس آتے ہیں تاکہ احباب کو قرآن کریم کی تعلیم دیں۔ اس طرح [illegible] کے تین ساتھی جیل آ گئے۔ ان میں سے ایک [illegible] نوجوان [illegible] ہے۔ اسے روزانہ ایک دو گھنٹوں کے لئے صبح بلایا جاتا ہے تاکہ [illegible] نماز [illegible] کرائے۔ [illegible] پہلوان، آغا ارشد [illegible] وغیرہ تو [illegible] جیل شفٹ ہو گئے تھے ان کے ساتھ [illegible] بہت اچھے گزرے۔ ان کے جانے کے بعد [illegible] اور [illegible] حسین بھی ہمارے پاس [illegible] آتے رہے۔ [illegible] کے آخری عشرہ میں وہ بھی رہا ہو گئے ہیں۔

ویسے تو [illegible] مشکل [illegible] ہے کہ ہم صرف دو ہی مسلمان ہیں [illegible] میں اور [illegible] ورنہ [illegible] اور [illegible] کے لئے [illegible] افراد [illegible] کام کرنے پہنچ جاتے ہیں [illegible] کے [illegible] گئے ہیں [illegible]

کے بھی باری باری آنے سے وقت خوب گزرتا رہتا ہے۔ کبھی عمر حیات کی نعتیں ہوتی ہیں کبھی تلاوت و ذکر و اذکار کا سلسلہ چلتا ہے۔ کبھی گپ شپ ہوتی ہے۔ تو کبھی ایکسر سائز سے جسم پسینہ میں شرابور ہو رہا ہوتا ہے۔ کبھی اخبارات کا مطالعہ ہوتا ہے۔ تو کبھی قلم ہاتھ میں لے کر خطوط کے جوابات اور مضامین لکھنے کی مصروفیت میں کھو جاتا ہوں۔

۲۱ جولائی کو چار ساتھی مولانا حسین احمد، حاجی عبدالرحیم صاحب بنارس خاں نظر بند ہو کر آئے۔ جنہیں جیل کے بلاک نمبر۲ میں بند کر دیا گیا۔ انتظامیہ پر دباؤ ڈال کر اسی روز ان سے ملاقات کی پھر دو روز بعد ہمارے ساتھ بعد عصر کھانا تناول کر کے رہا ہو کر نئے جذبہ سے کام کرنے کا عہد کر کے واپس چلے گئے۔ ۱۷ ستمبر کو علامہ شعیب ندیم کی شہادت کے دوسرے روز پھر پولیس نے پنجاب بھر میں گرفتاری شروع کر دیں اور اٹک جیل میں بھائی عبدالحمید صاحب، نثار احمد اور اللہ بخش کو گرفتار کر کے اٹک جیل میں ایک ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ قریباً پچیس روز بعد ان کی رہائی ہوئی، ان حضرات سے بھی ہفتہ میں دو ملاقاتوں کی اجازت ملتی رہی۔

وزیر اعظم پاکستان کی تاریخی تقریر، ملک میں صوبائیت و لسانیت کے شعلے:۔

۱۱ جون کی شام وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے ریڈیو ٹی وی پر قوم سے ایک تاریخی خطاب کیا۔ انہوں نے اپنے خطاب میں انگریزوں سے وفاداری کے عوض جاگیریں پانے والوں سے زمینیں واپس لینے۔ بیروزگار نوجوانوں کو قرضے فراہم کرنے اور ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے اہم اقدامات کے علاوہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا بھی اعلان کیا اور قرض نادھندگان کے خلاف کاروائی کا اعلان کرتے ہوئے انہیں صرف ایک مہینہ کی مہلت دی

کہ وہ اس مدت میں قرضے واپس کردیں ورنہ ان کا مقام جیل ہوگا۔

بلاشبہ وزیراعظم کی یہ تقریر ملک کو صحیح سمت لانے کی طرف ایک اہم قدم تھا۔ مگر اس تقریر سے قبل بعض قومی امور پر نہ صرف رائے عامہ کو ہموار نہیں کیا گیا تھا بلکہ خود حکومتی سطح پر بھی کوئی تیاری، پلاننگ یا منصوبہ بندی نہیں ہوئی تھی اور پھر تقریر کے بعد بعض مصلحت کوشیاں اور اقرباء پروریاں بھی حکومت کے پاؤں کی زنجیریں بن گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف کالا باغ ڈیم کے عنوان پر پنجاب کے علاوہ باقی تینوں صوبوں میں اشتعال پیدا ہوگیا اور پنجاب مخالف اتحاد وجود میں آنا شروع ہوگئے۔ کالا باغ ڈیم کے خلاف پیپلزپارٹی جیسی قومی جماعت بھی صوبائیت و لسانیت کے عنوان پر کام کرنے والی جماعتوں کی حامی بن گئی۔ خود مسلم لیگ کے سندھ اور بلوچستان کے حامی وزراء اعلیٰ تک نے اس منصوبہ کی مخالفت میں زبان استعمال کی اور پھر بڑھتے بڑھتے یہ احتجاج اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اب حکمران کالا باغ ڈیم اتفاق رائے سے قبل نہ بنانے کے بیانات دے کر ایک طرح سے اپنے اعلان کو خود ہی واپس لے رہے ہیں۔ دوسری طرف کالا باغ ڈیم کے مخالفین حکمرانوں کی وہ خبر لے رہے ہیں کہ خدا کی پناہ اور اب وہ حکمرانوں ہی کو گھر بھجوانے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔

جہاں تک نادہندگان سے قرضے واپس لینے کی بات تھی وہ سرے سے ہی ناکامی سے دوچار ہوگئی۔ اور یہ بات زبان زد عوام ہے کہ حکمران چونکہ خود دس ارب روپے کے نادہندہ ہیں اور بہت سے نادہندگان کا تعلق حکومتی پارٹی سے ہے۔ اس لئے جب گھر کی طرف پانی آتا نظر آیا تو پھر حکمرانوں نے اس اعلان پر عمل درآمد روک دیا۔ اسی طرح انگریز سے وفاداری کر کے جاگیریں حاصل کرنے والوں کی آل اولاد کے کئی چشم و چراغ حکومت وقت کے حمایت کنندہ ہیں اور پارلیمنٹ میں براجمان ہیں۔ لہٰذا چند مخالفین کی کردار کشی کرنے یا کچے کے علاقہ میں بنجر زمینوں کی تقسیم سے زیادہ اس طرف بھی پیش

رفت نہیں ہو سکی ہے۔ نہ ہی آئندہ توقع ہے ادھر بے روزگاروں کو قرضے فراہم کرنے کے خوش آئند اعلان پر عملدرآمد اتنا مشکل بنا دیا گیا۔ کہ بینکوں سے قرضے حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو چکا ہے۔ پھر جس ملک کے پاس غیر ملکی قرضے لوٹانے کے لئے رقم نہ ہو اور وہ دوسرے ممالک سے قرضے لے کر پہلے قرضوں کی قسطیں ادا کر رہا ہو۔ اس کے خزانہ سے بیروزگاروں کو قرض فراہم کرنے کی منطق کسی عقل مند کو کیسے سمجھ آسکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ وزیر اعظم کی تقریر "اونچی دکان پھیکے پکوان" کا نہ صرف روپ دھار گئی بلکہ اس تقریر سے "لینے کے دینے پڑ گئے" کہاں اس تقریر کے بعد میاں نواز شریف صاحب ایک ہیرو بننے کے خواب دیکھ رہے تھے اور کہاں اب وہ صفائیاں دے رہے ہیں مگر ان پر کوئی اعتماد کرنے والا نہیں ہے۔

دو دنوں میں دو ڈی آئی جی صاحبان کا دورہ جیل اور حصہ کی وصولی:۔

جیل کے حکام بالا بھی دوسرے محکموں کی طرح جنگل کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ انڈہ دیں یا بچہ، ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ جیلوں کے دورہ پر نہ آئیں تو چھ چھ ماہ گذر جائیں اور آنے لگیں تو ایک سے دوسرے روز آنے کا تانتا بندھ جائے۔ دراصل دورہ جیل قیدیوں کی فلاح و بہبود اور ملازمین کے مسائل حل کرنے جیل کے نظام کا جائزہ لے کر نقائص کو دور کرنے جیل کی عمارت کی حفاظت و تعمیر کے لئے اقدامات تجویز کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ افسران بالا کے دورہ سے قیدیوں کو بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ انکے جائز مسائل کا کوئی حل سامنے آجائے گا۔ ان کی مشکلات کو کم کرنے اور بنیادی سہولتیں فراہم کرنے کی طرف توجہ ہوگی۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ یہاں ڈی آئی جی جیل خانہ جات یا تو کسی انکوائری کے لئے متعلقہ جیل تشریف لاتے ہیں یا پھر اپنے مخصوص

حصہ کی وصولی مقصود ہوتی ہے اور اکثر اوقات تو یہ حصہ ہر ماہ انہیں خود بخود ہی پہنچا دیا جاتا ہے۔ ورنہ پھر غیض و غضب سے بھرے یہ افسران دورہ کے اختتام پر اسطرح جیل انتظامیہ کے پسینے نکالتے ہیں اور ان پر رعب جھاڑتے ہیں۔ جیسے دنیا بھر کی خامیوں اور کوتاہیوں کا ارتکاب انہی لوگوں سے ہوا ہے۔ بس جب خوب چڑھائی ہو گئی تو پھر اس کا ایک ہی حل ہے کہ کم از کم تیس ہزار سے اوپر اوپر نذرانہ پیش کیا جائے۔ جونہی یہ نذرانہ مل جائے گا۔ پھر ساری تلخیاں رحم و کرم عفو و درگذر میں تبدیل ہو جائینگی۔ بعض حکام جیل کا پھاٹک کراس کرتے ہی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں نذرانہ وصول کرنے پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ پھر اسیر جیل کے رسمی دورہ کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے وہ وہیں سے "سب اچھا ہے" کی رپورٹ لکھ کر واپس سدھار جاتے ہیں۔

اس نذرانہ کے علاوہ بھی یہ افسران "وصولی" کرنے کے کچھ گر جانتے ہوتے ہیں۔ مثلاً سپرنٹنڈنٹ سے کہیں گے کہ میری گاڑی کے ٹائر تبدیل کرا دیں۔ ظاہر بات ہے یہ بھی کم از کم دس ہزار کی "پھکی" سے کم کا نسخہ نہیں ہے یا میری یہ ادویات منگوا دیں یا ہمارے گھر میں T.V فریج وغیرہ پہنچا دیں۔ بعض افسران کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم نے کبھی رشوت کی رقم نہیں لی۔ تو ان کا طریقہ واردات یہی ہوتا ہے کہ وہ نقد رقم کی بجائے "مخصوص اشیاء" کی فرمائش کر کے نہ صرف بازار جا کر ان چیزوں کی خریداری سے بچ جاتے ہیں بلکہ چیز کے ناقص ہونے یا اچھا نہ ہونے کی ذمہ داری بھی ماتحت عملہ پر ڈالنے کا انہیں بہانہ مل جاتا ہے۔ شاید اسے ہی "کلابی تقویٰ" کہتے ہیں۔ خیر یہ تو ایک عام سی بات ہے!

۱۳ جون کو ڈی آئی جی سرکل راولپنڈی غلام سرور للوانی صاحب جیل کے دورہ پر تشریف لائے تو ان سے کافی دیر قاسم بلاک میں ہی گپ شپ رہی۔ دراصل ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطا محمد صاحب کو معطل کیے جانے کے بعد وہ انکوائری کے لئے آئے تھے۔ ڈپٹی صاحب کو صرف اس جرم میں معطل کر دیا گیا کہ انہوں نے ایک قیدی کو ہسپتال جانے

کی اجازت دی تھی۔ جہاں پر پولیس کے نگران سپاہیوں کی غفلت سے وہ قیدی بھاگ گیا تھا۔ ادھر ڈپٹی صاحب کا موقف یہ تھا کہ قصور تمام کا تمام پولیس اہلکاروں کا ہے۔ جہاں تک قیدی کو باہر ہسپتال پہنچانے کی بات کا تعلق ہے تو وہ قیدی حقیقتاً سخت مرض میں مبتلا تھا اور باہر سے آنے والے ڈاکٹروں کے ایک گروپ نے اس کے لئے یہ تجویز کیا تھا کہ اسے اپریشن کے لئے باہر ہسپتال شفٹ کیا جائے۔ میں نے بھی "للوانی صاحب" سے کہا کہ وہ شخص حقیقت میں خطرناک بیماری کا شکار تھا کیونکہ جیل کے سب لوگ اس بات سے واقف اور آگاہ ہیں۔ اس لئے ڈاکٹروں کی رپورٹ کے بعد اسے باہر بھیجنے کی اجازت اگر جیل انتظامیہ نے دی ہے تو اس میں ان کا قصوروار ہونا ہرگز سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ چنانچہ واپسی پر جاکر "للوانی صاحب" نے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے حق میں رپورٹ دی تو وہ اگلے روز ہی بحال ہو گئے اور سپیشل میرا شکریہ ادا کرنے آئے۔ میں نے کہا اتنی سادہ سی بات آخر آپ لوگ کیونکر اپنے افسران کو نہیں سمجھا پاتے ہیں۔ وہ خاموش رہے ایک اور شخص نے جواب دیا کہ جناب! یہاں ماتحت عملہ کی کوئی صحیح بات بھی نہیں سنتا ہے۔ یہ تو آپ ہیں جو ہر بات کر لیتے ہیں ورنہ یہاں ہم لوگ سر۔ سر۔ سر کے سوا کچھ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں۔

اگلے روز ۱۴ جون کو ڈی۔ آئی۔ جی۔ جیلخانہ جات مفتی سرفراز صاحب اچانک پہنچ گئے۔ جونہی وہ قاسم بلاک کے بیرونی گیٹ میں داخل ہوئے تو میرے پاس بیٹھے ہوئے کئی جیل ملازم اور قیدی حضرات پریشان ہو گئے کہ اب کیا ہو گا؟ ہماری تو ڈیوٹی ہی اس وارڈ میں نہیں ہے۔ صرف آپ کو ملنے چلے آئے تھے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور اپنی چکی (سیل) میں بٹھایا اور خود باہر آکر برآمدہ ہی میں مفتی صاحب سے ملاقات کی اور وہیں کھڑے کھڑے حال واحوال پوچھ کر وہ واپس چلے گئے۔ تب جاکر ملازمین کی جان میں جان آئی۔ ماتحت عملہ حکام بالا سے جس قدر خوف زدہ ہوتا ہے اگر اتنا ڈر خوف اللہ تعالیٰ کا ان کے دلوں میں سما جائے تو یہ لوگ وقت کے "ولی" بن جائیں۔

میرے مرشد پیر جی محمد ادریس انصاری کا سفر آخرت:-

زمانہ طالبعلمی ہی سے مجھے اس بات کا شوق تھا کہ کسی اللہ والے سے اپنا تعلق پیدا کر کے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دوں لیکن ایک بات نہ جانے کہاں سے سن رکھی تھی اور پڑھ بھی لی تھی کہ جب تک کسی شیخ پر پوری طرح دل نہ آجائے یعنی دل اسے "شیخ کامل" تسلیم کر کے خود کو اس کے سپرد کر دینے کا فیصلہ نہ دے اس وقت تک اس شیخ سے بیعت نہیں ہونا چاہیے - چنانچہ ۱۹۸۰ء میں جب میں چنیوٹ میں تعلیم حاصل کر رہا تھا - میرا شیرانوالہ گیٹ لاہور ہر نوچندی جمعرات کو جانے کا معمول رہا - وہاں حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمتہ اللہ علیہ کی مجلس ذکر میں شریک ہوتا اور گھنٹوں حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہتا - لوگوں کو بیعت ہوتے - سلوک کے اسباق سناتے ہوئے اور حضرت کی طرف سے مریدین باصفاء کے اسباق دل ہی دل سے سماعت کرنے کا منظر بڑی حیرت سے تکتا رہتا - یہ بات باعث حیرت ہوتی تھی کہ ایک شخص حضرت کے سامنے بیٹھ کر دل میں ذکر کرتا یا کسی اور لطیفہ کا سبق خاموش زبان سے سنا رہا ہوتا - ادھر حضرت بھی اپنے سر مبارک کو اپنے سینے کی طرف متوجہ کرتے جھومتے رہتے پھر ارشاد فرماتے نہیں ابھی اور محنت کرو یا کبھی فرماتے شاباش! اب اگلا سبق شروع کر دو - میرے ساتھ چنیوٹ سے اور ساتھی بھی اس مجلس مبارکہ میں شرکت کے لئے جاتے اور فوراً بیعت ہو جاتے - ادھر میرے رشتہ کے چچا رانا عبدالشکور صاحب قصور کے نواح سے پابندی کے ساتھ نوچندی جمعرات کو آتے وہ حضرت کے مرید تھے - ان سب حضرات کا اصرار ہوتا کہ میں بھی بیعت کر لوں - مگر میں انہیں جواب دیتا کہ میں چند روز اور انتظار کر رہا ہوں تاکہ مجھے شرح صدر ہو جائے - اس طرح وہ سال گذر گیا اور اگلے ہی سال حضرت کا انتقال ہو گیا - مجھے آج تک اس بات کا صدمہ ہے کہ میں حضرت سے بیعت کیوں نہ ہو سکا - جبکہ حضرت کی شفقت و محبت نے مجھے

ان کا اسقدر گرویدہ بنا دیا تھا کہ میں ہر وقت خود کو ان کا ایک دیوانہ سمجھتا رہتا تھا۔ یہیں شیرانوالہ گیٹ سے ہی حضرت میاں جمیل احمد نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ سے شناسائی ہو گئی تھی۔ حضرت ایک مرتبہ چنیوٹ تشریف لائے تو ہم نے حضرت کے کپڑے دھونے کی خواہش کا اظہار کیا جس پر حضرت نے فرمایا کہ پھر مجھے اتنی دیر پہننے کے لئے کوئی اور لباس دے دو تو میں نے اپنے ہی کپڑے دے دیئے باوجود کہ حضرت کو وہ کافی تنگ محسوس ہوئے لیکن آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے انہیں زیب تن فرمالیا۔ پھر میں نے آپ کا کھدر کا لباس دھو دیا۔ رات کو جامعہ عربیہ کی مسجد میں محفل ذکر ہوئی اور مراقبہ کرایا گیا۔ جب بھی لاہور حضرت سے ملاقات ہوتی بہت ہی شفقت فرماتے۔ اگلے سالوں میں تعلیم مکمل کر کے کراچی ہی کا ہو کر رہ گیا تو وہاں بھی دورہ حدیث والے سال مفتی غلام مصطفیٰ مسکین صاحب میرے دورہ کے اور کمرہ کے شریک ساتھی تھے اور مسکین پور شریف کے بزرگوں سے مجاز بیعت تھے) ان سے سلوک کے عنوان پر بات چیت جاری رہی۔ فراغت کے بعد وہ چاکی واڑہ کراچی میں خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دینے لگے تو جب بھی مسکین پور سے سید کلیم اللہ شاہ صاحب تشریف لاتے تو وہ ضرور مجھے محافل ذکر میں بلاتے۔ ایک مرتبہ فیڈرل بی ایریا کے علاقہ میں حضرات نقشبندیہ کا اجتماع تھا۔ تو وہاں جانا ہوا عصر کے بعد محفل ذکر میں ایسی طبیعت سرشار ہوئی کہ میں نے فیصلہ کر لیا اب ان بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت ہو جانا چاہیے چنانچہ اس وقت ان کے ہاتھ پر بیعت ہو گیا۔ یہ بزرگ شخصیت پیر جی محمد اویس انصاری صاحب تھے۔ گو کہ پیر جی کی ایک تالیف "میری نماز" کا مطالعہ میں بچپن سے کر چکا تھا اور دوران طالب علمی اس کتاب سے استفادہ کر کے جمعہ بھی پڑھائے مگر حضرت کی زیارت کا پہلا ہی موقع تھا اور اس لمحے حضرت کا مرید ہو گیا تھا۔ پھر تو حضرت جتنے بھی ایام کراچی رہے آپ کی مجالس میں شریک ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ اچانک حضرت میرے گھر متصل مسجد صدیق اکبرؓ ناتھ کراچی میں تشریف لے آئے۔ آپ کو اپنے گھر میں ، کچھ

کر میری خوشی کی انتہاء نہ رہی چنانچہ بعد المغرب محفل ذکر ہوئی اور سینکڑوں لوگوں نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس سے اگلے سال جھنگ چلا آیا تو حضرت سے ملاقات و رابطہ کا سلسلہ کٹ کر رہ گیا۔

یہ سلسلہ اس حد تک ظالم سیاست کی نظر ہو گیا کہ چار سال تک پھر رابطہ نہ ہو سکا۔ جون ۱۹۹۵ء کو جب پشاور میں گرفتاری دی تو بڑے بھائی مولانا احمد مدنی کو کراچی پیغام بھیجوایا کہ حضرت پیر جی سے دعاؤں کی درخواست کریں۔ جب مدنی صاحب پیر جیؒ سے ملے اور میرے متعلق بتایا تو حضرت حیران رہ گئے کہ یہ وہی مولانا اعظم طارق ہیں۔ تب حضرت نے وظائف بھی ارشاد فرمائے جن پر (بحمد اللہ پانچوں نمازوں کے بعد آج تک عمل پیرا ہوں) اور دعا بھی فرمائی۔

اس کے بعد تین سال سے قید و بند کا سلسلہ جاری ہے۔ جون کے دوسرے عشرہ کے اوائل میں مری سے ایک طالب علم کا خط ملا کہ میں نے پیر جی سے ملاقات کر کے آپ کے لئے دعاؤں کی درخواست کی تھی۔ حضرت نے بہت دعائیں بھی دیں اور وظیفہ بھی بتایا۔ چنانچہ ۱۳ جون سے حضرت کا ارشاد فرمودہ وظیفہ شروع کر دیا۔

۸ جولائی کو اسی ساتھی کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیر جی محمد ادریس انصاریؒ صاحب ۱۵ جون کو انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت کی وفات کے صدمہ سے دل بے حد پریشان اور رنجیدہ ہے۔ گو کہ میں اپنی کوتاہی اور سراسر غفلت کے باعث حضرت سے رابطہ نہ رکھ سکا لیکن آپ کی توجہات اور دعاؤں کی بدولت میں اپنے اس روحانی تعلق پر خود کو خوش قسمت سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں۔ حضرت سے تعلق کے بعد جو روحانی طور پر فوائد حاصل ہوئے اور میرے یقین، اخلاص، اعمال میں ترقیاں پیدا ہوئیں اور سیاست کی پرخار وادیوں میں بھی کئی برائیوں کی آلودگی سے بچنے کی توفیق نصیب ہوئی وہ کوئی کم تر چیز نہیں ہے۔ میں اس بات پر سخت

افسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنی غفلت و سستی سے بہت نادر لمحات ضائع کر کے جس طرح حضرت سے استفادہ کرنا تھا وہ نہ کر سکا۔

حضرت کی شخصیت سنت رسول اللہ کے سانچہ میں اس قدر ڈھلی ہوئی تھی کہ آپ پیرانہ سالی میں بھی سنت کی پاسداری اس انداز سے فرماتے تھے کہ کسی سنت کے ضائع ہونے کی شکل پیدا نہ ہوتی۔ آپ اپنے مریدین کی تربیت اس قدر شفقت سے فرماتے اور اصلاح کا انداز ایسا دلنشین اور پیارا ہوتا کہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی۔ جس گھر میں مہمان ہوتے گھر والوں کو ایسے لگتا جیسے یہ ہمارے ہی گھر کے فرد ہیں نہ کھانے پینے میں تکلف اور نہ ہی رہائش وغیرہ کے مسئلہ پر کسی لحاظ سے میزبان کو تکلیف ہوتی۔ بلکہ آپ کھانا تناول فرماتے وقت کھانے کی اتنی تعریف فرماتے کہ کھانا تیار کرنے والی خواتین و میزبان کے دل باغ باغ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو تاقیامت جاری و ساری رکھے (آمین!)

جھنگ کے مشہور مقدمہ سے تمام نامزد ملزمان کی برات۔ ایک بڑی خوشخبری:-

۱۵ جون ۱۹۹۲ء کو جھنگ میں مولانا مختار احمد سیال اور سلیم فوجی کی شہادت کے بعد جب پولیس اور حکام کے حوصلے بہت بلند ہو چکے تھے اور وہ سلیم فوجی کی نعش ورثاء کے حوالہ کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ ادھر محلہ حق نواز شہید میں لوگ احتجاج میں مصروف تھے۔ میں سفر حج سے جھنگ پہنچا ہی تھا کہ پولیس کی بکتر بند گاڑی (جس میں S.H.O کوتوالی تھانہ عمر حیات وٹو بیٹھ کر محلہ حق نواز شہید کی طرف فائرنگ کرتے ہوئے بڑھ رہا تھا) اچانک آگ کی لپیٹ میں آ کر تمام سواروں سمیت اس طرح بھڑک اٹھی کہ گاڑی میں موجود آتشیں اسلحہ آگ کی حرارت سے پھٹنے لگا۔ موقع پر پانچ سپاہی موت کے منہ میں چلے گئے اور عمر حیات وٹو کئی روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر انتقال کر گیا پولیس نے اس

مقدمہ میں ایک پلاننگ کے تحت طالب حسین قیامت، محمد اکرم قریشی، ملک ابراھیم، سرور زماں، خلیل احمد، حاجی منیر احمد جاوید، سرور قریشی، ماسٹر سعید احمد، حافظ عبدالرحیم، انجم چشتی، اکرم لاہوری، ندیم فوجی، ثمناں، طاہر پٹھان، شیخ محمد اشفاق، شوکت شوکی، فقیر حسین، محمد نسیم صدیقی، اور طارق قریشی کے نام شامل کر دیئے اور پھر بھرپور انداز میں گرفتاریاں کیں۔ اس مقدمہ میں ہمیشہ حکومت اور جھنگ انتظامیہ مداخلت کرتی رہی تاکہ بے گناہوں کو سزا دلوائے۔

یہ جھوٹا مقدمہ پنجاب بھر کی مختلف فاضل عدالتوں میں گھومتا رہا۔ اس دوران تمام بے گناہ اسیران بھی پنجاب بھر کی مختلف جیلوں میں قید و بند کی صعوبتیں اور حکمرانوں کی ناجائز سختیاں پابندیاں اور مظالم برداشت کرتے رہے۔ ادھر بے گناہ اسیران کے لواحقین اپنے پیاروں کی بے گناہی ثابت کرنے اور ان کی رہائی کے لئے شب و روز در بدر بھٹکتے رہے اور عدالتوں کے دروازوں پر دستک برائے حصول انصاف دیتے رہے۔ دوران اسیری کئی بے گناہ اسیران کے والدین اپنے بے گناہ بیٹوں کی راہ تکتے تکتے ان کی جدائی میں شدت غم برداشت نہ کر سکے اور اس جہاں فانی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اس مقدمہ میں بے گناہ ملوث کئے گئے۔ اسیران محمد نسیم صدیقی کے والد محمد صدیق، محمد اکرم قریشی اور محمد سرور قریشی کے والد عبداللطیف اور چچا حاجی عبدالرشید، عبدالحمید اور طالب حسین کے ماموں اللہ بخش اور محمد خلیل کے والد محمد یامین اور حاجی منیر احمد ملک کے چچا اور انجم چشتی کے چچا۔ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ وہ کون سا ظلم ہے جو دوران اسیری ان بے گناہوں پر نہ ڈھایا گیا ہو۔

بالآخر عرصہ چھ سال کے بعد ۲۔ جون ۱۹۹۸ء کو فیصل آباد انسداد دہشت گردی کی عدالت کے فاضل جج چوہدری اکرام نے ملزمان میں سے کسی کے بھی گنہگار ثابت نہ ہونے کے باعث تمام ملزمان کو باعزت بری کر دیا بلکہ صرف بری ہی نہیں فاضل جج نے اپنے فیصلے

میں اس مقدمہ کو بوگس قرار دے کر ضابطہ فوجداری دفعہ 265 K کے تحت مقدمہ کو ڈسچارج کر دیا۔ اسیران کی رہائی یقیناً "صحابہ کرامؓ" سے دلی محبت کی برکت کا نتیجہ ہے اور اسیران کا ناجائز جیلوں میں گذرا طویل عرصہ یقیناً "حکمرانوں کے لئے مکافات عمل اور باعث عذاب ثابت ہوگا اور اسیران کے لئے آخرت میں ذریعہ نجات ہوگا۔

اس فیصلہ کو سنتے ہی گرفتار شدہ ۱۴ ملزمان خوشی سے عدالت میں ایک دوسرے کے گلے مل کر روتے رہے اور جج صاحب کو دعائیں دیتے رہے۔ کیونکہ انہیں شدید خطرہ تھا کہ اس مقدمہ میں کہیں حکومت دباؤ استعمال کر کے انہیں سزا نہ دلوائے۔ اگلے روز اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر مجھے بھی ازحد مسرت ہوئی کیونکہ اس مقدمہ کی پیروی کے لئے میں نے ڈاکٹر خادم حسین چیئرمین ویلفیئر ٹرسٹ کو ہدایات دی تھیں کہ وہ وکلاء کی فیس کا بندوبست پوری طرح کریں اور ساتھ ساتھ دعائیں بھی جاری تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے کرم فرما کر بے گناہ نوجوانوں کی رہائی کی شکل پیدا فرمادی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہمارا عدالتی نظام اس قدر Boges کیوں ہے؟ ان نوجوانوں کے قیمتی چھ (٦) سالوں کا جواب کون دے گا؟ جو عدالتوں کی نظر ہو گئے۔

وہ قلم جس سے یہ مکمل کتاب لکھی گئی ہے:۔

کبھی کبھی کوئی معمولی سی چیز "یادگار" اہمیت کی حامل بن جاتی ہے۔ زندگی کا کوئی لمحہ جو بے خبری اور بغیر ارادہ کے گذرا ہوتا ہے۔ یادوں کا گلدستہ قرار پاتا ہے۔ اسی طرح ۲۲ جون کو اٹک کے بہت ہی مخلص ساتھی محمد ساجد کی طرف سے مجھے یہ "قلم" بھیجا گیا کہ جس کے ساتھ یہ کتاب "روداد عشق و وفا" از اول تا آخر تحریر ہوئی ہے۔ ادھر ان کی خواہش پہ میرا "قلم" انہیں پہنچ گیا تھا۔ جس سے انہوں نے اپنے امتحانی پیپر حل کیئے۔ کتاب کی تحریر تو کسی بھی قلم سے ہو سکتی تھی لیکن کسی دوست کے پر خلوص تحفہ سے

یہ کام مکمل ہونا ایک یادگار واقعہ بن چکا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ جیل ملک شوکت حیات اعوان کا تبادلہ:۔

اٹک کی اس جیل میں آمد پر ملک شوکت حیات اعوان سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملاقات کا پہلا لمحہ ہی اپنائیت اور خلوص کا احساس دل میں جاگزیں کر چکا تھا۔ پھر یہ محبت و چاہت کا تعلق گہرا ہوتا رہا۔ میں نے بہت سے مواقع پر صرف ان کی عزت کی خاطر اپنا احتجاج ملتوی کیا اور انہوں نے بھی میرے لئے پر خلوص انداز میں اپنے اختیارات سے بڑھ کر کوشش کی۔ جس میں انہیں خاطر خواہ کامیابی تو کبھی نہ ہوئی کیونکہ اوپر والے حکام انتقام پر مبنی پالیسیاں تبدیل کرنے پر تیار نہیں تھے۔ تاہم مجھے ان سے کبھی گلہ نہ رہا۔ جیل کے مسائل اور قیدیوں کی بعض مشکلات پر جب بھی انہیں متوجہ کیا تو انہوں نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے قدم اٹھایا۔

۲۶ جون کو اچانک سہ پہر تین بجے وہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ملک فیروز اور اویس بٹ کے ہمراہ قاسم بلاک پہنچے تو مجھے خدشہ لاحق ہو گیا کہ شاید میری ٹرانسفر کے آڈر آگئے ہیں۔ لیکن انہوں نے پر مسرت لہجہ میں بتایا کہ ان کا تبادلہ سرگودھا جیل ہو گیا اور وہ الوداعی ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ ٹھیک گیارہ روز بعد ان کی شادی ہونے والی تھی۔ یہ بیل اس ادھیڑ عمر میں کافی انتظار کے بعد منڈھے چڑھنے والی تھی۔ چونکہ وہ خود شاہ پور ضلع سرگودھا ہی کے رہائشی ہیں اس لئے یہ تبادلہ ان کی خواہش پر ہوا تھا۔ ان کی خوشی کو دیکھ کر میں نے بھی انہیں خوشی خوشی الوداع کہا۔ اور اتنا ضرور کہا کہ آپ کی جدائی سے دل پر ملال بہت ہے۔ تاہم دعاگو ہوں کہ آپ نئی زندگی کا آغاز نئی جگہ سے بخیر و عافیت کریں۔

نئے سپرنٹنڈنٹ شیخ اعجاز قادر کی آمد:۔

ملک شوکت حیات کی روانگی کے بعد شیخ اعجاز قادر صاحب نے بطور سپرنٹنڈنٹ

اٹک جیل کا چارج لے لیا۔ شیخ صاحب کی بطور سپرنٹنڈنٹ یہ پہلی تعیناتی تھی۔ ان سے اس سے قبل کوٹ لکھپت جیل لاہور میں بطور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ہمارا ایک عرصہ تک واسطہ رہا۔ دو مرتبہ قائد محترم کے ہمراہ کوٹ لکھپت جیل میں وقت گذارنے کا موقع ملا تو وہ وہاں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی ذمہ داریاں سرانجام دے رہے تھے۔ جب ہم پہلی مرتبہ ملتان جیل سے کوٹ لکھپت جیل پہنچے تو سپرنٹنڈنٹ جیل چوہدری افضال تھے جو کہ شیخ اعجاز قادر کو خوب دباؤ میں رکھتے تھے اور انہیں بات بات پر ڈانٹ پلاتے اور اپنے افسر بالا ہونے کا احساس دلانے میں مصروف رہتے تھے۔ جب دوسری مرتبہ اڈیالہ جیل سے کوٹ لکھپت جیل پہنچے تو وہاں چوہدری خورشید احمد صاحب بطور سپرنٹنڈنٹ آ چکے تھے۔ جنہوں نے جیل کا تمام چارج ہی شیخ اعجاز قادر کے ہاتھ دے رکھا تھا اور خود وہ اپنے دفتر میں بالکل تنہا اور فارغ رہ کر وقت گذارنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ جس روز کوٹ لکھپت جیل سے قائد سپاہ صحابہؓ کے ہمراہ سیشن کورٹ کی طرف آخری مرتبہ جانے کا سفر ہوا تو شیخ اعجاز قادر صاحب کے دفتر ہی سے ہماری روانگی ہوئی۔

اب شیخ اعجاز قادر صاحب نے اٹک جیل کا چارج لے لیا تو دو تین دن تک میں اس انتظار میں رہا کہ یا وہ خود آئیں گے یا مجھے بلوالیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ تاہم تیسرے روز جب وہ میرے بلاک میں دورہ پر آئے تو انہوں نے دیر سے ملنے پر عذر و معذرت کی اور پھر کافی دیر باتیں ہوتی رہیں اور قائد سپاہ صحابہؓ کے ساتھ بیتے لمحات کو یاد کرتے رہے۔

آئی جی جیل خانہ جات میجر ضیاء الحسن کا دورہ جیل اور میری قیدیوں اور جیل ملازمین کے لئے سفارشوں پر عمل درآمد:۔

۶ جولائی ۱۹۹۸ء کو آئی جی جیل خانہ جات میجر ضیاء الحسن صاحب کو اٹک جیل کے دورہ پر آنا تھا۔ بمشکل اٹھارہ گھنٹے قبل جیل حکام کو اس دورہ کا علم ہوا تو پوری جیل کو دھن

کی طرح سجانے کا کام شروع کر دیا گیا۔ رات گئے تک قیدی اور جیل کا عملہ دیواروں پر چونا کرنے زمین پر مختلف رنگوں کے بورا سے قالین نما نقش و نگار بنانے اور صفائی ستھرائی میں مصروف رہا۔ اگلی صبح جیل دلہن کا نظارہ تو پیش نہ کر سکی۔ تاہم ان کے چہرے پر بڑھاپے کی وجہ سے پڑ جانے والی شکنیں کافی حد تک میک اپ کے ذریعہ دور ہو چکی تھیں۔ ادھر آئی جی صاحب بنیادی طور پر جیل کے محکمہ میں نووارد ہیں وہ ایک نہایت ہی نفیس طبع، دیانتدار اور دانا انسان ہیں۔ پولیس کے محکمہ میں ڈی آئی جی تک کے عہدوں کے علاوہ پنجاب انٹی کرپشن کی چیئرمینی کے عہدہ پر فائز رہ چکے ہیں۔

جیل کا دورہ کرتے ہوئے وہ میرے بلاک میں بھی آئے اور مجھ سے نہایت پیار و محبت کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے۔ آپ کا جسم کافی بھاری ہو گیا ہے۔ اب آپ حقیقتاً ''مولانا'' بن گئے ہیں۔ میں نے کہا لوگ جیلوں میں آکر کمزور ہوتے ہیں اور سوکھ جاتے ہیں۔ میرا وزن بڑھ رہا ہے اس لئے میری خواہش کے اگر ایکسر سائز کا سامان دستیاب ہو جائے تو وزن گھٹانے پر توجہ دوں۔ انہوں نے فوراً حکم دیا کہ مولانا کو یہ سامان مہیا کیا جائے پھر خود ہی کہنے لگے کہ مولانا کو ٹیلیویژن بھی دیا جائے۔ میں نے کہا مجھے اگر آپ سہولت دے سکتے ہیں تو رات کو کمرہ میں بند کرنے کی بجائے شیڈ میں بند کرنے کی سہولت دیں جو اڈیالہ جیل میں بے نظیر کے دور اور موجودہ دور میں بھی مجھے حاصل تھی۔ انہوں نے اس سے بھی اتفاق کیا۔

انہوں نے کہا میں آپ کے بچوں کی ملاقات کے لئے بھی اجازت کی کوشش کروں گا۔ میں نے کہا مجھے علم ہے کہ میرے بارے میں آپ کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس لئے میں ایک سیاسی و مذہبی آدمی ہوں۔ آپ ایسا انداز اختیار نہ کرنا کہ جس سے اوپر والے حکمران یہ سمجھیں کہ میں نے آپ سے بچوں کی ملاقات کے لئے کوئی گڑگڑا کر التجا کی ہے۔ اسی اثناء میں مجھے یاد آیا کہ آئی جی جیل خانہ جات قیدیوں کو دو ماہ کی معافی دینے کا

اختیار رکھتے ہیں۔ میں نے کہا آپ دورہ جیل پر آئے ہیں تو قیدیوں کو دو ماہ کی معافی دیتے جائیں۔ یہ لوگ آپ کو دعائیں دیں گے۔ انہوں نے فوری معافی دینے کا آڈر لکھوایا۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ جیل کا چھوٹا عملہ آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرنے لگا کہ کچھ ہمارے لئے بھی سفارش کر دیں۔ میں نے آئی جی صاحب کو بتایا کہ آپ اس محکمہ میں نو وارد ہیں۔ اس محکمہ کے چھوٹے ملازمین کو چھٹی کا مسئلہ ہمیشہ درپیش رہتا ہے۔ انہیں سالانہ چھٹی یا ماہانہ رخصت نہیں ملتی ہے۔ جو لوگ اثر و رسوخ استعمال کرنا یا دیگر "گر" جانتے ہیں وہ تو چھٹی پہ چھٹی کرتے رہتے ہیں۔ باقی عملہ کے لوگ شادی بیاہ مرگ و دکھ کے مواقع پر بھی چھٹی لینے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ آپ ایسا نظام وضع کریں کہ آپ کے اس اقدام کو دیر تک یاد رکھا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہ مسئلہ حل کرنے کی یقین دھانی کرائی۔

شام کے وقت سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طرف سے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب یہ پیغام لائے کہ آئی جی صاحب جاتے ہوئے T.V اور شیڈ میں بند ہونے کی سہولت دینے کا حکم واپس لینے کا بتا گئے ہیں۔ کیونکہ وہ آپ کو یہ مراعات دینے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔ مجھے اس پر بڑی حیرت ہوئی کہ میں نے جو چیز مانگی بھی نہیں تھی اور انہوں نے خود ہی جس چیز کا وعدہ کیا تھا۔ وہ کس طرح اس سے منحرف ہو گئے۔ تاہم چونکہ حقائق بالکل یہی ہیں کہ وہ بے اختیار ہیں اس لئے ان سے کوئی گلہ بھی نہیں ہے۔ ادھر میں خود بھی پریشان تھا کہ وہ T.V کی پیش کش کر گئے ہیں جبکہ میں T.V کو گناہ عظیم سمجھتا ہوں۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا۔

تاہم انہوں نے ملازمین کے لئے ایسا اصول وضع کر کے پنجاب بھر کے سپرنٹنڈنٹ حضرات کو بھجوا دیا کہ جس کے مطابق اب ہر ملازم ڈیڑھ ماہ بعد ایک ہفتہ کی چھٹی گھر پر گذار سکے گا اور خود بخود اس کی باری آجایا کرے گی اسے درخواست دینے کی ضرورت نہ

ہو گئی۔ (نوٹ) اب جبکہ اس دورہ کے نو ماہ بعد اس کتاب کی کتابت کا جائزہ لے رہا ہوں تو تمام ملازمین اس سہولت سے بار بار فائدہ اٹھا چکے ہیں اور بہت خوش ہیں۔

شیخ اعجاز قادر صاحب کا تبادلہ اور سپرنٹنڈنٹ کوکب ندیم صاحب کی آمد:۔

آئی جی جیل خانہ جات کے دورہ کے اگلے روز سپرنٹنڈنٹ اٹک جیل شیخ اعجاز قادر صاحب میرے پاس قاسم بلاک میں آئے تو مجھے بتایا کہ آئی جی صاحب کے احکامات پر کسی وجہ سے عمل درآمد نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میں نے اعلان کر دیا تھا کہ میں آج شب کمرہ میں بند نہیں ہوں گا بلکہ شیڈ میں بند ہوں گا۔ وہ کافی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے بالآخر میں نے ان کی اور آئی جی صاحب کی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور وہ خوشی خوشی ڈیوڑھی چلے گئے۔ وہاں منظر بدل چکا تھا۔ سرگودھا سے ٹرانسفر ہو کر آنے والے کوکب ندیم صاحب بطور سپرنٹنڈنٹ اٹک جیل چارج لے چکے تھے۔ ہمیں اس بات کا علم ہوا تو حیرت ہوئی کہ یہ کیا ہو گیا ہے؟

کوکب ندیم صاحب ایک باصلاحیت، ذہین اور صاحب مطالعہ نوجوان سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ جو قابلیت کی بنیاد پر مقابلے کا امتحان پاس کر کے ڈائریکٹ سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ پر تعینات ہوئے ہیں۔ ان کے بارے میں شروع میں جیل کے ملازمین اور قیدیوں میں زبردست خوف و دہشت پیدا کر دی گئی اور انہیں نہایت ہی بے رحم، ظالم اور سخت افسر کے طور پر پیش کیا گیا۔ لیکن انہوں نے چند دنوں میں اس غلط تاثر کا خاتمہ کر دیا اور وہ ہر ایک کی سنتے ہیں اور فوری عمل درآمد کراتے ہیں۔ علم دوست اور علماء کے قدردان ہیں۔ خاندانی طور پر بھی علمی فیملی سے تعلق ہے۔ وہ مجبوریاں جو ہر اس افسر کے ساتھ لاحق ہوتی ہیں جس کا گزارہ صرف تنخواہ پر نہ ہوتا ہو۔ ان کے ساتھ بھی وابستہ ہیں۔ لیکن بہت زیادہ نہیں۔ تاہم میں نے انہیں بارہا اس نظام کی خرابی اور کرپشن کی غلاظت پر اظہار نفرت

کرتے ہوئے پایا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور دیگر افسران کو ان مجبوریوں بلکہ مہلک بیماریوں سے شفاء کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔ (آمین!)

کیونکہ یہ وہ داغ ہیں جو انسان کے خوبصورت کردار کو داغدار کر دیتے ہیں اور اس کی آتش ہوس میں مزید اضافہ کر کے ایمان کی دولت کو ختم کر دیتے ہیں اور قبر و حشر میں کف افسوس ملنے کے نتیجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔

جن افسران نے تنگ دستی قبول کر کے اپنا دامن رزق حرام سے پاک رکھا ہے۔ ان کی عزت و عظمت کو چار چاند دنیا میں بھی لگے ہیں اور ان کی اولاد بھی صالح و فرمانبردار ہوئی۔ ان کے نام کے ڈنکے بھی خوب بج رہے ہیں۔

کتاب ہذا کی تالیف کا آغاز:۔

عرصہ ایک سال سے کئی احباب خطوط کے ذریعے سوالات کر کے میری زندگی پر کتب تصنیف کرنے میں مصروف ہیں اور انہوں نے کافی حد تک اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ (پسرور ضلع سیالکوٹ کے حافظ محمد ندیم قاسمی اور حافظ بابر اقبال کی تالیف "حیات اعظم طارق" تو مارکیٹ میں آ چکی ہے۔ جو میرے خاندانی پس منظر سے لیکر اب تک کے حالات پر مشتمل ہے اور نہایت ہی مستند حالات پر مبنی ہے۔) اب کئی نئے ساتھیوں نے بھی مختلف عنوانات پر سوالات بھجوانے شروع کر دیئے۔ ادھر حضرت قائد شہید کی تالیف "پھر وہی قید قفس" نے کارکنوں میں ایک نیا داعیہ پیدا کر دیا اور وہ مجھ سے تاکیداً اس بات کا مطالبہ کرنے لگے کہ میں بھی اس طرح کی کوئی کتاب لکھوں "چونکہ میں تالیف و تصنیف کے میدان کا آدمی نہیں ہوں۔ اس لئے مجھے اس کام سے سخت گھبراہٹ رہی۔ بالآخر ایک روز مجھے احساس ہوا کہ اور کچھ نہیں تو کم از کم نائب سرپرست اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد سے اب تک کے حالات ہی قلم بند کر کے احباب کو بھجوا دوں۔ خیال تھا کہ ڈیڑھ سو صفحات میں

میرے حالات آ جائیں گے لیکن جب لکھنے کے لئے بیٹھا تو یہ سلسلہ طویل ہوتا چلا گیا۔

۵ جولائی ۱۹۹۸ء کو یہ کام شروع کیا آج ۱۵ اگست کو چالیس روز ہو چکے ہیں۔ قریب پانچ سو سے زائد صفحات تحریر کر چکا ہوں۔ اب آج کل میں اس کتاب کو مکمل کرنے والا ہوں۔ یوں چالیس ایام میں دیگر بے شمار مصروفیات خصوصاً دس پارے روزانہ تلاوت ڈیڑھ سو تسبیحات تک وظائف وغیرہ کے ساتھ ساتھ بحمد اللہ تعالیٰ یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔ (نوٹ) اب جبکہ یہ صفحات کتابت ہو کر سامنے آئے ہیں تو ان کی تعداد نو سو تک جا پہنچی ہے اور اسی لئے اس کی پہلی جلد "میرا جرم کیا ہے؟" کے نام سے قریباً چھ سو صفحات پر شائع ہو کر مارکیٹ میں آ چکی ہے۔

قائد طلبہ عبدالوہاب راشد کی طرف سے خط اور کپڑوں کے دو جوڑے:۔

مشن جھنگوی جس طرح عوام میں تیزی سے مقبول ہو رہا ہے۔ اسی طرح یہ پیغام طلبہ برادری میں بھی پذیرائی حاصل کر رہا ہے۔ لیکن کالجوں یونیورسٹیوں میں یہ کام کرنا اس لئے بہت مشکل ہے کہ وہاں پر پہلے سے موجود تنظیمیں اپنی چودھراہٹ برقرار رکھنے کے لئے کسی دوسری جماعت کو آگے بڑھنے نہیں دیتی ہیں اور بات بات پر برہم ہو جاتی ہیں اور غنڈہ گردی پر اتر آتی ہیں۔ خصوصاً شیعہ طلبہ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ مضبوط تنظیموں میں گھس کر سپاہ صحابہؓ کے لئے پریشانیاں پیدا کرنے اور اس کا پیغام روکنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن ان تمام رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود کام کو جاری رکھنا بڑی دانائی اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ طلبہ برادری میں سپاہ صحابہؓ کے پیغام کو عام کرنے میں سٹوڈنٹس کے پہلے کنوینئر عمر فاروق صاحب کا بڑا کردار ہے اور اب عبدالوہاب راشد

صاحب یہ ذمہ داریاں بحسن و خوبی سرانجام دے رہے ہیں۔ ۱۱ جولائی صبح ان کا خط ملا کہ آج ہی ایوبیہ میں سٹوڈنٹس کا تربیتی کنونشن ہے۔ اس کے لئے پیغام بھیجیں تو میں نے پیغام کے ساتھ ساتھ ان کے لئے ایک جوڑا استعمال شدہ کپڑوں کا بھیجا کہ ان کی حوصلہ افزائی ہو۔ اب ان کی طرف سے دو جوڑے کپڑوں کے مل گئے ہیں۔ مجھے ان کی محبت و چاہت پر مبنی اس ہدیہ پر تو بہت خوشی ہے لیکن میں ان کی مالی پوزیشن سے چونکہ بخوبی آگاہ ہوں۔ اس لئے مجھے یہ تکلف بھی محسوس ہوا۔ دل سے دعاگو ہوں کہ رب کریم اس مخلص ساتھی کو مزید خدمت دین کی توفیق بخشے۔

گوجرانوالہ کے احتجاجی مظاہرہ پر پولیس کا لاٹھی چارج اور گرفتاریاں:-

۱۵ جولائی کے اخبارات میں گوجرانوالہ میں سپاہ صحابہؓ کے پرامن احتجاجی مظاہرہ پر پولیس کے وحشیانہ لاٹھی چارج اور درجنوں کارکنوں کی بہیمانہ انداز میں گرفتاریوں کی خبریں پڑھ کر اور تصاویر دیکھ کر دل کو بہت صدمہ ہوا۔ کافی دیر تک ان خبروں کے باعث پریشان رہا اور سوچتا رہا کہ اب حکمران طبقہ اس حد تک ظلم و زیادتی میں آگے بڑھ چکا ہے کہ جماعت کی قیادت کو جیلوں میں ڈال کر، ملاقاتوں پر پابندی عائد کر کے طرح طرح کی انتقامی کاروائیوں کا نشانہ بنا کر کارکنوں کو اتنی بھی اجازت دینے کو تیار نہیں ہے کہ اس ظلم عظیم پر صدائے احتجاج بھی بلند کریں۔ لیکن اس بات سے دل کو حوصلہ ملا کہ ہر ظلم کا حربہ اور انداز خود ظالم کے لئے ہی ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ مظلوم طبقہ بالا خر اپنی منزل مراد پالیتا ہے مگر ظالم عبرت کا نشان بنے بغیر نہیں رہا کرتے اور قرآن کریم میں واضح طور پر ارشاد رب العالمین ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کامیاب نہیں کیا کرتا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

جب حد سے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے ظلم

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی و مولانا عبداللہ کے دردمندانہ خطوط:-

جیل میں رہتے ہوئے مجھے قریباً تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میری عادت ہے کہ میں احباب کے خطوط کا جواب خط ملنے کی بعد چوبیس گھنٹے کے اندر اندر لکھ دیتا ہوں۔ اس عرصہ میں بمشکل دس تک تعداد ایسے خطوط کی ہوئی جن کا میں نے جواب قصداً اس لئے نہیں دیا کہ اس سے کسی فتنہ کے پھیلنے کا اندیشہ تھا۔ ورنہ ہزاروں کے خطوط آئے تو ہزاروں کے جواب لکھے۔ اوسطاً ایک ہفتہ میں ڈیڑھ سو تک خطوط کا جواب لکھتا ہوں۔ استاذ مکرم حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحب مدظلہ سے بھی خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ آپ اس قدر شفقت فرماتے ہیں کہ ہمیشہ جیلوں میں ملاقات کے لئے تشریف لاتے ہیں اور اپنے طور پر میری رہائی کے لئے بھی کوششیں جاری رکھتے ہیں۔ بالکل کچھ اسی طرح کی شفقت حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (چیئرمین رویت ہلال کمیٹی پاکستان خطیب مرکزی جامع مسجد لال اسلام آباد) فرماتے ہیں۔ ان ہردو حضرات کے خطوط سے میرے جذبوں اور ولولوں میں ایک تازگی پیدا ہو جاتی ہے اور میرے حوصلے آسمان سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔

گذشتہ دنوں ان حضرات کی طرف سے آنے والے خطوط میں حکمرانوں کے مایوس کن رویہ بلکہ میرے بارے میں سخت گیر لہجہ پر ان حضرات کو سخت تشویش تھی۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ میں تحدیث بالنعمہ کے طور پر لکھتا ہوں کہ مجھے ان باتوں سے اب کسی قسم کی فکر اور پریشانی لاحق نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ جب کسی طرف سے اطلاع ملتی ہے کہ حاکم وقت کی زبان سے آپ کے بارے میں سخت جملے صادر ہوئے ہیں تو اور زیادہ خوش ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ آج اگر اللہ تعالیٰ نے وقت کے فرعونوں کے قلوب میں میری ذات کا رعب اور خوف پیدا کر دیا ہے تو یہ خوش ہونے کا

مقام ہے کیونکہ لادین حکمرانوں کا دل خوشامدیوں، چاپلوسوں اور حکومتی اشاروں پر رقص کرنے والے مولویوں سے ہی خوش ہو سکتا ہے۔ حق کہنے والوں سے ان کے دل جل تو سکتے ہیں خوش نہیں ہو سکتے ہیں۔

جیل میں دفعہ ۱۸۸ کے مقدمہ کی سماعت کا مضحکہ خیز اقدام:۔

۲۹ جولائی کی دوپہر کا وقت تھا کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل قاسم بلاک میں آئے اور مجھے کہا آپ سے الگ بات کرنا ہے۔ میں نے پوچھا کہ خیر تو ہے۔ کہنے لگے حضرو کے علاقہ مجسٹریٹ عباسی صاحب ڈیوڑھی میں آئے بیٹھے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ آپ پر قائم دفعہ ۱۸۸ یعنی دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کے کیس کی جیل میں سماعت کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں انہیں یہاں لے آؤں پھر آپ ان سے بات کرلیں کہ آپ کا کیا موقف ہے۔ میں نے کہا انہیں لانے کی ضرورت نہیں وہیں ڈیوڑھی میں چل کر انہیں مل لیتے ہیں۔ چنانچہ مجسٹریٹ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کا ارادہ معلوم ہوا تو میں نے کہا مجھے اس مقدمہ کی سماعت پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن مجھے حیرت ہے کہ حکومت نے مجھ پر قائم کردہ قتل کیسوں یا دفعہ ۲۹۵ الف کے مقدمات کے سماعت کی تو سوا سال تک کوئی کوشش نہیں کی اور نہ ہی مجھے آج تک کسی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ اب محض دفعہ چوالیس کی خلاف ورزی کا کیس سماعت کرنا ایک مذاق ہے۔ بہرحال آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ مجھ سے میرے سیکرٹری راشد محمود کی ملاقات ہو جائے تاکہ میں اگلی تاریخ پر اپنے وکیل کو بلوا لوں۔ چنانچہ میری تحریری درخواست پر انہوں نے حکام بالا کو راشد سے ملاقات کرانے کے لئے لکھا جس کی وجہ سے ۴ اگست کو عرصہ آٹھ ماہ کے بعد راشد سے میری ملاقات ہوئی۔ اس عرصہ میں اسے کس طرح راولپنڈی کے تھانوں اور چوہنگ سینٹر میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا یہ داستان اس کی زبانی سن کر بجت دکھ ہوا۔ چنانچہ مقدمات کے

بارے میں مشورہ ہوا اور چھ اگست کو مجسٹریٹ صاحب جیل کی ڈیوڑھی میں پہنچ گئے اور ہمارے وکیل صداقت ایڈووکیٹ صاحب بھی آ گئے۔ وکیل صاحب نے بتایا کہ اس کیس کو سماعت کرنے کا ڈرامہ رچانے کا مقصد محض ہائی کورٹ اور دنیا کو یہ بتانا ہے کہ آپ کو اٹک جیل میں کس وجہ سے رکھا ہوا ہے ورنہ اول تو میں یہ ثابت کردوں گا کہ یہ مقدمہ قائم ہی غیر قانونی طریقے سے ہوا ہے۔ تاہم اس کی زیادہ سے زیادہ سزا ایک ماہ قید ہے۔ جبکہ آپ تین سال جیل میں گذار چکے ہیں۔ اب اگلی پیشی ۱۲ اگست ہے۔ (نوٹ) اس کیس میں حضرو کے مولانا عبدالسلام صاحب مولانا عبدالخالق صاحب بھی شامل ہیں لیکن انہیں یہاں جیل میں تاریخ پیشی پر آنے کی اجازت نہیں دی جارہی تھی تاکہ ان کی اس بہانہ سے مجھ سے کہیں ملاقات نہ ہو جائے۔ اب وکیل صاحب کی قانونی جدوجہد کے نتیجے میں ۱۸ نومبر کو ان حضرات کو بھی جیل میں سماعت کے موقع پر حاضر ہونے کی اجازت مل گئی۔ تب اس بہانے ان حضرات سے ملاقات ہو گئی اور پھر کئی تاریخوں پر ملاقاتوں کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ سخت ترین پابندی کے ایام میں اس مقدمہ کے بہانے ملاقات کی اس صورت کے پیدا ہونے پر یقین ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کا اخلاص اور دعائیں رنگ لائی ہیں کہ ملاقات کی صورت نکل آئی ہے۔

افغانستان میں طالبان کی فتوحات اور ہفت روزہ ضرب مومن کا کردار:۔

آج سے پونے دو سال قبل افغانستان میں "طالبان" نے اچانک قندھار سے نکل کر جلال آباد، چہار آسیاب اور کابل فتح کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو جہاں عظیم خوشیوں سے ہمکنار کیا۔ وہاں کفار و منافقین کو حیرت زدہ کر دیا۔ عالمی ذرائع ابلاغ طالبان کی فتوحات کو عارضی قرار دینے اور طالبان کے بارے میں خوف ناک قسم کے تصورات کو اجاگر کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کہیں طالبان کو انسانی حقوق کی پامالیوں کا الزام دیا جاتا تو کہیں انہیں

تشدد پسند، بنیاد پرست کے القابات سے نواز کر دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی کہ طالبان علم دشمن، سائنسی ایجادات کے مخالف، آزادی فکر پر قدغن لگانے اور عورتوں کو جینے کا حق دینے سے انکاری ہیں اور یہ سلسلہ اگرچہ آج تک جاری ہے تاہم اس میں بہت حد تک اب کمی واقع ہوئی ہے۔ ادھر طالبان سے محبت کرنے والے طبقات سخت پریشانی کی کیفیت سے دوچار تھے کہ انہیں طالبان کے بارے میں صحیح معلومات میسر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ دشمن کے پروپیگنڈہ کے جواب میں کچھ کہنے سے قاصر تھے۔ اللہ تعالیٰ بہت بہت جزائے خیر دے مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کو جنہوں نے طالبان حکومت کے کارناموں، پالیسیوں اور طالبان کے جہاد کی تفصیلات سے عالم اسلام کو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھا اور ضرب مومن کے نام سے ہفت روزہ اخبار کا اجراء کیا۔ آج یہ اخبار صرف سال سوا سال کے عرصہ میں اس قدر مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ کہ پاکستان کے تمام دینی اداروں ہی میں نہیں بلکہ لاکھوں عوام کے ساتھ ساتھ افغانستان، عرب اور یورپی ممالک میں بھی اس کی مانگ میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس اخبار کی زیارت کرنے کا موقعہ مجھے چوہنگ سے اڈیالہ جیل پہنچنے کے بعد ملا۔ میں نے اپنے خطوط کے ذریعہ اس اخبار سے رابطہ قائم کیا تو ضرب مومن کے منتظمین نے اس رابطہ پر بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اٹک جیل آمد پر ایک مرتبہ پھر یہ رابطہ ختم ہو گیا۔ لیکن چند ماہ قبل یہ رابطہ بحال ہوا تو ضرب مومن میں میرے خطوط اور بیانات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جس سے کارکنوں میں جہاد کا جذبہ اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ جہاد افغانستان میں جوق در جوق شریک ہونے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ سپاہ صحابہؓ طالبان تحریک کے اغراض و مقاصد سے ایک سو ایک فیصد متفق ہے۔ ہم طالبان کی شرعی و اسلامی حکومت کو اس وقت عالم اسلام کے لئے ایک نعمت عظمیٰ یقین کرتے ہیں اور اس حکومت کے استحکام و بقاء کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں۔ امیر المومنین ملاں محمد عمر مجاہد کی قیادت و

سیادت پر ہمیں مکمل اعتماد ہے۔

ماہ اگست کے آغاز ہی سے "طالبان" کی شمالی اتحاد کے زیر کنٹرول علاقوں کی طرف پیش قدمی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ فاریاب کے اہم علاقہ کی بعد دو اگست کو طالبان شبرگان پر قابض ہو گئے۔ ۸ اگست کو شمالی اتحاد کے دار الخلافہ مزار شریف کو فتح کر لیا گیا۔ اب طالبان کا اسلامی لشکر ازبکستان کی سرحد پر واقع تالقان کے شہر پر قابض ہو چکا ہے۔ ادھر اس کی یلغار اب شیعہ گروہ کے اہم شہر بامیان اور احمد شاہ مسعود کے آخری ٹھکانہ وادی پنج شیر کی طرف جاری ہے۔ مزار شریف کی فتح پر ایرانی حکومت کو جو تکلیف ہوئی ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ ایرانی حکومت غصہ میں پاگل ہو کر تہران اور مشہد میں قائم پاکستان کے سفارتخانوں پر حملے کرا چکی ہے اور پاکستان سے تعلقات ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہی ہے۔ اور پاکستان پر الزام لگا رہی ہے کہ اس نے اپنی فوج کے ذریعہ طالبان کی حمایت کی ہے۔ جبکہ دوسری طرف مزار شریف میں خود ایرانی کمانڈوز سینکڑوں کی تعداد میں مردار ہوئے ہیں اور ایرانی گولہ بارود کے بھرے جہاز اور ٹرک طالبان نے قبضہ میں لے لیے ہیں۔

ایرانی حکومت نے یہ بہانہ بنا کر کہ مزار شریف کے ایرانی سفارتخانہ سے طالبان نے ایران کے گیارہ سفارتکار گرفتار کر کے قندھار پہنچا دیئے ہیں۔ اپنی مظلومیت کا ماتم کرنا شروع کر دیا ہے تاکہ افغانستان میں اس کے گھناؤنے کردار پر پردہ پڑ جائے۔ لیکن ایران کی منافقت، طالبان دشمنی، ایرانی گولہ بارود اور کمانڈوز کے طالبان کے خلاف استعمال ہونے کی ناپاک جسارت اب نہ تو ڈھکی چھپی بات ہے اور نہ ہی ایران اب پاکستان کو کسی دباؤ کے ذریعہ طالبان سے جدا کر سکتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے کہ جب ایران کے بھیانک چہرے سے پردے ہٹ رہے ہیں اور ایرانی ریالوں پر پلنے والے لوگ ندامت کے پسینہ میں شرابور ہو رہے ہیں۔

حالات اب اس طرف جا رہے ہیں کہ افغانستان کے تمام علاقوں پر طالبان کا قبضہ اگلے چند روز میں مکمل ہو جائے گا اور شمالی اتحاد کے بھگوڑے لیڈر ایران، ازبکستان اور بھارت میں پناہ گزین ہو جائیں گے اور پھر ایران کی حکومت بہرصورت شرارت اور طالبان کے خلاف سرحدی خلاف ورزیوں کی ناپاک جسارت کرے گی۔ جس کے نتیجے میں طالبان کا رخ ایران کی طرف ہو جائے گا۔ کیونکہ ایران ہرگز نہیں چاہے گا کہ طالبان حکومت اب امن وسکون کے ساتھ پاکستان سے مل کر وسطی ایشیائیوں ریاستوں سے اپنے تعلقات بہتر بنا کر اس علاقہ میں معاشی ترقی کی طرف پیش قدمی کرے۔ پاکستان کے سمندری راستے پوری دنیا کے لئے وسطی ایشیائی ریاستوں تک رسائی کا ذریعہ بن جائیں۔ یہی بات سابق وزیر داخلہ ریٹائرڈ جنرل نصیر اللہ بابر نے اخبارات میں کہی کہ ایران پاکستان کا سب سے بڑا معاشی دشمن ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ اس سے بھی بڑھ کر مذہبی دشمن ہے جسے پاکستان اور طالبان کی ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی ہے۔ (نوٹ) آج ۱۶ نومبر کو جب تین ماہ قبل لکھی گئی اس تحریر کو صاف کر رہا ہوں تو صورت حال بالکل اسی رخ پر آ چکی ہے کہ حزب وحدت کے گڑھ بامیان پر طالبان قابض ہو چکے ہیں اور ایران اپنی اڑھائی لاکھ فوج افغانستان کی سرحد پر لا چکا ہے۔ ادھر امریکہ نے بھی اسامہ بن لادن پر قاتلانہ حملہ کے لئے افغانستان میں میزائل پھینکے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجاہد اسلام اسامہ بن لادن کو سلامت رکھا ہے اور امریکی مزائل اکثر اپنے نشانہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

قاری عبدالغفار سلیم صاحب کے خط کا جواب اور ڈپٹی کمشنر کا رات ڈیڑھ بجے دورہ جیل:۔

۶ اگست کی شب پونے بارہ بجے اپنے معمولات شب سے فارغ ہو کر سو گیا۔ تو

میرے ساتھی مقصود رزاق نے ساڑھے بارہ بجے اٹھا کر خط دیا کہ اسکا جواب رات دو بجے تک لکھ دیں۔ واپس فوراً بھجوانا ہے۔ یہ خط قاری عبدالغفار سلیم صاحب ناظم دفتر اشاعت المعارف و سرکولیشن مینجر خلافت راشدہ کا تھا۔ خط بھی کافی طویل تھا اور اس کے جواب میں بھی کم از کم تین خطوط لکھنے تھے۔ چنانچہ فوری لیٹر پیڈ ہاتھ میں لیا اور خطوط لکھنے بیٹھ گیا۔ اتنے میں باہر شیڈ میں کچھ لوگوں کی آمد کی خبر ہوئی۔ تو ڈیوٹی پر موجود ملازم نے بتایا کہ افسران آئے ہیں۔ بہت حیران ہوا اور ساتھ پریشانی بھی کہ رات کے ڈیڑھ بجے ان کا آنا خیر سے ہی ہو۔ میں نے چکی کے دروازے کی سلاخوں کے سامنے جا کر شیڈ میں کھڑے سول کپڑوں میں ملبوس شخص سے پوچھا آپ کا تعارف؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ڈپٹی کمشنر اٹک ہوں۔ میں نے کہا آپ اس وقت خیریت سے تو آئے ہیں؟ کہنے لگے ہاں بس ایسے ہی ادھر سے گذر رہا تھا تو میں نے کہا مولانا سے ملتے چلیں۔ میں نے جواب میں کہا ملاقات کے لئے کسی روز دن کے وقت آئیں۔ پھر آپ سے باتیں بھی کریں گے اور چائے بھی پلائیں گے۔ اب تو آپ کی آمد کی خوشی ہے مگر کوئی میزبانی ہم نہیں کر سکتے۔ وہ شرما سے گئے اور سلام لے کر چلے گئے۔ اگلے روز اخبارات سے معلوم ہوا کہ پنجاب حکومت نے اس رات صوبہ بھر کے ڈپٹی کمشنروں اور پولیس افسران کو ہدایت کی تھی کہ وہ ابھی جیلوں کا دورہ کریں اور سپاہ صحابہؓ کے اسیروں کی خبر لیں۔

جھنگ کے عظیم سپوت میاں ریاض حشمت کی وفات کی خبر:۔

۱۰ اگست شام کو نوائے وقت لاہور لے کر ملازم آیا تو ہم نماز مغرب پڑھ رہے تھے۔ نماز کے بعد وظائف سے فارغ ہو کر اخبار پڑھا تو دل "دھک" کر کے رہ گیا۔ آنکھوں کے سامنے اخبار پر لکھے الفاظ تو نظر آ رہے تھے۔ مگر ذہن اس قدر ماؤف ہو چکا تھا کہ وہ ان لفظوں کی صحت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو رہا تھا۔ یہ الفاظ جھنگ کی سرزمین کے ایک

عظیم سپوت غریبوں، مزدوروں، کسانوں اور مظلوموں کے قائد میاں ریاض حشمت جنجوعہ کی وفات کی خبر پر مبنی تھے۔

میاں ریاض حشمت جنجوعہ جھنگ کے نواحی گاؤں "مدوکی" کے درمیانے درجے کے کاشتکار خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ طالبعلمی کے وقت سے ہی وہ حق گوئی، مظلوموں کی حمایت اور نچلے طبقوں کی ترجمانی کرنے پر ہر لمحہ آمادہ ہوتے تھے۔ اپنی سماجی خدمات کے حوالہ سے وہ علاقہ میں ایک پہچان پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ضلع کونسل کے الیکشن میں کامیاب ہو کر بیگم عابدہ حسین کے خلاف تنہا ہی اپوزیشن کا کردار ادا کرنے لگے۔ پھر ۱۹۸۵ء کے غیر جماعتی الیکشن میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو کر نواز شریف کی وزارت علیہ کے دور میں اسمبلی میں ایسا نمایاں کردار ادا کیا کہ ان کی حسن کارکردگی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے ان کی تصویر اسمبلی میں آج بھی آویزاں ہے۔ ۱۹۸۸ء ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۶ مارچ ۱۹۹۲ء کے ضمنی الیکشن میں حکومتی امیدوار کے مقابلہ میں میرا ساتھ دیا اور گاؤں گاؤں میری خاطر محنت کی جس کے باعث میں حکومت وقت کے مقابلہ میں قومی و صوبائی اسمبلی کی دونوں سیٹوں پر کامیاب ہو گیا۔ ۱۹۹۳ء میں متحدہ دینی محاذ کے ٹکٹ پر میرے دست و بازو بن کر الیکشن میں حصہ لیا اور M.P.A منتخب ہو گئے۔ میں نے جماعت سے مشورہ کے بعد انہیں وزیر اعلیٰ پنجاب کا مشیر بنوایا۔ اپنے دور میں انہوں نے عوام کی بے پناہ خدمت کی۔ ان کے کردار پر کرپشن یا خورد برد کا ادنیٰ سا بھی دھبہ نہ لگ سکا۔ وہ جس دوست کے گھر سے نکل کر اسمبلی گئے تھے۔ اسمبلیاں ٹوٹنے کے بعد وہیں واپس آ گئے۔ اپنی ذات کے لئے اپنا گھر تک نہ بنایا۔ ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں میرے جیل میں ہونے کے باعث ہمارا سیاسی پلیٹ فارم نہ ہو سکا۔ اور وہ الیکشن میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ان کے بھائی میاں ظہور ساجد حالیہ بلدیاتی الیکشن میں ضلع کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے۔ میاں صاحب کی عمر بمشکل پچاس سال تک پہنچی ہوگی بلکہ شاید

پینتالیس سال کے ہونگے کہ دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔

میاں صاحب کی وفات سے اہل علاقہ کو اور ان کے اعزہ کو تو دکھ ہوا ہی ہوگا لیکن سپاہ صحابہ" کا ایک ایک کارکن رنجیدہ اور غم زدہ ہے۔ میں ایسے محسوس کرتا ہوں۔ جیسے میرا بازو مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میاں صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے (آمین!)

عزیزم محمد عثمان کی شہادت:۔

میرے تایا زاد بھائی محمد طیب کے بیٹے محمد عثمان کے بارے میں ۱۴ اگست کو میرے سیکرٹری راشد نے مجھے بتایا کہ لاہور جس کوٹھی پر وہ ملازم تھے۔ ڈاکوؤں کی فائرنگ سے زخمی ہو گئے ہیں اور اب ان کی طبیعت اچھی ہے لیکن ۱۹ اگست شام کو باہر سے آمدہ خط سے علم ہوا کہ محمد عثمان کا انتقال ہو گیا ہے۔ یقیناً وہ شہید ہے محمد عثمان میرے لئے بیٹوں کی طرح عزیز نوجوان تھا۔ ان کا گھر گاؤں میں ہمارے گھر کے متصل ہی ہے اور پھر میرے ایک لحاظ سے وہ بڑے بھائی کے بیٹے تھے۔ ان کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ ہمارے پورے خاندان میں ان کا قد سب سے لمبا تھا۔ جب ملتے تو ان سے مزاحاً کہتا" ساتھ سیڑھی لائے ہو"! تاکہ اس پر چڑھ کر تم سے بغل گیر ہوں۔ میں اس کی شادی کی بارات میں کمالیہ جا کر شریک ہوا اور نکاح پڑھایا۔ بہت ہی ہنس مکھ شرمیلا اور پیاری طبیعت کا نوجوان تھا۔ لاہور کوٹ لکھپت جیل میں اکثر ملاقات کو آتا رہتا۔

اس کی شہادت کی خبر سے دل پر بے حد صدمہ کا اثر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے درجات کو بلند فرمائے اور اس کے والدین و اعزہ و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے (آمین)

سانحہ سیشن کورٹ کے ملزم محرم علی کی پھانسی۔ اصل قاتلوں کو تحفظ دینے کی سازش:۔

۱۱ اگست ۱۹۹۸ء کی صبح ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں اس شیعہ نوجوان کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا جس نے ۱۸ جنوری ۱۹۹۷ء کو سیشن کورٹ لاہور میں ریموٹ کنٹرول کے ذریعہ موٹر سائیکل میں فٹ بم کا دھماکہ کر کے قائد سپاہ صحابہؓ علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقی سمیت پچیس افراد کو شہید کر دیا تھا۔ ملزم موقع پر پکڑا گیا۔ انسداد دہشت گردی کی عدالت میں حکومت نے ہم مدعی اور موقع کے گواہوں کو سنے بغیر فیصلہ کرا کر ہائی کورٹ، سپریم کورٹ صدر مملکت سے ہونے والی اپیلوں کو مسترد کرا کر تختہ دار تک پہنچا دیا۔ تاکہ اس مقدمہ کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے۔

محرم علی کی پھانسی کا مقصد سانحہ سیشن کورٹ کے ان حقیقی ملزمان کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ جنہوں نے محرم علی کو استعمال کیا اور اسے وسائل، روپیہ، اسلحہ فراہم کیا۔ ان افراد کے نام حضرت فاروقی شہید کے بھائی طاہر محمود کی طرف سے درج کرائی گئی۔ F.I.R میں موجود ہیں۔ مگر وہ افراد آج کل حکمرانوں کی آغوش میں ہونے کے باعث قانون کی گرفت سے بالاتر رہے ہیں۔

مگر ہم ان حقیقی قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لئے تمام قانونی اور عدالتی راستے اختیار کرتے رہیں گے۔

حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کی ملاقات پر آمد:۔

۱۲ اگست صبح نو بجے معلوم ہوا کہ فیصل آباد سے حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی

صاحب ملاقات کو تشریف لا رہے ہیں۔ ان کی اچانک آمد پر باہر کے احباب کو بھی ایسے لگا جیسے کسی منصوبہ کے تحت آ رہے ہیں اور مجھے بھی اس بات کا احساس ہوا لیکن چونکہ حضرت کو مجھ سے ملاقات کیے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ بعد ازاں آپ خود بیمار ہو گئے پھر اہلیہ بیماری ہو گئیں۔ اس لئے دوبارہ رابطہ نہ ہو سکا۔ اب بستر علالت سے اٹھ کر آپ نے لاہور میں صوبائی افسران سے مل کر ملاقات کی اجازت حاصل کی اور تشریف لائے۔ ہماری رہائی کے لئے آپ کی مخلصانہ کوششیں ضرور بار آور ثابت ہوں گی۔ حضرت کے ہمراہ صاحبزادہ زاہد محمود قاسمی بھی تھے۔ دوران ملاقات حضرت نے بتایا کہ تاحال حکمران طبقہ کے دل آپ کے لئے نرم نہیں ہوئے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت! آپ کی شفقت اور دعاؤں کی مجھے ضرورت ہے۔ اگر یہ لوگ ظلم پر ڈٹے ہوئے ہیں تو ہم بھی حق پر انشاء اللہ ڈٹے رہینگے۔ آپ بے فکر رہیں۔ ہم آپ کے بیٹے ہیں اپنے اکابر کی یادیں تازہ کر کے دکھائیں گے۔ میری اس گفتگو سے حضرت قاسمی صاحب مدظلہ کو بہت ہی مسرت ہوئی اور وہ دعائیں دیتے ہوئے تشریف لے گئے۔

ذکر محسنین اٹک کا:۔

یہ شاید اٹک کی اس قدیم جیل کا اثر ہے کہ اس علاقہ میں آج ان اہل حق کے نام لیواؤں اور تحریک آزادی ہند کے علمبردار علماء کرام کے روحانی فرزندوں کا ایک ایسا حلقہ اثر قائم ہے کہ جس کی وجہ سے ضلع اٹک ایک امتیازی مقام رکھتا ہے۔ یہ وہ شہر ہے جس کی سرزمین پر حضرت شیخ القرآنؒ جیسے قرآن و سنت کے ترجمان حضرات اور قاضی زاہد الحسینی جیسے علم و عمل کے گوہر تابدار آرام فرما رہے ہیں۔ اس جیل کے در و دیوار آج بھی حضرت بخاری، حضرت ہزارویؒ حضرت شیخ القرآن اور اکابرین کی قربانیوں کی شہادت دیتے ہیں اور زبان حال سے ان کے استقلال و جرات کی داستانیں بیان کرتے

ہیں۔ مجھے شروع میں اس جیل کی جن کال کوٹھڑیوں میں وقت گزارنے کا موقع ملا۔ یہ وہی کال کوٹھڑیاں تھیں جہاں کبھی تہجد کے وقت حضرت بخاریؒ نے کوٹھڑی کے دروازے کی سلاخوں کو پکڑ کر کہا تھا۔

زندگی کی اداس راتوں میں اک دیا سا ٹمٹماتا ہے
اے ہوا اسے بھی گل کر دے ڈھل چکی ہے رات اب کون آتا ہے

جو چمن سے گذرے تو اے صباء ذرا کہنا بلبل زار سے
خزاں کے دن بھی قریب ہیں نہ لگانا دل کو بہار سے

مجھے اس جیل میں جو روحانی طور پر تسکین نصیب ہوئی ہے اور جو کام میں اس جیل میں سخت ترین پابندیوں کے باوجود کر پایا ہوں۔ میں اسے اس جیل میں اکابرین کی روحانی برکات کا فیض سمجھتا ہوں۔ حالانکہ اڑھائی سال کا عرصہ باقی جیلوں میں بھی گذرا ہے لیکن تہجد، تلاوت، ذکر واذکار، تصنیف و تالیف کا کام جس طرح یہاں سرانجام پا رہا ہے کسی دوسری جیل میں نہیں ہوا۔

گو کہ میری ملاقات پر سخت ترین پابندی ہے لیکن اس کے باوجود باہر کے دو ساتھیوں نے تو کمال کر دیا ہے۔ ان کی طرف سے رابطہ کا سلسلہ ایسا مضبوط ہے کہ جیل انتظامیہ سرکاری خفیہ ایجنسیاں اور راٹک کی انتظامیہ و پولیس اس "رابطہ" کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے۔

حافظ حبیب الرحمن انجم:۔

یہ نوجوان ساتھی عرصہ نو سال سے میرے ساتھ شناسائی رکھتے ہیں اور ان کا مجھ سے رابطہ صرف جیل میں نہیں بلکہ باہر بھی اس قدر مضبوط ہوتا ہے کہ میں ملک کے جس حصے

میں بھی ہوں یہ فون کے ذریعہ وہیں پہنچ جانے میں کمال مہارت رکھتے ہیں۔ حضرت فاروقی شہید پر ۲۲ فروری ۱۹۹۵ء کو لندن میں قاتلانہ حملہ ہوا تو پاکستان میں سب سے پہلے انہوں نے اس خبر سے مجھے آگاہ کیا۔ پھر صرف یہ باتوں کے ہی آدمی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی جیب ہر وقت قائدین کی خاطر و مدارت خصوصاً قائدین کی دعوت کے لئے مچلتی رہتی ہے۔ ان کے پاس عثمانیہ ہوٹل کی دعوت کے کارڈ تو ہر وقت چھپے ہوئے پڑے ہوتے ہیں۔ کہیں بات ہوئی تو فوراً دعوت دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ آج کل جیل میں بھی ان کے دعوتی کارڈوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ ادھر مجھے آج کل اپنے وزن کے بڑھنے کی فکر لاحق ہے۔ لہٰذا میں مسلسل ٹال مٹول سے کام لیتا رہتا ہوں لیکن کبھی کبھی مجھے ان کی ناراضگی سے بچنے کے لئے ان کی دعوت قبول کرنا پڑتی ہے۔

اخبارات کے ساتھ روابط میں بے مثال ہیں۔ سیاستدان، صحافیوں اور اخبارات کے نمائندوں کے پیچھے ہوتے ہیں جبکہ نمائندے ان کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ سماجی کارکن ایسے ہیں کہ مظلوم اور مستحق شخص کے لئے پیدل بھاگ دوڑ میں مصروف رہتے ہیں۔ تعلقات پیدا کرنے اور دوستی کا رشتہ استوار کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ جس کے ساتھ ایک ملاقات ہوئی بس وہ انہی کے گن گانے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے۔ ایسے مخلص لوگ اس دور میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتے ہیں۔ باتوں کے غازی بھی ادھر موجود ہیں۔ مگر یہ سردار کا غازی شخص دکھ سکھ سفر و حضر میں ایک چھوٹے بھائی کی طرح بلکہ سایہ کی طرح ساتھ رہنے والا آدمی ہے۔

محمد ساجد:- یہ نوجوان ساتھی سپاہ صحابہؓ کے ان مخصوص شاہینوں میں سے ایک ہے کہ جس کا کام ہر اس پروگرام اور کانفرنس کو اٹنڈ کرنا ہے جہاں قائدین سپاہ صحابہؓ یا اکابرین اہل سنت خطاب کرنے والے ہوں۔ حضرات قائدین سپاہ صحابہؓ کی تقاریر کی نادر و نایاب

کیسٹوں کو جمع کرنا ان کا مشغلہ ہے۔ ایک اچھے معلم کے ساتھ ساتھ اچھے ورکر بھی ہیں۔ جو کام ان کے ذمہ لگائیں پوری تندہی اور رازداری سے سرانجام دینے کے بعد واپس اطلاع دے کر مطمئن ہوتے ہیں۔ اس وقت دنیا بھر میں رابطہ کا ذریعہ ہیں۔ تقریر و تحریر انہی کے ہاتھوں سے گذر کر دنیا بھر میں پہنچتی ہے۔ امین ایسے ہیں کہ اپنی جیب سے امانت میں مزید رقم جمع کر کے میرے لئے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ادھر چونکہ جیل کے اندر ہانڈی پکانا ایک اچھا خاصا خرچہ کا کام ہے۔ اسی طرح ناشتہ چائے وغیرہ کے اخراجات بھی ہیں۔ جب کوئی چیز ختم ہو جائے تو لکھنے کی دیر ہے بس اسی وقت پہنچا دیتے ہیں۔ رحمت و زاہد جیسے مخلص نوجوان ان کے معاون و مددگار ہیں۔ اس ضلع میں جماعت کو منظم و مربوط بنانے میں ان کی بڑی کوششیں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور ان کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ اس ساتھی کی صلاحیتوں سے مستفیض ہونے کا موقع یہاں آکر پہلی مرتبہ ملا ہے۔ لیکن پورے سال میں اتنی خدمت کر چکا ہے کہ پچھلی کوتاہیوں کی تلافیاں بھی ہو گئی ہیں۔ علامہ اقبال کا شعر اس کی نذر کرتا ہوں۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

حافظ محمد صدیق:۔

حضرت شیخ القرآن کی تربیت کے اثر سے سرشار اور جرات و بسالت کے پیکر حافظ محمد صدیق صرف اٹک کی پہچان ہی نہیں بلکہ راولپنڈی ڈویژن میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں۔ سپاہ صحابہؓ کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن اور صوبہ پنجاب کے نائب صدر کی حیثیت سے ان کی خدمات قابل قدر ہیں۔ اب جبکہ وہ واہ کینٹ میں اپنا مدرسہ چلا رہے ہیں اور کچھ عرصہ سے ان کی سرگرمیاں کم ہو چکی تھیں۔ اٹک ضلع میں جماعت کا کام بالکل نہ ہونے کے

برابر ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے اٹک جیل آنے کے بعد حافظ صاحب کو مختلف ذرائع سے آمادہ کیا کہ وہ میدان عمل میں اتریں۔ الحمدللہ وہ پھر متحرک ہو چکے ہیں اور اسلامی کیسٹ سینٹر پر چھاپہ کے بعد ضیاء الرحمٰن اور چار دیگر نظر بند ساتھیوں کی رہائی کے لئے دیگر علماء کرام کے ہمراہ اٹک انتظامیہ سے ان کے کامیاب مذاکرات سے کارکنوں کو نیا حوصلہ ملا ہے۔ اب ایک مرتبہ پھر انہیں ضلع اٹک کا کنونیئر چن لیا گیا ہے تاکہ وہ جماعت کی رکنیت سازی کا کام شروع کر کے اس علاقہ کے کارکنوں کو میدان عمل میں کھڑا کر سکیں۔ وہ اس سلسلہ میں نہایت ہی تیزی کے ساتھ کامیاب ہو رہے ہیں۔

حافظ صاحب کی شخصیت صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ بیرون ممالک میں بھی ایک اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ وہ غیر ملکی تبلیغی دورے کر کے مشن کی آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ سماجی کاموں اور مذہبی تحریکوں میں حافظ صاحب کا کردار اچھوتا اور منفرد ہوتا ہے۔ ایسے مخلص اور اپنی جیب سے خرچ کرنے والے لوگ اس دور میں گوہر نایاب ہیں۔ دعاگو ہوں کہ رب العالمین حضرت حافظ صاحب کا سایہ اس ڈویژن پر اور پوری جماعت پر سلامت رکھے۔ (آمین!)

مولانا عبدالخالق صاحب:۔

دینی و مذہبی حمیت سے سرشار۔ ان تھک اور سرگرم عالم دین مولانا عبدالخالق صاحب علاقہ چھچھ کے ہر دل عزیز راہنما اور سپاہ صحابہؓ کے کارکنوں کے دل کی دھڑکن ہیں۔ رافضیت اور بدعت و شرک کے خلاف شمشیر برہنہ اور حق گوئی کے جذبہ سے لبریز ہیں۔ ڈویژن میں جلسوں اور کانفرنسوں میں اکیلے نہیں بلکہ گاڑیاں بھر بھر کے کارکنوں کے ہمراہ پہنچنا ان کا شعار ہے اور کارکن بھی ان کے اشاروں پر ہر لمحہ عمل پیرا ہونے کو تیار رہتے ہیں۔ گذشتہ ایک سال سے کچھ تعلیمی مصروفیات کے باعث ان کی سرگرمیاں بالکل

ماند ہو کر رہ گئی تھیں۔ لیکن اب ساتھیوں کے اصرار پر حافظ محمد صدیق کی رفاقت کے لئے تیار ہو کر پھر میدان عمل میں اتر چکے ہیں اور مجھے بڑی ہی اچھی خبریں آ رہی ہیں کہ وہ جماعت کی آواز کو گھر گھر پہنچانے میں کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ گذشتہ چند مہینوں میں جیل میں حضرو کے ایک مقدمہ تقریر میں میرے مقدمہ وار ہونے کے باعث تاریخ سماعت پر آنے کے باعث ملاقات میں بھی کامیاب ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی صلاحیتوں اور توانائیوں کو مشن حق کے لئے قبول فرمائے اور ان کی حفاظت فرمائے۔ (آمین!)

حضرت مولانا عبد السلام صاحب مدظلہ:۔

مدرسہ اشاعت القرآن حضرو کے مہتمم حضرت مولانا عبد السلام صاحب مدظلہ کا علمی مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ اس علاقہ میں استاذ العلماء کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ بے شک ان کے شاگرد علماء کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ آپ کی شخصیت صرف درس و تدریس یا دار الحدیث تک محدود ہو کر رہنے والی نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی سرپرستی پوری ڈویژن کی دینی و مذہبی تحریکوں کو حاصل ہوتی ہے۔ کوئی مذہبی جلسہ یا کانفرنس آپ کی صدارت کے بغیر ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ آپ وہ شجر سایہ دار ہیں کہ جس کے سایہ میں مذہبی، دینی جماعتوں کے کارکن عافیت و اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ آپ کا وجود خیر و برکت اور علاقہ بھر کے لئے امن و آشتی کا موجب ہے۔ لوگ آپ کی آراء اور مشوروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک اور حیرت انگیز سلسلہ اس علاقہ میں آپ کے دم قدم سے قائم ہے کہ آپ گاؤں گاؤں جا کر عوام الناس کو پیش آنے والے مسائل پر شرعی فتووں کے ذریعہ دین اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرتے ہیں۔

مجھے اس بات پر بے پایاں مسرت ہے کہ حضرت کی خصوصی شفقت و محبت سے حظ

وافر حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ اٹک جیل آمد پر حضرت کی طرف سے ملاقات کی بڑی کوششیں ہوئیں لیکن ضلع انتظامیہ کے بے بس و بے اختیار ہونے کے باعث کامیابی نہ ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص کی برکت سے ملاقات کا ایسا راستہ نکالا کہ جس پر عقل حیران ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرو میں تقریر کرنے کا ایک مقدمہ مجھ پر قائم تھا۔ جس میں اس علاقہ کے چیدہ چیدہ علماء کرام کے اسماء گرامی بھی تھے۔ اب اس مقدمہ کی جیل میں سماعت کے باعث حضرت سے تاریخ پیشی کے موقع پر ملاقات ہو جاتی ہے اور حضرت ہر ملاقات پر جس طرح محبت و شفقت کا اظہار فرماتے ہیں۔ میرے لئے وہ باعث فخر و صد افتخار ہے۔

مولانا محمد صابر صاحب:۔

بہت ہی شفیق استاد اور ریشم جیسی نرم نرم طبعیت کے مالک مولانا محمد صابر صاحب کی شخصیت صرف دینی مدارس کے طلباء کے لئے ہی ایک نعمت عظمیٰ نہیں ہے۔ بلکہ علاقہ کے عوام کے لئے بھی آپ وہ چشمہ صافی ہیں۔ جس کے فیوض و برکات سے عام و خاص مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی تقریر کا انداز ایسا منفرد ہے کہ جو بات ہم گھنٹوں میں پسینہ پسینہ ہو کر سمجھا پاتے ہیں، آپ وہی بات مسکراتے ہوئے سادہ پیرائے میں دل نشین انداز کے ساتھ جاہل سے جاہل آدمی کے قلب و جگر میں اتار دیتے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر اکابرین کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس علاقہ کے علماء کرام کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت سادگی کی ہے۔ اور تکلفات سے دوری ہے۔ حضرت مولانا محمد صابر صاحب مدظلہ ان صفات میں سب سے آگے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ ہر تاریخ پیشی پر نہ صرف حضرت مولانا محمد صابر کی طرف سے سلام پہنچاتے ہیں بلکہ پابندی سے حضرت کا ہدیہ بھی عنایت فرماتے ہیں۔ ہر دو حضرات کے خلوص اور چاہت کا میں اس قدر معتقد ہوں کہ لفظوں میں اس کا اظہار ممکن نہیں ہو پا رہا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

ممتاز راٹھور صاحب:-

ممتاز راٹھور ایک ایسے مزدور و محنت کش ساتھی کا نام ہے۔ جس کے شب و روز سپاہ صحابہؓ کے لئے وقف ہیں۔ خواہ کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ کر رہے ہوں۔ سپاہ صحابہؓ کے کسی پروگرام کی بھنک کانوں میں پڑنے کی دیر ہے۔ پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس پروگرام میں شریک ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ عہدیداران اور کارکنوں سے بہت ہی قریبی تعلق رکھتے ہیں اور مدرسہ اشاعت القرآن حضرو کے اساتذہ و طلبہ کے دل و جان سے خادم ہیں۔ انہی خوبیوں کی بناء پر وہ علماء کرام اور صلحاء کی آنکھوں کا تارہ ہیں۔

محمد صفدر عباسی صاحب:- حضرو کے علاقہ میں سپاہ صحابہؓ کی پہچان ہیں اور صبح و شام اسی مشن اور کاز کے لئے سرگرم رہتے ہیں۔ مرکز یا صوبہ کی طرف سے جب کوئی ہدایت انہیں پہنچی ہے تو دل و جان سے اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور سالانہ فنڈز ہوں یا قربانی کا مسئلہ ہو یا کوئی تنظیمی کام یا جلسہ وغیرہ کی تیاری، گرفتار شدگان کی رہائی یا مقدمات کی پیروی کی بات ہو۔ وہ اس کے لئے مستعد ہوتے ہیں۔ مخلص ترین احباب میں سے ایک ہیں اور علماء کرام و مشائخ علاقہ کے معتمد خاص ہیں۔

حافظ طارق صاحب و محمد طاہر صاحب:-

دونوں بھائی مخلص ترین احباب میں سے ہیں۔ ہر تاریخ پیشی پر گھر سے قسم قسم کے مزیدار کھانے لانا اور ساتھ ساتھ رہائی کے بعد کی دعوت کا ابھی سے وعدہ لینے کا اصرار ان کی محبت و چاہت کی دلیل ہے۔ قائدین اور جماعت کے لئے مالی، جانی قربانی کو ہر لمحہ تیار رہتے ہیں۔

مولانا محمد نعیم قاسمی صاحب:۔

مولانا محمد نعیم قاسمی صاحب سے تعلق کراچی میں رہائش کے دور سے ہے۔ اٹک ضلع میں پہلی مرتبہ آمد انہی کی دعوت پر غور غشتی میں ہوئی۔ ماشاء اللہ اب اپنے اس علاقہ میں جامعہ امیر معاویہؓ کا قیام عمل میں لاکر خوب خدمت دین میں مصروف ہیں۔ ان کے برادر مکرم حافظ عبدالکریم صاحب، ماسٹر اعظم صاحب اور دیگر احباب کا میں دل سے قدردان ہوں۔ یہ حضرات ہر ہفتہ سبزی اور فروٹ اس قدر بھجوا دیتے ہیں کہ ہمیں سبزی خریدنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہت ہی جزاء خیر دے۔

علاوہ ازیں غور غشتی کے محمد اسحٰق صاحب بھی ایسے کارکن ہیں۔ جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔



شیخ اسامہ بن لادن.... غیرت اسلامی کا عظیم شاہکار

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا ہے فقط عالم معنی کا سفر
آہ! اے مسلماں کیا تجھے یاد نہیں
حرف لا تدع مع اللہ الٰہ آخرO

جب سے امت اپنے مذہب و دین کے راستہ سے بھٹکی ہے اور منہاج نبوت سے منہ موڑ کر یورپ کی اندھی تقلید میں شتر بے مہار کی طرح نفس و شیطان کی فریب کاریوں' دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور فسوں کاریوں میں الجھی چلی جارہی ہے اس وقت سے ہی اس کے زوال کا سفر شروع ہوا ہے کہیں بیت المقدس اس کے ہاتھ سے چھن رہا ہے تو کہیں بنی اسرائیل جیسی ذلیل و کمینہ صفت مٹھی بھر قوم عالم اسلام کا منہ چڑا رہی ہے۔ کہیں کشمیر و بوسنیا میں اس کے خون سے درندہ صفت کفار اپنے ہاتھ رنگین کررہے ہیں تو کہیں عراق اور کوسوو کے مسلمانوں کو امریکی اور سربیائی طیاروں کے ذریعہ گرائے جانے والے بموں' میزائلوں اور گولوں کا نشانہ بننا پڑ رہا ہے۔ تعداد کے اعتبار سے دو ارب کے لگ بھگ ہونے اور پچاس سے زائد اسلامی ممالک کی ملکیت کے دعویٰ کے باوجود مسلمان جس قدر آج تباہی و بربادی' ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں اس کی مثال اسلام کی گزشتہ چودہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ اس سے بڑھ کر عالم اسلام کی زبوں حالی کا اور ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ خود ان کے ملکی وسائل' پٹرول کے ذخائر اور سونے کی کانیں دشمنوں کے نرغے میں ہیں اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ جیسے مقدس شہر یہودیوں اور نصرانیوں کی مسلح افواج کی زد میں ہیں۔

اسلامی ممالک کے سربراہ امریکہ اور یورپ کے ایسے فرمانبردار غلام

بن چکے ہے کہ گویا وہ سانس بھی اس سے پوچھے بغیر نہیں لیتے۔ بعض ممالک کے سربراہان کا کردار تو اس قدر شرمناک ہے کہ ان کے سامنے میر جعفر و میر صادق کی مثالیں بھی ہیچ نظر آتی ہیں۔ اپنے ہی اسلامی بھائیوں کے گلے پر چھری چلانے کے لئے وہ دشمنوں کے آلہ کار بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ان ناگفتہ بہ حالات میں اگر کسی طرف سے اسلام کی سربلندی اور امریکہ کی بربادی کی آواز اٹھتی ہے تو نہ صرف اسے دبانے کا ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہے بلکہ عالم اسلام کے حکمرانوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اس آواز کو خاموش کریں۔

امریکی اور یورپی مظالم کی اندھیر نگری اور عالمی سطح پر چنگیزیت کا کردار دھرانے کی سازشوں کے بالمقابل اگر اس زمانہ میں کسی شخص نے ایمانی قوت اور دینی غیرت سے سرشار ہو کر اپنے بے پناہ سرمائے اور آبائی وطن کی پر آسائش زندگی کو قربان کر کے مجاہدین اسلام کے ساتھ سردیوں کی شدت اور گرمیوں کی حدت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے صحراؤں اور کوہساروں کو اپنا مسکن بنا کر عالم کفر کو نہ صرف للکارا بلکہ عملاً امریکہ جیسی مادی قوت پر کاری ضرب لگا کر اسے اس قدر رگیدا کہ امریکی صدر کی چیخیں پوری دنیا میں سنائی دے رہی ہیں۔ اس عظیم مجاہد اور افواج اسلامی کے سالار کا نام اسامہ بن لادن ہے۔

کفر کے اوسان خطاء کرنے' اس کے پاؤں سے زمین کھینچنے اس کے غرور و تکبر کو خاک میں ملانے' امریکہ کی نام نہاد سپر مینی کو دنیا بھر میں نیچا دکھانے اور بل کلنٹن کے بل نکالنے والے مجاہد کا نام اسامہ بن لادن ہے۔ قدرت نے اس عظیم مجاہد اور غیرت اسلام کی اس علامت کو افغانستان جیسے ملک میں طالبان جیسے مخلص و وفاشعار ساتھیوں سے نواز کر یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ کفر کے سینے پر مونگ دلتا رہے۔

چنانچہ شیخ اسامہ بن لادن کو راستہ سے ہٹانے کے لئے کبھی امیرالمومنین

ملا محمد عمر مجاہد کو بڑی سے بڑی پیشکشیں کی گئیں تو کبھی کروڑوں ڈالر کے انعامات کا اعلان کر کے شیخ اسامہ کو قابوں میں لانے کی چالیں چلی گئیں۔ جب یہ تمام ہتھیار کند ثابت ہوئے اور ادھر طالبان کا اسلامی لشکر شیعوں اور آغاخانیوں کے مراکز بامیان اور درہ کیان کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا کامیابی کے جھنڈے گاڑتا چلا گیا تو امریکہ کی طرف سے پاکستان کی سمندری حدود میں موجود بحری بیڑے سے کروز میزائلوں کے ذریعہ 20 اور 21 اگست 1998ء کی درمیانی شب پاکستان کی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے افغانستان کے ٹریننگ سینٹروں پر حملے کئے گئے۔ جن سے دو درجن کے لگ بھگ اور ایک اطلاع کے مطابق 40 مجاہدین شہید ہو گئے۔ اسی طرح سوڈان میں ایک فیکٹری پر حملہ کیا گیا۔ لیکن جسے ذات قدیر سلامت رکھے اور اس سے کام لینا چاہے اسے دنیا کی کوئی طاقت نقصان نہیں پہنچا سکتی ہے۔

امریکہ کی اس ناپاک جسارت اور شرمناک اقدام کا ایک نہایت ہی بہترین اور حوصلہ افزا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان میں خصوصاً اور عالم اسلام میں عموماً امریکہ اور یورپ کے خلاف نفرت کی چنگاری بھڑک اٹھی اور مسلمان امریکہ کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے۔ ملک ملک شہر شہر میں امریکی پرچم نذر آتش ہونے اور اسامہ بن لادن سے اظہار ہمدردی کے ساتھ ساتھ والہانہ محبت والفت کے انوکھے انداز سامنے آنے لگے۔ اسامہ بن لادن کی تصاویر سے لوگوں کو اس قدر قلبی عقیدت ہو گئی کہ وہ اپنے ممالک کے سربراہوں کے جلسوں اور کانفرنسوں میں بھی اسامہ کی تصاویر لے کر شریک ہونے لگے۔ تاکہ اسلامی ممالک کے یہ سربراہ اسامہ کی حمایت اور امریکہ کی مذمت میں کچھ الفاظ کہنے پر مجبور ہوں۔ نومولود بچوں کے نام اسامہ رکھنے کی ایسی ہوا چلی کہ بلا مبالغہ ہزاروں بچوں کے نام اسامہ سے موسوم ہو چکے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ان بچوں کو اسم بامسمّٰی بنائے۔ آمین)

اسامہ بن لادن کے خلاف عالم کفر کی سازشوں کا سلسلہ جاری ہے۔ تادم تحریر شیخ اسامہ بن لادن روپوشی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کے اس عظیم سپوت کو سلامت رکھے اور اسے کفر کی کمر توڑنے والے لشکر کی امارت پر فائز رکھے۔ میری اپنی دلی خواہش ہے کہ میں خود اور میری جماعت کا ایک ایک کارکن شیخ اسامہ کی رفاقت میں غلبہ اسلام کے لئے ہراول دستہ کی شکل میں کفار و مشرکین یہودی و نصاریٰ' ہنود و مجوس' رافضیت و قادیانیت کے محلوں کو مسمار کر کے اسلام کا بول بالا کرنے کے کام آئے۔ آمین برحمتک یاارحم الراحمین O

حکمرانوں کا شریعت بل.....یا......امریکہ کے خلاف نفرت کی آگ سرد کرنے کا حربہ؟

28اگست کے اخبارات میں نمایاں خبر کے طور پر یہ بات سامنے آئی کہ میاں نواز شریف نے مسلم لیگ کے پارلیمانی گروپ کی طرف سے قومی اسمبلی میں قرآن و سنت کی بالادستی کے لئے آئین میں پندرھویں ترمیم کیلئے بل پیش کر دیا ہے اس خبر سے ہر مسلمان کے دل میں قدرتی اور فطرتی طور پر خیرسگالی اور مسرت و شادمانی کے جو جذبات پیدا ہونے تھے ان سے انکار ممکن ہی نہیں تھا۔ اور ہر طرف سے اس بل کا خیر قدم کیا جانا ایک لازمی امر تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ایک حقیقت تھی کہ پیپلز پارٹی جیسی سیکولر لادین جماعت اور بعض غیر ملکی فنڈز سے پروان چڑھنے والی تنظیمیں اس بل کے خلاف زہر اگلنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑیں گی۔ گویا کہ شریعت بل کے اسمبلی میں پیش کرنے سے ملک میں ایک بحث کا آغاز ہو گیا۔ اور پاکستان کے عوام کے قلب و ذہن میں امریکہ کی جارحیت کے باعث نفرت اور شدت کا جو

مواد جمع ہو رہا تھا اور آئے دن امریکہ کے خلاف مظاہروں اور احتجاج کا سلسلہ جاری تھا وہ بالکل اس نئی بحث اور شور و غوغا اور سرکاری ذرائع ابلاغ سے شریعت بل کے عنوان پر ہونے والے مذاکروں کی آوازوں کے مابین نقار خانوں میں طوطی کی آواز کی شکل اختیار کر گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکمرانوں کی طرف سے اچانک ایک ایسے وقت پر جب پوری قوم اور عالم اسلام امریکہ کے خلاف سراپا احتجاج ہے اور اسامہ بن لادن کی حمایت میں مسلمان نوجوان جہاد کی راہ اختیار کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں اچانک شریعت کے نام پر پوری قوم کا رجحان تبدیل کرنے کا مقصد کیا تھا؟؟ حکمرانوں کی طرف سے آگے چل کر اس شریعت بل کو صرف قومی اسمبلی سے پاس کرا کر ایوان بالا سینٹ میں پیش تک نہ کرنے کا انداز اور پھر اس بل کو بالکل فراموش کر جانے کو دیکھ کر یہ قیاس کرنا حقیقت کے عین مترادف ہے کہ اس بل کا مقصد قرآن و سنت کی بالا دستی ہرگز نہ تھا بلکہ امریکہ کے خلاف پیدا ہونے والی نفرت اور امت مسلمہ کی بیداری کا راستہ روکنا تھا۔

بعض حضرات کو میرے اس تجزیہ سے ضرور اختلاف ہو گا لیکن میرا ان سے سوال ہے کہ حکمران اپنے اختیارات میں اضافہ اور صدارتی اختیارات کی کمی حتی کہ ممبران اسمبلی کی زبان بندی کے لئے آئین میں ترمیم کا تیرھواں چودھواں بل راتوں رات پاس کرا چکے تھے۔ کیا اسلام و شریعت کی بالا دستی کا آئینی پندرھواں بل ان سے پاس کرانا ناممکن تھا؟ اگر کوئی کہے کہ اس بل کے موقع پر بعض جماعتیں حکومت کا ساتھ چھوڑ چکی تھیں اس لئے یہ راتوں رات پاس نہیں کرایا جا سکتا تھا تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا اسلام کے نام پر ووٹ لینے والوں پر فرض نہیں تھا کہ وہ اپنے اختیارات میں اضافہ کے بل سے بھی قبل اس بل کو اس وقت پاس کراتے جب

دونوں ایوانوں میں دو تہائی اکثریت ان کے پاس تھی یا پھر اس بل کو اس وقت تک اسمبلی میں نہ لاتے جب تک اس کے لئے سینٹ میں بھی قومی اسمبلی کی طرح دو تہائی ارکان کی حمایت اندر ہی اندر حاصل کرنے کی یقین دہانیاں حاصل نہ کر لیتے اگرچہ اس بل میں بھی قرآن و سنت کے نام پر ذاتی اختیارات کو اس حد تک بڑھانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام کے نام پر ملک میں گلی گلی پھانسی گھاٹ قائم کر کے مخالفین کو لٹکانے کا اختیار حکمرانوں کو مل جاتا لیکن اس کے باوجود غلط وقت میں دینی و مذہبی جماعتوں کو اعتماد میں لئے بغیر ایسا بل اسمبلی سے پاس کرا کر سینٹ کے سامنے لانے کی کوشش جس سے ملک میں اسلام اور شریعت ہی متنازعہ بن کر رہ گئی اور عملاً اسلام کا مذاق اڑایا گیا اور حیرت تو یہ ہے کہ حکومت نے یہ بل اس روز اسمبلی میں پیش کیا جس سے صرف ایک روز قبل ایم کیو ایم نے حکومت سے علیحدگی کا اعلان کیا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر تو اس بل کو اس وقت تک مؤخر کرنا چاہئے تھا جب تک اس کے سابقہ حلیف پھر دوبارہ ساتھ نہ مل جاتے تاکہ اس بل کے پاس ہونے میں رکاوٹ پیدا نہ ہوتی۔

اس وقت جبکہ میں یہ سطور فیصل آباد کی ڈسٹرکٹ جیل سے تحریر کر رہا ہوں اس بل کو قومی اسمبلی سے پاس ہوئے ساڑھے سات ماہ ہو چکے ہیں۔ اور ابھی سینٹ میں اس کا پاس ہونا باقی ہے لیکن آج کل حکمران بھول کر بھی اس بل کا نام نہیں لے رہے۔ پھر اس بل کی مخالفت جہاں لادین طبقات کی طرف سے ہوئی وہاں قومی اسمبلی کے سپیکر مسلم لیگ کے رہنما الٰہی بخش سومرو اور کئی وفاقی وزراء نے اس بل کے بارے میں ایسے شرمناک ریمارکس دئے کہ جنہیں سن اور پڑھ کر ہر شخص توبہ توبہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک طرف وفاقی وزیر مشاہد حسین یہ کہنے لگے کہ اس بل کے پاس ہونے سے زانیوں کو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔ اور چوروں کے ہاتھ نہیں کٹیں گے۔ دوسری طرف سپیکر قومی اسمبلی یہ بیان دینے لگے کہ بل پاس ہونے سے ملک کے

موجودہ کلچر و ثقافت اور ڈانس و رقص و سرود پر کوئی اثر نہیں پڑیگا۔ یہ بیان انہوں نے شب برات کی مقدس ساعتوں میں فلمی اداکاروں کی طرف سے رقص و سرود کی سجائی گئی محفل میں دیا۔ اسی طرح وفاقی شرعی عدالت نے مسلم لیگ کے سابقہ دور حکومت میں سود کی حرمت کا جو فیصلہ دیا تھا حکومت آج تک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کئے ہوئے ہے کہ اس فیصلہ کو کالعدم کیا جائے۔ تاکہ سودی کاروبار کا تحفظ ہو۔

تم مسلماں ہو دیکھو تو گریبانوں میں
بیچتے پھرتے ہو توحید صنم خانوں میں

آئے روز وطن عزیز میں سرکاری سرپرستی میں سود پر مبنی نئی نئی سکیمیں ریڈیو' ٹی وی اور اخبارات سے پیش کی جا رہی ہیں دوسری طرف سرکاری ذرائع ابلاغ سے فحاشی و عریانی' بے حیائی اور بے دینی کو اس قدر ڈھٹائی کے ساتھ فروغ دیا جا رہا ہے کہ شریف لوگ کانوں کو ہاتھ لگانے لگتے ہیں۔ ظلم و ناانصافی کا دور دورہ ہے لوٹ مار' قتل و غارت گری عام ہے حتیٰ کہ سرکاری سطح پر ماورائے عدالت قتل کی سرپرستی جاری ہے۔ حکمرانوں کے اس کردار کو سامنے رکھ کر ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ اسلام اور شریعت مطہرہ کی بالادستی کے خواہاں اور اس کاز سے مخلص ہیں۔

خلفائے راشدین کے گستاخ کی عبرتناک سزا اور اس کی توبہ

اسلام کی عظمت کے منارے ہیں صحابہؓ
واللہ ہمیں جان سے پیارے ہیں صحابہؓ
وہ چاند جو روشن ہوا بطحا کے افق پر
اس چاند کے تابندہ ستارے ہیں صحابہؓ

۲۲۔ اگست کی دوپہر اپنے معمولات سے فارغ ہو کر اخبارات وغیرہ کا مطالعہ کرنے کے بعد بیٹھا ہی تھا کہ جیل کے دوسرے وارڈ سے قاری ظفر اقبال صاحب ملنے آئے...... کچھ دیر وہ خاموش بیٹھے رہے اور کافی افسردہ نظر آتے تھے۔ میں نے کہا قاری صاحب خیر تو ہے؟ آپ بہت پریشان ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا ہاں جی اور ساتھ ہی ان کی زبان لڑکھڑانے لگی اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر میری تشویش میں اور اضافہ ہو گیا...... میں نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا..... آپ گھبرائیں نہیں اگر کسی نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے تو میں انشاء اللہ اس کا ضرور نوٹس لوں گا۔ اور جس قدر ممکن ہوا آپ کا تعاون کروں گا۔

انہوں نے..... جواب میں کہا۔۔۔۔۔۔ بات دراصل میری ذات کی نہیں ہے...... بلکہ ہوا یہ ہے کہ آج صبح جب میں اپنی بیرک سے باہر نکل کر مسجد کی طرف جا رہا تھا تو ایک شخص نے بلند آواز سے ایک ایسا نعرہ لگایا...... جسے میں بیان نہیں کر سکتا ہوں اور میں اس وقت سے پریشان ہوں اور سوچتا ہوں کہ میں کیا کروں............ یہ جیل ہے۔۔۔۔۔ میں خود بھی ایک بے بس قیدی ہوں...... پھر نیا نیا پہلی مرتبہ آیا ہوں۔ میری بات پر نہ کوئی اعتبار کرے گا نہ ہی کوئی سنے گا۔

مجھے یہ بات سن کر بہت ہی دکھ ہوا لیکن میں نے سمجھا کہ شاید کسی شخص نے قاری صاحب کو دیکھ کر یا علی مدد' یا حسین یا عباس علمبردار وغیرہ کا روایتی نعرہ لگایا ہے۔ مقصد صرف انہیں چھیڑنا تھا..... میں نے کہا.... قاری صاحب یہ شیعہ اور منشیات کے عادی پاگل لوگ شرکیہ' کفریہ نعرے لگاتے رہتے ہیں.......... آپ اس پر زیادہ دل گرفتہ نہ ہوں بلکہ جاہلوں کی ان باتوں کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تاہم میں جیل کے کسی اہل کار کو کہہ کر اس آدمی کو ڈانٹ پلوا دوں گا تاکہ آئندہ وہ آپ کے منہ نہ آئے۔

قاری ظفر اقبال صاحب نے میری یہ بات سن کر کہا.... حضرت اس شخص نے عام سا نعرہ نہیں لگایا بلکہ نقل کفر کفر نہ باشد اس خبیث نے یہ نعرہ لگایا ہے...... علی اللہ........ ابو بکر جھلا......... عمر دلا.... قاری صاحب کی زبان سے یہ الفاظ نکلنا تھے کہ مجھے ایسے جھٹکا لگا جیسے کسی نے میرے جسم پر بجلی کی ننگی تار لگا دی ہو۔ میں دیوانہ وار جوش سے اٹھ کھڑا ہوا...... اور بے ساختہ میری زبان سے یہ الفاظ جاری ہونے لگے۔ میں قیدی ضرور ہوں...... مگر... بے غیرت نہیں ہوں۔ میرے پاؤں میں بیڑیاں ہاتھوں میں زنجیریں ضرور ہیں..... مگر ابھی میں زندہ ہوں۔ جو گستاخی اور توہین ہم آزاد فضاؤں میں برداشت نہیں کر سکتے ہیں اور جن شخصیات کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے اپنے بچوں سے جدائی قبول کی ہے----۔ آزاد دنیا سے منہ موڑا ہے' عیش و عشرت' راحت و آرام کی زندگی کو قربان کیا ہے..... اگر ان شخصیات کی گستاخی آج یہاں ہمارے سامنے ہو تو پھر ایسی زندگی سے تو مرجانا بہتر ہے......... اب میری حالت دیوانوں کی سی تھی۔ میں اپنے وارڈ' قاسم بلاک کے مقفل گیٹ تک پہنچا اور اسے زور زور سے کھٹکھٹانے لگا۔ تاکہ اسے کھولا جائے اور میں خود جیل کے اندر جا کر اس گستاخ کا منہ نوچ لوں.... مگر جیل کا چھوٹا عملہ اور میرے کئی ساتھی مجھے صبر کی تلقین کرنے اور بار بار سمجھانے لگے کہ آپ خود نہ جائیں بلکہ ہمیں موقع دیں تاکہ ہم اس کا نوٹس لیں۔ آپ کا یوں جیل کے دوسرے وارڈ میں جانا مناسب نہیں ہے۔ کافی دیر احتجاج کے بعد میرا غصہ ٹھنڈا ہوا تب میں نے یہ شرط عائد کی کہ ایک ذمہ دار افسر قاری صاحب کے ساتھ جائے اور اس گستاخ کو سخت سزا دے۔ چنانچہ ایک شخص اور قاری ظفر اقبال صاحب گئے تو اس شخص نے تسلیم کیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے چنانچہ اسے لاتوں' گھونسوں اور ڈنڈوں سے خوب نوازا گیا پھر اسے قصوری سیل میں بند کر دیا گیا۔

اس بروقت کاروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر نہ صرف وہ گستاخ ہر شخص کے سامنے توبہ و استغفار کرتا رہا بلکہ جیل میں موجود باقی رافضیوں کو کو بھی کان ہو گئے اور آئندہ کے لئے کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ جیل میں رہ کر اس طرح کی گستاخی کا ارتکاب کرے۔

علامہ شعیب ندیم و مولانا حبیب الرحمان صدیقی کی المناک شہادت اور.......... حکمرانوں کا شرمناک کردار

بہار تازہ کب آئے گی تو' خزاں کا موسم گزر چکا ہے
میرا لہو اب شفق کی صورت ہر اک افق پر چمک رہا ہے

ان دنوں جیل میں میں اور دیگر ساتھی جنون کی حد تک طالبان افغانستان کی فتوحات و غلبہ کے لئے دعاؤں میں مصروف تھے۔ ہر صبح اخبارات میں طالبان کے بڑھتے ہوئے قدموں اور دشمنوں کی پسپائی کی خبریں شوق سے پڑھنا اور جیل میں ریڈیو کے ذریعہ تازہ حالات سے آگاہ ہونا ایسا معمول بن گیا تھا کہ اس سے قبل کبھی ایسی مثال دیکھنے میں نہیں آتی۔

اس سے قبل ریڈیو پاکستان سے کئی کئی ماہ تک خبریں سننے کیلئے طبیعت آمادہ نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ہمارے ملکی ذرائع ابلاغ سے سوائے حکمرانوں کی مدح و تعریف اور بے معنی خبروں کے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ مگران دنوں ریڈیو پاکستان کی خبریں حتیٰ کہ ایران سے ریڈیو زاہدان کی خبریں بھی پابندی سے سنی جاتی تھیں۔

چنانچہ ۱۳ ستمبر اتوار کے روز رات کے آٹھ بجے پاکستان ریڈیو کی خاص خاص خبریں سن کر BBC کی خبریں سننا شروع کیں تو اہم خبر یہ سنی کہ طالبان نے

افغانستان میں شیعہ کے اہم صوبہ بامیان پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی بے ساختہ زبان سے......اللہ اکبر......... کا نعرہ بلند ہوا اور اس قدر خوشی ہوئی کہ جیسے اس کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اپنی خوشی کا اظہار انسان کی فطرت ہے۔ مگر یہاں کسی خوشی کا اظہار بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ اتنے بڑے وارڈ یعنی سزائے موت کے سولہ سیلوں میں کل ہم دو ساتھی تھے۔ چنانچہ دوسرے ساتھی مقصود احمد کو ہی مبارک باد دی اور ایک دوسرے سے گلے ملے کہ.... الحمد اللہ طالبان نے ایران کی ایک لحاظ سے ذیلی کالونی اور "حزب وحدت" کے گڑھ پر قبضہ کر لیا ہے۔ چنانچہ اب مزید شوق پیدا ہوا کہ ساڑے آٹھ بجے ریڈیو ایران زاہدان کی خبریں سنی جائیں کہ خود ایران کیا کہتا ہے۔ ریڈیو ایران زاہدان کی خبریں پڑھنے والے نیوز رپورٹر کی آواز و انداز ہی سے معلوم ہو رہا تھا کہ ان کے گھر میں صف ماتم برپا ہے۔ خبروں کے بعد "گشت و گزار" کے نام سے جو تبصرہ نشر کیا گیا اس میں ایرانی افواج کے سربراہ "خامنہ ای" کا ایک درد انگیز خطاب سنایا گیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ طالبان نے بامیان کے مومنین سے وحشیانہ سلوک روا رکھا ہے اور ہمارے دل خون کے آنسو رو رہے ہیں۔

ان خبروں سے فارغ ہوئے' عشاء کی نماز ادا کی وظائف پڑھے اور شکرانے کے نوافل ادا کئے لیکن آج نیند تھی کہ آنکھوں سے کوسوں دور تھی...... جونہی آنکھیں بند ہوتیں فوراً میں افغانستان کے کوہساروں میں طالبان اسلام کے لشکروں کے درمیان پہنچ جاتا اور مجھے ان پر جوش مجاہدین اسلام کے مخصوص نعروں کی گونج اور گھن گرج سنائی دینے لگتی۔

اس عالم میں گھڑی پر نظر پڑی تو دس بج رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر B.B.C ریڈیو جیسے عالمی ذریعہ ابلاغ سے طالبان کی فتوحات کی خبریں سننے کا شوق پیدا ہوا۔ اس دفعہ پھر بامیان کی فتوحات کا خصوصی ذکر کیا گیا لیکن خبروں کے آخر میں بتایا گیا

کہ پاکستان میں اسلام آباد کے قریب چار سنی علماء کرام کو آج دہشت گردی کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی خبریں ختم ہو گئیں۔ اس اجمالی اور مختصر سی خبر نے ہمارے ہوش اڑا دیئے۔ اور بامیان کی فتوحات کی ساری خوشیاں کافور ہو گئیں اور خدشات نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ زبان سے بے ساختہ یہ جملے نکلنے لگے...... اللہ تعالیٰ خیر فرمائے... یہ واقعہ کہیں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پیش نہ آیا ہو۔ تب میں نے دوسرے ساتھی مقصود کو بھی گہری نیند سے بیدار کیا...... اور اسے کہا...... یہ ایک بہت ہی المناک خبر آئی ہے۔ اللہ خیر کرے..... مجھے تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر لگ گئی ہے..... اور دشمن نے افغانستان کے صوبہ بامیان میں طالبان کی فتح کا ہم سے انتقام لے لیا ہے۔ مقصود نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا.... اگر خبروں میں کسی عالم دین کا نام نہیں لیا گیا تھا تو ممکن ہے کوئی اور لوگ ہوں۔

تاہم میرا دل تیزی سے دھڑکتا چلا جا رہا تھا اور ہم نے اب ہمہ تن گوش ہو کر B.B.C کی خبروں کے بعد "شب نامہ" کے نام پر پیش کیئے جانے والے تبصرہ کو سننا شروع کر دیا۔ شب نامہ بھی کافی حصہ بامیان کی فتوحات کے تذکرہ پر مشتمل تھا.... مگر...اب ہمارے کان صرف اور صرف پاکستان کے دارالخلافہ کے سانحہ کی تفصیلات سننے کے لئے بے چین تھے۔ بالآخر وہ لمحہ آ گیا جب پاکستان کے سانحہ کا تذکرہ ہونے لگا۔ BBC کے اسلام آباد سے نمائندہ ظفر اقبال کی زبانی اس سانحہ کی تفصیلات بیان ہونا شروع ہوئیں اور انہوں نے بتایا کہ آج سہ پہر مری میں ایک جلسہ میں شرکت کے لئے جاتے ہوئے سپاہ صحابہ کے مرکزی راہنما علامہ شعیب ندیم اور مولانا حبیب الرحمان صدیقی' ان کے گن مین اور ڈرائیور کو نہایت بے دردی کے ساتھ ہلاک کر دیا گیا۔

یہ خبر میرے لئے قیامت کی خبر تھی۔ میرے بدن میں سرسراہٹ سی دوڑ گئی اور دل

دھڑکنے لگا شعیب ندیم کا خون میں لت پت چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میری متاع عزیز چھن گئی ہے۔ میں کچھ دیر بے خودی کے عالم میں گم سم بیٹھا رہا پھر میری زبان پر انا للہ و انا الیہ راجعون کے ساتھ ساتھ یہ اشعار جاری ہو گئے۔

مجاہدوں کے بازوئے فلک فگن عجیب ہیں
بہادروں کے پنجہ ہائے تیغ زن عجیب ہیں
یہ جسم ہائے خونچکاں و بے کفن عجیب ہیں
مجاہدو شہید کے یہ بانکپن عجیب ہیں
حیات گر حیات ہے تو موت بھی حیات ہے

------------- ☆ -------------

زکواۃ دے اگر کوئی زیادہ ہو تونگری
بکھیر دے اناج گر تو فصل ہو ہری بھری
چھٹیں جو چند ڈالیاں نمو ہو نخل تاک کی
کٹیں جو چند گردنیں تو قوم کی ہو زندگی
لہو جو ہے شہید کا وہ قوم کی زکواۃ ہے

------------- ☆ -------------

ساتھی سے بھی میں نے کہا کثرت سے انا للہ پڑھو......... ورنہ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اس جانکاہ خبر کے صدمہ سے میں ذہنی توازن نہ کھو بیٹھوں۔ ہمارے قلب و جگر ذہن و شعور پر اس خبر کا کس قدر اثر ہوا اور اس ناگہانی آفت نے ہمیں کس طرح ہلا کر رکھ دیا اور یہ غم ناک والمناک سانحہ ہم پر پہاڑ

بن کر ٹوٹا..... یہ وہ بات ہے جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے لفظوں میں بیان کرنے کی مجھے تو کیا کسی شخص کو بھی طاقت نہیں ہے۔ بے شک اس سے قبل بڑے بے سانحات میری آنکھوں کے سامنے رونما ہوئے اور مولانا حق نواز شہیدؒ مولانا ایثار القاسمیؒ خود میرے والدین میرے سفرو حضر' قیدو بند کے ساتھی قائد علامہ ضیاء الرحمان فاروقی شہیدؒ کی شہادت کے واقعات میری روح کو گھائل کر چکے تھے لیکن یہ واقعہ اس لحاظ سے حد درجہ صدمہ اور پریشانی کا باعث تھا کہ میں اس وقت ایک کال کوٹھڑی کا مہمان تھا۔ یہاں نہ کوئی مجھے دلاسہ دینے والا اور نہ ہی میری آہ وفغان سننے والا تھا۔ اور پھر علامہ شعیب ندیم جیسے مخلص اور ہونہار نہایت ہی نفیس اور سپاہ صحابہ کے مرکزی راہنما مقبول ترین خطیب بالخصوص جس ضلع میں مجھے جیل کا مہمان بنایا گیا ہے وہ اس ضلع کے متصل ہی قیام پزیر تھے اور اور ان سے رابطہ مسلسل تھا ان کے سلام و پیام ہر دوسرے تیسرے روز ملتے رہتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قائد محترم علامہ علی شیر حیدری کی گرفتاری کے بعد حقیقت میں عوامی سطح پر وہی سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے ان کی شہادت کا واضح اور صاف مطلب یہ تھا کہ ایک مرتبہ پھر سپاہ صحابہ کی اعلیٰ قیادت کا سایہ کارکنوں کے سر سے چھین لیا گیا ہے۔

مولانا شعیب ندیم شہید کی شہادت کو اس وقت قریباً آٹھ ماہ گزر چکے ہیں اور میں فیصل آباد کی ڈسٹرکٹ جیل میں اس وقت جب یہ سطور قلمبند کر رہا ہوں بخدا........ مجھے اب تک اس بات کا یقین نہیں ہو رہا ہے کہ واقعی وہ ہنستا مسکراتا اور گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ حسین و جمیل شعیب ندیم اب اس دنیا میں نہیں رہا ہے۔ وہ ہمیں قیدو بند ہی میں چھوڑ کر خاک کی چادر اوڑھ کر سو گیا ہے جو ہمیں جیل سے باہر لانے کی صبح و شام جدوجہد میں مصروف تھا جس نے کراچی سے لے کر پشاور

تک حکمرانوں اور دشمنوں کے ظلم وجبر کے خلاف ایک جاندار آواز بلند کر کے وقت کے چنگیزوں اور ابن سبا کی ذریت کو پریشان کر رکھا تھا۔ جو کارکنوں سے اپنی قیادت کی آزادی کے لئے آخری جنگ لڑنے اور مشن کی تکمیل کے لئے جان کی بازی لگانے کے عہد لے رہا تھا...... جس نے اپنی شادی کو مؤخر کر کے اپنی خوشیوں اور مسرتوں کو اپنے مشن کی تکمیل سے وابستہ کر دیا تھا وہ صبح شام رات و دن کے لمحات و اوقات کو ایک کر کے' آرام و سکون' عیش و عشرت کو قربان کر کے دیوانہ وار ملک کے کونہ کونہ میں اپنی اسیر قیادت کی ترجمانی میں مصروف تھا..... وہ خطیب.... وہ قائد..... کارکنوں کی امیدوں کا مرکز..... تمناؤں کا محور...... آرزوؤں کا منبع اور شکستہ دلوں کا سہارا.... اب خود سب کچھ چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گیا ہے۔ ہم سے بہت دور چلا گیا ہے۔ انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ ہم ان کال کوٹھڑیوں سے باہر نکلیں گے جیل کے دروازے پر ہزاروں کارکن اور عہدیداران ہوں گے۔ محبتوں' چاہتوں اور الفتوں سے لبریز سینوں اور جزبات عقیدت سے چمکتی ہوئی آنکھوں والے بڑھ بڑھ کر گلے لگا رہے ہوں گے---- لیکن---- مخلصین و محبین کی اس لمبی قطار میں میری نگاہیں...... میری پیاسی نظریں...... میری پرنم آنکھیں... جس شعیب ندیم کو تلاش کر رہی ہوں گی..... انسانوں کے اس بھرے سمندر میں وہ مجھے نظر نہیں آئے گا۔ قائدین و کارکنوں کی صفوں میں وہ روشن چہرہ وہ مسکراتا ہوا حسین نوجوان محبت و چاہت' خلوص و وفا کا وہ مجسم پیکر سامنے نہیں ہو گا اس خیال ہی سے میری روح تڑپنے اور میری آنکھیں برسنے لگ جاتی ہیں۔

28اپریل 1998ء کو مرکزی قائدین کی معیت میں جیل میں مجھ سے علامہ شعیب ندیم نے آخری ملاقات کی تھی جس کا ایک ایک لمحہ میری زندگی کا اب یادگار حصہ بن چکا ہے میرے سامنے وہی حسین چہرہ ہے اور مجھے حوصلہ دینے والا وہ

انداز ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا تو سہی مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

علامہ شعیب ندیم کے دوسرے ساتھی مولانا حبیب الرحمان صدیقی کی شخصیت سے شاید وطن عزیز کے بہت سے احباب پوری طرح آگاہ نہ ہوں حقیقت یہ ہے کہ علامہ شعیب ندیم کی تربیت اور انہیں اس مقام تک پہنچانے والی اگر کوئی شخصیت تھی تو وہ صدیقی صاحب ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا صدیقی صاحب کو جرات و بہادری معاملہ فہمی اور عدالتی معاملات سے آگہی' جماعتی سیاسی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ علمی و عملی میدان میں جس عظمت و رفعت سے ہم کنار کیا تھا اس کا اعتراف راولپنڈی ڈویژن کے علماء و سیاستدان' حکمران طبقہ اور عدلیہ و پولیس کے افسران برملا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ 1996ء میں اڈیالہ جیل میں ایک ماہ نظر بند رہے اس دوران ہمارے چوبیس گھنٹے اکٹھے گزرتے تھے مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع بھی ملا اور پھر سب سے بڑھ کر قاری حبیب الرحمان صدیقی کے والد ماجد اس وقت اس مشن و کاز کے لئے شہادت کا جام نوش کر چکے تھے جب ابھی سپاہ صحابہ کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا اور خود قاری صدیقی صاحب ایک خبیث بدزبان گستاخ صحابہ کے واصل جہنم کئے جانے کے الزام میں سالہا سال جیلیں کاٹ چکے تھے۔ 13 ستمبر کے اس حادثہ میں ان دونوں حضرات کا ہی سفر آخرت پر روانہ ہو جانا جہاں ان دو حضرات کی زندگی و موت کی رفاقت و باہم سچی محبت کی دلیل ہے وہاں ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا بھی کسی صورت نظر نہیں آتا ہے۔ تاہم ان ہر دو حضرات کے برادران مولانا قاری عمر فاروق صدیقی صاحب حفظہ اللہ اور بھائی صالح عزیز صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے بے پناہ خوبیوں سے بہرہ ور فرمایا ہے مجھے قوی امید ہے کہ وہ اپنے

شہید بھائیوں کے مشن و کاز کے لئے نمایاں کردار ادا کریں گے۔

قاتلوں کی گرفتاری سے حکومت کی عدم دلچسپی

۱۴ ستمبر کو پیش آنے والے اس عظیم سانحہ پر سپاہ صحابہ کا ایک ایک کارکن اور درددل رکھنے والا مسلمان تڑپ کر رہ گیا ہر شخص کے لئے زیادہ تشویشناک بات یہ تھی کہ اتنا بڑا واقعہ اس شہر میں دن دہاڑے رونما ہوگیا ہے جس کے ایک ایک انچ پر ایجنسیوں کے اہلکار کھڑے ہوتے ہیں اور اس واقعہ کے بیس گھنٹے بعد تک بھی حکومت کسی ایک ملزم کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوئی...... بلکہ عملاً حکومت نے ایسی کوئی مؤثر کاروائی بھی نہیں کی کہ جس سے یہ احساس ہوتا کہ وہ قاتلوں کی گرفتاری کے لئے سنجیدہ ہے۔

اس کے برعکس شیعہ مذہب کا کوئی عام سا شخص بھی ذاتی یا کسی دشمنی کی بھینٹ چڑھ کر قتل ہو جاتا ہے تو نہ صرف اس علاقہ بلکہ پورے صوبہ اور ملک کی حکومت کے کل پرزے حرکت میں آ جاتے ہیں اور پولیس کے جوان سپاہ صحابہ کے مرکزی، صوبائی ڈویژنل و ضلعی عہدیداران کے گھروں اور کارکنوں کے مکانوں دکانوں پر اس طرح چڑھ دوڑتے ہیں جس طرح کسی غیر ملکی مفتوحہ علاقہ پر یلغار کی جاتی ہے اور پھر ہزاروں بے گناہوں کو گرفتار کرکے ٹارچر سیلوں میں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ناکردہ گناہوں کے اعتراف پر مجبور کیا جاتا ہے ادھر اس وقت آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے کو ہے حکومت نے علامہ شعیب ندیم اور قاری حبیب الرحمان صدیقی ان کے گن مین اور ڈرائیور کی FIR میں نامزد وہ ملزم جو تحریک جعفریہ کے ضلعی سطح کے عہدیدار ہیں کو گرفتار کرکے انہیں شامل تفتیش تک نہیں کیا ہے۔

یہ کس قدر ظلم و جانبداری ہے کہ ایک طرف قائدین سپاہ صحابہ کو سالہا

سال سے MPO 16 جیسے تقاریر کے بوگس مقدمات کے تحت جیلوں میں رکھا جا رہا ہے اور ہزاروں بے گناہ کارکنوں سے جیلیں بھری ہوئی ہیں۔ دوسری طرف پاکستان کے دارالخلافہ میں دن دھاڑے دہشت گردی کا بازار گرم کرنے والوں کو ہر قانون اور ضابطے سے بالاتر قرار دیا جا چکا ہے۔

میری پیرول پر رہائی سے حکومت کا انکار اور حالات کو کشیدہ کرنے کی احمقانہ کوشش

جبر دبنے کے لئے ہے اور صبر ابھرنے کے لئے
اس حقیقت پر کبھی کیا ہے تم نے غور بھی؟
امن کی تلقین ہمیں اور خود تشدد پر عمل
کیا عجب گر سیکھ جائیں تم سے ہم یہ طور بھی

علامہ شعیب ندیم' قاری حبیب الرحمان صدیقی کی شہادت کی خبر ملتے ہی دور دراز کے شہروں سے کارکن اسلام آباد پہنچنا شروع ہو گئے اور اب سب کی زبان پر قاتلوں کی گرفتاری کے ساتھ ساتھ صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ مولانا اعظم طارق کو پیرول پر رہا کیا جائے تاکہ وہ خود آ کر جنازہ پڑھائیں۔ اور کارکنوں کے زخمی دلوں پر مرہم رکھیں۔ خود جماعت کے مرکزی قائدین اور علامہ شعیب ندیم کے برادران نے بھی یہ مطالبہ اس نیت سے کیا کہ اس طرح سے نہ صرف کارکنوں میں پیدا ہونے والے اشتعال میں کمی واقع ہو گی بلکہ اب تک حکومت کی طرف سے قاتلوں کی گرفتاری میں جو کوتاہی ہوئی ہے کافی حد تک حکومت کے اس تعاون کے باعث نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ اضطرابی کیفیت کو تسکین نصیب ہو گی چنانچہ

اخبارات میں راہنماؤں کی خاک و خون میں لت پت تصاویر شائع ہوئیں اور وہاں یہ مطالبہ بھی شائع ہوا کہ مولانا اعظم طارق صاحب کو جنازہ کیلئے لایا جائے۔ ورنہ شہداء کے جنازے قومی اسمبلی کے سامنے اس وقت تک رکھے جائیں گے جب تک مطالبہ پورا نہیں ہوتا ہے۔ حکومت کے ذمہ داران سے مرکزی راہنماؤں کی بیس گھنٹے تک گفتگو ہوتی رہی۔ پولیس اور انتظامیہ کے افسران بالا اس جائز مطالبہ کو پورا کئے جانے کی یقین دہانی بھی کراتے رہے۔ لیکن پنجاب کے بے رحم فرعون صفت حاکموں نے قصداً نہ صرف اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا بلکہ کارکنوں میں اشتعال کی آگ بھڑکانے کے لئے ایسے ایسے انداز اختیار کئے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ وسیع پیمانے پر شیعہ سنی فسادات کا سلسلہ شروع کرانا چاہتے ہیں بالاخر مجبوراً جنازے قومی اسمبلی کے سامنے لائے گئے اور وہاں عالمی ذرائع ابلاغ کی موجودگی میں زبردست احتجاج کیا گیا جس کی رپورٹیں BBC اور CNN نے بھی نشر کیں اور سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی صاحب کی تقریر کی کیسٹ BBC نے نشر کی۔ اس سب کے باوجود حکمران ٹس سے مس نہ ہوئے سپاہ صحابہ کی قیادت نے حالات کو مزید کشیدہ ہونے سے بچانے کے لئے ایک محب وطن کی حیثیت سے شکستہ دلی کے ساتھ وہ قدم اٹھایا کہ جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے کہ انہوں نے اسلام آباد جیسے بین الاقوامی شہر کو بدامنی اور توڑ پھوڑ کا شکار ہونے سے محفوظ رکھا چنانچہ رات گئے واہ کینٹ میں شہداء کے جنازے پڑھائے گئے اور انہیں سپرد خاک کیا گیا رات کی تاریکی میں کچھ لوگوں نے توڑ پھوڑ کی اور اس کا باعث بھی پولیس کی طرف سے جنازہ کی نماز میں شریک نمازیوں پر اندھا دھند شیلنگ بنی.......... مگر.......... مجموعی طور پر حالات قابو میں رہے..... مگر...... حکمرانوں کی بدنیتی بلکہ سپاہ صحابہ سے ذاتی دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے سانحہ کے قاتل تو تادم تحریر گرفتار نہیں کئے گئے۔ مگر توڑ پھوڑ اور نعرہ

بازی کے الزام میں دس سے اٹھارہ سال کی عمر کے تقریباً پچاس بچوں اور قرآن کریم حفظ کرنے والے طلباء کو گرفتار کر کے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اڈیالہ جیل راولپنڈی میں چھ چھ ماہ تک چوبیں چوبیں گھنٹے تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند رکھا گیا۔

میں حکمرانوں سے کہنا چاہتا ہوں۔ تم سے جو ظلم ہو سکا ہے تم نے اس میں کمی نہیں کی ہے مگر یاد رکھو! ہر ظلم کا بدلہ لینے والی بھی ایک ایسی ذات قدیر موجود ہے کہ جب اس کی پکڑ ہوتی ہے تو پھر اس سے بچانے والا کوئی نہیں ہوتا۔

14 ستمبر کا سارا دن میں نے کس اضطراب بے چینی اور بے قراری میں گزارا یہ ایک طویل داستان ہے۔ مجھے جیل حکام نے بتا دیا تھا کہ کسی وقت بھی آپ کو پیرول پر لے جایا جا سکتا ہے آپ تیار رہیں۔ میں نے یہ سوچ کر کہ اب جلدی ہی مجھے شہیدوں کے جنازوں کو کندھا دینے اور جنت کے دولہوں کی بارات میں شریک ہونے کا موقع ملے گا کبھی اپنے دل کو مطمئن کرتا تو کبھی یہ سوچ کر کہ جب کارکن مجھ سے لپٹ کر شعیب ندیم کے بے جرم گولیوں کے نشانہ بنائے جانے پر اپنے غم و دکھ کا اظہار کریں گے تو میں انہیں کیسے حوصلہ دوں گا۔ خود کو بے بس محسوس کرنے لگتا وقت تیزی سے گزرتا رہا۔ میری امیدوں پر مایوسی کے سائے پڑتے چلے گئے یہاں تک کہ جب رات کو BBC کی خبروں سے معلوم ہوا کہ علامہ شعیب ندیم اور قاری حبیب الرحمان صدیقی و دیگر شہداء اپنی آرام گاہوں تک پہنچ گئے ہیں تو میں دل مسوس کر رہ گیا اور میری زبان پر یہ شعر مچلنے لگا۔

اے راہ حق کے شہیدو وفا کی تصویرو
مری اسیر نگاہیں تمہیں سلام کہتی ہیں
بے بسی حد سے بڑھی ہے پاؤں میں بیڑی پڑی ہے

گھری ہوئی ہیں جو طوفاں میں وہ مجبور آہیں سلام کہتی ہیں

جیل حکام اور قیدیوں کی طرف سے اظہار تعزیت

14-15-16 ستمبر کے تین دن تک جیل حکام اور قیدیوں کی طرف سے حکمرانوں کی عائد کردہ پابندیوں کے باوجود میرے ساتھ تعزیت کا سلسلہ جاری رہا اور بلاشبہ جیل حکام کی طرف سے یہ بہت بڑا اخلاقی تعاون تھا جس سے میرا غم ہلکا ہوا۔ اور میرے دکھ و درد کو کافی حد تک قرار نصیب ہوا۔ جیل حکام بار بار 28 اپریل کی علامہ شعیب ندیم کی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے واقعی ہمیں خود اس بات کا بڑا دکھ ہے کہ ایسا حسین و جمیل ہنس مکھ اور خلیق نوجوان شہید ہو گیا ہے۔

ملک بھر میں احتجاج اور حویلیاں میں قاری محمد سعید کی شہادت

مظلوم کو فریاد بھی کرنے نہیں دیتے
ڈر ہے کہ نہ ہو جائے یہ سب امن و اماں ضبط
وہ روکیں گے کیونکر میرے جزبوں کی روانی
تنکے سے بھی ہوتا ہے کبھی سیل رواں ضبط

علامہ شعیب ندیم قاری حبیب الرحمان صدیقی اور ان کے ساتھیوں کی المناک شہادت کا سانحہ اور حکومت کی مجرمانہ خاموشی اور احمقانہ حرکات نے جلتی پر تیل کا کام دیا ملک بھر میں احتجاجی مظاہروں اور ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ ملک کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ایسی کامیاب اور زبردست ہڑتال ہوئی جس کا علم ہمیں اسی روز 16 ستمبر کو BBC کے ذریعے ہوا۔ ادھر BBC کی خبروں سے ہی علم ہوا کہ حویلیاں ہزارہ میں سپاہ صحابہ کا ایک بڑا جلوس شاہراہ قراقرم پر پہنچ گیا جہاں پولیس نے

غنڈہ گردی کی انتہا کرتے ہوئے جلوس پر گولی چلادی جس سے موقع پر ہی قاری محمد سعید شہید ہو گئے۔ صرف اسی پر بس نہیں ہوئی بلکہ حکومت پنجاب نے پورے صوبہ میں سپاہ صحابہ کے کارکنوں کی گرفتاریاں شروع کر دیں۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ ظلم بھی سپاہ صحابہ کے ساتھ ہوا لیڈر شب بھی سپاہ صحابہ کی شیعہ دہشت گردی کا شکار ہوئی اور الٹا ریاستی جبر و تشدد کا نشانہ بھی سپاہ صحابہ کے عہدیداران اور کارکنوں کو بنایا جانے لگا۔ کوئی عقل کے اندھے' انتقامی سوچ میں پاگل ہو جانے والے حکمرانوں سے پوچھنے والا نہیں کہ کیا عدل و انصاف' داد رسی اور مظلوم کی اشک شوئی اسی کا نام ہے......؟ علماء کے قاتل دہشت گرد تمہارے حلیف بن کر دندناتے پھرتے ہیں اور دن دیہاڑے پاکستان کے دارالخلافہ کو علماء کے لہو سے رنگین کرتے ہیں مگر تمہارا تمام تر نزلہ پھر بھی سپاہ پر ہی گرتا ہے۔

شاید حکمرانوں کو روز محشر اس خون ناحق اور ظلم و بربریت کے چنگیزی کردار کی جواب دہی کا احساس نہیں رہا ہے اور نہ جانے کسی احمق نے انہیں یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ اپنے حلیف غنڈوں اور پولیس کے جوانوں کے ذریعہ سپاہ صحابہ کو تشدد و بربریت کا نشانہ بنا کر ختم کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھول یا غلط فہمی سابق حکمرانوں کو بھی ہوئی تھی مگر یہ لوگ اس حقیقت سے زیادہ دیر تک غافل نہیں رہ سکتے ہیں کہ حق و صداقت کی تحریکیں لاٹھی گولی کی سرکار اور دشمنوں کی خون آشام کارروائیوں سے دبا نہیں کرتیں بلکہ بقول شاعر۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دو گے

لاہور میں احتجاجی مظاہرہ اور پنجاب حکومت کا بہیمانہ تشدد

گرفتاریاں

قائدین کی رہائی کے لئے جماعت نے 27 اپریل کو اسلام آباد میں قومی اسمبلی کے سامنے جو احتجاجی مظاہرہ کیا تھا جسے ناکام بنانے کے تمام ترہتھکنڈوں کی ناکامی کے باعث حکومت مذاکرات پر تیار ہو چکی تھی۔ اور وفاقی وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین نے قائدین سپاہ صحابہ سے ملاقات کر کے اگلے ہفتے کے دوران وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف سے اپنی موجودگی میں ملاقات کرا کر مسائل حل کرنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ جب ایک ہفتہ کی بجائے ایک ماہ تک گزر گیا اور حکمرانوں کا وعدہ اسلام آباد کے موسم اور معشوق کے وعدہ کی طرح بدل گیا تو ایک مرتبہ پھر سپاہ صحابہ کی شوریٰ نے فیصلہ کیا کہ لاہور میں پنجاب اسمبلی کے سامنے بھرپور احتجاجی مظاہرہ کیا جائے۔ چنانچہ 24 ستمبر1998ء کو احتجاجی مظاہرہ کا پروگرام طے کر کے اس کی ملک بھر میں تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اس مظاہرہ کی کامیابی کے لئے جہاں دیگر قائدین نے دن رات ایک کر کے ملک کے دورے کئے وہاں علامہ شعیب ندیم شہید نے سنی قوم میں بیداری کی روح پھونکنے اور کارکنوں کو متحرک کرنے کے لئے طوفان و آندھی کی طرح پورے ملک کا دورہ کر کے جماعت کی رگوں میں سرد خون کو حرارت اور جذبہ تازہ سے ہمکنار کر دیا۔ لیکن کون جانتا تھا اور کسے خبر تھی کہ لوگوں سے لاہور میں قائدین کی رہائی کے لئے مظاہرہ میں شریک ہونے کا عہد لینے والا خود نہ صرف اس مظاہرمیں شریک نہ ہو سکے گا۔ بلکہ یہ مظاہرہ اس کی المناک شہادت کے بعد اسے ہدیہ تبریک پیش کرنے اور قاتلوں کی گرفتاری کے مطالبہ کا روپ دھار لے گا۔

مظاہرہ سے صرف گیارہ روز قبل علامہ شعیب ندیم کی شہادت اور حکمرانوں کی طرف سے سپاہ صحابہ کے خلاف بلاوجہ زیادتیوں نے کارکنوں میں اشتعال

پیدا کر دیا جس کے نتیجہ میں ملک بھر سے کارکنوں کے قافلے اس احتجاجی مظاہرہ میں شرکت کے لئے لاہور روانہ ہوئے۔ ادھر حکومت کو بھی ایجنسیوں کی رپورٹوں اور اپنے کرتوتوں کے باعث صاف نظر آ رہا تھا کہ احتجاجی مظاہرہ لاہور کی سرزمین حکمرانوں پر تنگ کر دے گا۔ ہرچند کہ جماعت کے ذمہ داران نے مظاہرہ کے پرامن ہونے کی یقین دہانیاں کرائیں اور سابقہ احتجاجی مظاہروں کا ریکارڈ بھی اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ کارکن قیادت کی پالیسی اور ان کے اشاروں پر ہی چلتے ہیں اور ہرگز وہ کسی توڑ پھوڑ یا جلاوٴ گھیراوٴ کی پالیسی پر یقین نہیں رکھتے ہیں۔ مگر شائد حکمران اب ذہنی طور پر یہ بات برداشت کرنے کو تیار نہیں تھے کہ دنیا کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہو کہ جس جماعت کو حکومت اور ایران کے گماشتے گولیوں ہتھکڑیوں کا مسلسل نشانہ بنا رہے ہیں وہ اب بھی اتنی بڑی قوت ہے کہ لاہور کی سڑکوں کو اپنے ہزاروں کارکنوں سے بھر سکتی ہے اور یہ ثابت کر سکتی ہے کہ کاروان حق کی راہ کو روکنا وقت کے کسی فرعون و ہامان یا ابن سبا کی ذریت کی طاقت میں نہیں ہے۔ چنانچہ سپاہ صحابہ کی قوت و طاقت کی دہشت سے مرعوب ہو کر 24 ستمبر سے دو روز قبل پورے لاہور کو پولیس کے ہاتھ میں اس طرح دے دیا گیا کہ گویا لاہور کرفیو کی زد میں ہے۔ اور پولیس کا طریقہ واردات یہ رہا کہ جو بھی داڑھی اور ٹوپی والا شخص نظر آئے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ باہر سے جو قافلے یا جلوس لاہور کی طرف آ رہے ہوں انہیں لاہور پہنچنے سے قبل ہی مقامی شہروں میں روک لیا جائے۔ سنت رسول ﷺ سے چہروں کو سجانے والے لوگ حکمرانوں کی اس شرمناک کاروائی کا اس طرح شکار ہوئے کہ سپاہ صحابہ کے کارکنوں سے بھی زیادہ وہ لوگ پولیس کے ہتھے چڑھ گئے جو اٹھتے بیٹھتے سپاہ صحابہ کی مخالفت کرنا اور سپاہ صحابہ پر کیچڑ اچھالنا اور طرح طرح کے الزامات سے نوازنا اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے ہوئے ہیں۔

ایسے مواقع پر بہت سے لطائف کا بھی ظہور ہوا اور اخبارات نے لطف انگیز خبریں شائع کیں یعنی جب ایسے لوگوں کو پولیس گرفتار کر کے تھانے لے جا کر حوالات میں بند کر دیتی تو وہ دہائیاں دیتے ہوئے یہ کہتے ہمارا سپاہ صحابہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم بے گناہ اور پر امن شہری ہیں تو پولیس اہلکار انہیں کہتے اگر تم سپاہ صحابہ کے نہیں ہو تو تم نے منہ پر داڑھی اور سر پہ ٹوپی کیوں پہن رکھی تھی۔ گویا کہ چہرے پہ سنت رسول ﷺ سجانا اور سر پر ٹوپی والی سنت تو سپاہ صحابہ کا شعار ہے مجھے اس موقع پر یاد آتا ہے کہ جب 22 جون 1992ء کو پنجاب پولیس نے جھنگ میں اپریشن کرتے ہوئے سپاہ صحابہ کے تیرہ سو افراد گرفتار کئے اور تشدد کا نشانا بنایا تو اس وقت بعض لوگ پولیس کے ہتھے چڑھنے کے بعد کہنے لگے کہ ہم تو سپاہ مصطفیٰ والے ہیں ہمارا سپاہ صحابہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو اس پر پولیس اہلکار آپس میں کہتے انہیں اور مارو! ہم سپاہ صحابہ سے تنگ آئے ہوئے ہیں یہ اور سپاہ بنانے کی باتیں کر رہے ہیں۔

بہر حال لاہور پولیس نے دو روز تک خوب غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا اور سفید ریش آئی جی پولیس جہاں زیب برکی کے ہم شکل لوگوں کو بھی جی بھر کر تشدد کا نشانہ بنایا ویسے اگر اس موقع پر خود آئی جی پولیس برکی صاحب بھی سول کپڑوں میں پولیس کے ہتھے چڑھ جاتے تو ان کا حال بھی فصل اجاڑنے والے گیدڑ سے کم نہ ہوتا........ مگر ان کی قسمت اچھی کہ وہ بچے رہے اور مسلسل تین دن تین راتوں تک اپنی یونیفارم ہی میں سوتے اور جاگتے رہے تاکہ گھر میں بھی سول کپڑوں میں دیکھ کر کوئی پولیس کا نوجوان ان کی مہمان نوازی نہ کر دے........ ان تمام تر سخت انتظامات اور پولیس ناکہ بندی کے باوجود 24 ستمبر کی صبح لاہور کے شہریوں اور اخبارات کے صحافیوں نے یہ عجیب حیرت انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شہداء مسجد مال روڈ کے اردگرد کی گلیوں سے شمع نبوی ﷺ کے پروانے اصحاب رسول ﷺ کے دیوانے

مشن جھنگوی کے علمبردار اس طرح نمودار ہو رہے ہیں جیسے زمین سے کھنبیاں سر اٹھا رہی ہوں۔ دیکھتے ہی دیکھتے شہداء مسجد کے ارد گرد نوجوانوں کا ہجوم جمع ہو کر فلک شگاف نعرے لگانے لگا اس صورتحال نے انتظامیہ اور پولیس حکام کے ہوش اڑا کر رکھ دیئے۔اور ان کے تمام منصوبوں پر پانی پھیر دیا جب وائرلیس پر یہ اطلاع وزیر اعلیٰ چیف سیکرٹری اور ہوم سیکرٹری تک پہنچی کہ سپاہ صحابہ والے شہداء مسجد تک پہنچ گئے ہیں تو مارے غصے کے دانتوں میں انگلیاں کاٹنے لگے انہوں نے وائرلیس پر ہی آڈر جاری کیا کہ اندھا دھند آنسو گیس کی شیلنگ اور لاٹھی چارج کے ذریعہ فوراًان نوجوانوں کو منتشر کیا جائے اگر پھر بھی کامیابی نہ ہو تو گرفتاریاں کر کے تھانوں میں بند کر دیا جائے۔ اس حکم پر پولیس کے مسلح نوجوان بھوکے بھیڑیوں کی طرح نہتے کارکنوں پر جھپٹے اور بدترین تشدد کے ساتھ ساتھ گرفتاریاں بھی شروع کر کے شہداء مسجد اور پورے علاقہ کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا۔اخبارات کے صحافیوں اور فوٹو گرافروں نے اس ہیبت ناک منظر کی جو تصاویر اور چشم دیدہ حالات نوٹ کئے دوسرے روز نہیں پڑھ کر لوگ توبہ توبہ کر اٹھے۔ چنانچہ پولیس کو وقتی طور پر یہ کامیابی حاصل ہو گئی کہ شہداء مسجد کے ارد گرد جمع ہونے والے کارکنوں کا ہجوم چھٹ گیا۔ پولیس کے شیر دل نوجوان فتح کی خوشی میں پھولے نہیں سما رہے تھے اور وائرلیس پر حکام سے شاباش حاصل کرنے میں مصروف تھے کہ اچانک شور اٹھا کہ داتا دربار کی جانب سے ایک بڑا جنازہ آ رہا ہے ہزاروں لوگ جنازہ میں شریک ہیں اور جنازہ شہداء مسجد کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ ریگل چوک پر جنازہ رکھا گیا۔ اور شرکاء نے صفیں بنا کر حکومت کے خلاف نعرے بازی شروع کر دی۔ اب پولیس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کہ یہ تو سپاہ صحابہ والے پھر آ پہنچے ہیں اور تعداد اتنی کثیر ہے کہ خود پولیس بھی ان کا سامنا کرنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ یہ جلوس شہداء مسجد کی طرف بڑھتا رہا اور

ادھر لاہور کی پولیس جمع ہوتی رہی جب شہداء مسجد میں سپاہ صحابہ کے قائم مقام نائب سرپرست اعلیٰ مرد درویش خلیفہ عبدالقیوم صاحب اور ان کے سینکڑوں ساتھی جمع ہو گئے تو پولیس نے مسجد کو چاروں طرف سے گھیر کر مسجد کے اندر آنسو گیس کے گولے پھینکنے شروع کر دئے۔

لاہور کی سر زمین پر بڑے بڑے سیاسی اور مذہبی جلوس نکلتے رہے گولیاں بھی چلتی رہیں مگر مسجد شہداء کے ہال میں موجود لوگوں پر جس طرح پولیس نے مسجد کے اندر فائرنگ اور شیلنگ کر کے مسجد کا تقدس پائمال کیا اور جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر کارکنوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اخبارات نے لکھا ہے کہ اس بہیمیت اور غنڈہ گردی کی ملکی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ پولیس کی بہیمیت پر مجھے رہ رہ کر جاوید غامدی کی یہ رباعی یاد آرہی ہے۔

اترے ہیں جہنم سے کہ ماؤں نے جنے ہیں
یہ سرب ہیں یا روم کے جلاد سپاہی
انساں ہیں کہ صحرا میں شب تاریک کی وحشت
آدم ہیں کہ ابلیس کے چہرے کی سیاہی

بالآخر سپاہ صحابہ کی قیادت نے پر امن طور پر گرفتاریاں پیش کرنے کا اعلان کر کے از خود مسجد سے باہر آنے کا فیصلہ کر لیا اور پولیس کے بے رحم خونخوار درندہ صفت اہلکاروں نے ان نہتے اور پر امن انداز میں خود گرفتاریاں پیش کرنے والوں پر جی بھر کر ڈنڈوں اور لاٹھیوں کا استعمال کیا۔ اور شام تک ایک ہزار سے زائد عہدیداران سپاہ صحابہ اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا رات گئے تک پورے لاہور میں پولیس کیساتھ کارکنوں کی جھڑپوں اور آنکھ مچولی کا سلسلہ جاری رہا۔

ان گرفتار شدگان کو چند روز تک تھانوں میں رکھنے کے بعد کوٹ

لکھیت جیل میں منتقل کیا گیا جہاں پر دس دس سال کے بچوں اور قرآن کریم حفظ کرنے والے طالب علموں تک کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی گئیں۔ اور جب بیڑیاں پڑ گئیں تو ڈاکوؤں' قاتلوں' اور ملک دشمن قیدیوں کی بیڑیاں اتار کر علماء دین اور بزرگوں کو لگا دی گئیں پھر مسلسل کئی ماہ تک ان بے گناہوں کو کال کوٹھڑیوں کا مہمان بنایا گیا کئی طالب علم سالانہ امتحانات میں بھی شریک نہ ہو سکے اور ان کے تعلیمی سال ضائع ہو گئے اور کئی نوجوانوں کے والدین اس صدمہ کی تاب نہ لا کر چل بسے اور بہتوں کے بارے میں ایک ایک ماہ تک گھر والوں کو علم نہ ہو سکا کہ وہ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔ اور انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ یوں چار چار ماہ جیل میں گزار کر یہ لوگ آزاد فضاؤں میں واپس آ گئے۔ لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے تشدد' قید و بند اور حالات کی سنگینی سے گھبرا کر اپنا تعلق سپاہ صحابہ سے ختم کر لیا ہو بلکہ اس کے برعکس جیل میں خلیفہ عبدالقیوم صاحب' مولانا مجیب الرحمان انقلابی صاحب' محمود اقبال صاحب' ڈاکٹر منظور احمد شاکر صاحب' مولانا فیض الحق عثمانی صاحب' مولانا یحییٰ فخری صاحب جیسے حضرات نے دن رات ایک کر کے کارکنوں کے نہ صرف حوصلوں کو بلند رکھا بلکہ ان کی ایسی ذہنی و روحانی تربیت کی کہ جس کے باعث بہت سے نوجوان جب جیل سے باہر آئے تو ان کے چہرے سنت رسول ﷺ سے سجے ہوئے تھے اور ان کے کردار و عمل میں نمایاں تبدیلی اور سوچ و فکر کے زاویوں میں انقلاب برپا ہو چکا تھا۔ مجھے کئی ذمہ دار حضرات کے خطوط سے معلوم ہوا کہ جب رہائی کا پیغام لے کر جیل کے حکام ان اسیر بچوں اور نوجوانوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا" ہم اس وقت تک رہا نہیں ہوں گے۔ جب تک ہمارے قائد علامہ علی شیر حیدری اور مولانا اعظم طارق کو رہا نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ ہم جس مقصد کے لئے جیل میں آئے ہوئے ہیں جب تک وہ پورا نہیں ہوتا ہے ہم باہر نہیں جائیں گے اور بعض کم عمر بچے تو جب جیل کی کھڑکی سے باہر نکلتے

تھے تو اس قدر جوش اور جذبہ کے ساتھ اپنے مشن کے مخصوص نعرہ کی آواز بلند کرتے کہ دیکھنے اور سننے والے حیران رہ جاتے۔

بخدا یہی وہ جذبہ اور عشق صادق ہے' یہی وہ کرنٹ اور تڑپ ہے کہ جسے دنیا کی کوئی طاقت نہ شکست دے سکتی ہے اور نہ ہی اس جذبہ کو سرد کر سکتی ہے۔

جنون شوق میں قلب و نظر سے گزرے ہیں
ہم اپنی راہ میں شمس و قمر سے گزرے ہیں
بلند عزم اور ارادوں میں بانکپن لے کر
ترے جہاں کے شام و سحر سے گزرے ہیں

لشکر جھنگوی کا قیام کاروائیاں اور حکومتی پولیس مقابلے

سحر کی خوشیاں منانے والو! سحر کے تیور بتا رہے ہیں
ابھی تو ایسی گھٹن بڑھے گی کہ سانس لینا عذاب ہوگا
سکوت صحرا میں بسنے والو ذرا رتوں کا مزاج دیکھو
جو آج کا دن سکوں سے گزرا تو کل کا موسم خراب ہوگا

جب تک سپاہ صحابہ کی قیادت علامہ ضیاء الرحمان فاروقی شہید اور اس عاجز کی شکل میں جیل سے باہر کارکنوں کے درمیان تھی اس وقت تک حکمرانوں کے تمام تر مظالم اور شیعہ کی طرف سے پنجاب بھر میں عموماً اور لاہور میں خصوصاً" آئے روز سپاہ صحابہ کے علماء و کارکنوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنائے جانے کے باوجود سپاہ صحابہ کی صفوں میں کسی قسم کی کوئی دراڑ پیدا نہ ہو سکی اور نہ ہی کسی باغی گروپ کا قیام عمل میں آیا کیونکہ کارکن کسی بھی مقام پر پولیس تشدد اور شیعہ گردی کا نشانہ بنتا تو قیادت اسے صبرو تحمل کا درس دیتی اور حتیٰ الامکان انتظامیہ و پولیس افسران سے اس

کا مسئلہ حل کرا دیتی جس سے کلی طور پر نہ سہی لیکن کافی حد تک حالات بگڑنے سے بچ جاتے۔

مگر جب بے نظیر حکومت نے سپاہ صحابہ کی مرکزی اور صوبائی قیادت کو گرفتار کر کے جیلوں کا مہمان بنا دیا اور دو تین ماہ کے اندر اندر بار بار اپریشن کر کے ہزاروں کارکنوں کو جیلوں میں جانے یا گھروں سے فرار ہو جانے پر مجبور کر دیا اور ان کی ماؤں بہنوں' بیویوں اور بیٹیوں کی بے حرمتی کرنے اور چادر و چار دیواری کا تقدس پامال کرنے کی ہر گھٹیا سے گھٹیا حرکت کو اپنا معمول بنا لیا تو پھر وہ وقت آن پہنچا جب گھروں سے بھاگے ہوئے معمولی مقدمات و الزمات میں مطلوب نوجوانوں نے کسی طرف سے بھی جائے پناہ نہ ملنے اور انصاف کے حصول سے مایوس ہو کر سوچنا شروع کر دیا کہ وہ انتقام کا راستہ اپنائیں-------۔ مگر....... ہم لوگ (یعنی جماعت کی قیادت) جیلوں میں بیٹھ کر بھی اپنے پیغامات کے ذریعہ انہیں پر امن رہنے اور اچھے حالات کا انتظار کرنے کی تلقین کرتی رہی چونکہ اب ہماری ملاقاتوں پر بھی سختی ہونے لگی اور وہ مفرور نوجوان ہم سے بھی رابطہ قائم نہ رکھ سکے تو وقت آ پہنچا کہ انہوں نے سپاہ صحابہ کی پر امن جدوجہد اور دلائل کے ذریعہ اپنی بات کرنے اور لاشیں اٹھا کر بھی صبر کی پالیسی سے مایوس اور پولیس مظالم کا شکار ہو کر شیعہ جارحیت کا نشانہ بن کر بھی آئینی اور قانونی راہ سے نہ ہٹنے کے انداز اور خصوصا" ملی یکجہتی کونسل میں سپاہ صحابہ کی شرکت اور کونسل کی سیاسی مفادات پر مبنی پالیسی سے بے زار ہو کر سپاہ صحابہ سے الگ "لشکر جھنگوی" کے قیام کا اعلان کر دیا۔

یہ خبر قائد سپاہ صحابہ نے کوٹ لکھپت جیل میں روزنامہ جنگ کے آخر صفحہ پر پڑھی تو ہم دل مسوس کر رہ گئے کیونکہ ہمیں نہ صرف اس سے جماعت کے تقسیم ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا بلکہ ہم بجا طور پر لشکر جھنگوی کے اغراض و مقاصد کو

اس ملک میں ایک بڑی تباہی کا پیش خیمہ یقین کرتے تھے۔ ہم نے اس وقت جیل حکام کی وساطت سے اور براہ راست خطوط کے ذریعہ پنجاب کے بالا حکام کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ لشکر جھنگوی کے قیام پر وہ خوش نہ ہوں کہ اس سے سپاہ صحابہ تقسیم ہوگی اور دھڑے بازی کا شکار ہو جائے گی۔ بلکہ یہ جان لینا چاہئے کہ سپاہ صحابہ کی قیادت کو بوگس مقدمات میں ملوث کر کے جیلوں کا مہمان بنا کر مایوس نوجوانون کو بغاوت پر آمادہ کرنے کی پالیسی کے انتہائی بھیانک نتائج رونما ہوں گے۔ حکومت ہوش کے ناخن لے اور سپاہ صحابہ کی قیادت کو موقع فراہم کرے کہ وہ آزاد فضاؤں میں جا کر اس چنگاری کو شعلہ جوالہ بننے سے قبل ہی سرد کر دے۔ غالباً ہمارے ان خطوط و پیغامات کو حکومت نے ہماری کمزوری اور سپاہ صحابہ کی یقینی تقسیم کو بچانے کی آخری کوشش سمجھ کر ردی کی ٹوکری کی نذر کر دیا...... مگر پھر حالات نے ثابت کر دیا کہ سپاہ صحابہ کو تو کوئی نقصان نہ ہوا کیونکہ لشکر جھنگوی کا وجود صرف مفرور اور اشتہاریوں تک محدود ہو کر رہ گیا۔۔۔۔ مگر وطن عزیز کا امن و استحکام اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور دلائل پر مبنی جدو جہد و آئینی و قانونی انداز میں کی جانے والی کوششوں کو نقصان پہنچا اور قتل و غارت گری میں شیعہ کی طرف سے سپاہ محمد اور سنی طبقہ کی طرف سے لشکر جھنگوی باہم ایسے دست و گریبان ہوئے کہ جس سے مساجد و امام باڑوں کے صحن عبادت اور ماتم کرنے والوں کے خون سے رنگین ہو گئے اور کئی انتظامیہ اور پولیس کے افسران بھی اس فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ گئے اور سانحہ سیشن کورٹ لاہور میں سپاہ صحابہ کی قیادت بھی دہشت گردی کا نشانہ بن گئی۔ ہر چند کہ میں نے زخمی حالت میں بھی حالات کو قابو میں رکھنے اور دردمندانہ اپیلوں کے ذریعہ کارکنوں کو مشتعل ہونے سے بچا کر یقینی طور پر دہشت گردی کا راستہ روک لیا تھا مگر بے نظیر کے بعد میاں صاحبان کا جو دور شروع ہوا تو اس میں بھی اس پرانی بیوروکریسی اور

افسر شاہی نے حکمرانوں کو پرانی پالیسیوں پر چلا دیا جس سے ایک مرتبہ پھر سپاہ صحابہ کی قیادت جیلوں کی مہمان بن گئی اور لشکر جھنگوی کا راستہ ہموار ہوتا چلا گیا میں نے بارہا دردِ دل کے ساتھ میاں شہباز شریف اور صوبائی انتظامیہ کے اعلیٰ افسران سے کہا کہ وہ ہمیں موقع دیں کہ ہم کارکنوں میں اعتماد کی فضاء پیدا کر کے انہیں قانون اپنے ہاتھ میں نہ لینے دیں۔۔۔۔ مگر ہماری پیشکشوں کو مذاق سمجھا گیا۔۔۔۔۔ الٹا ہمیں کہا گیا کہ تم خود لشکر جھنگوی کو لیڈ کرتے ہو۔۔۔۔۔ لیکن یہ الزام ہماری تفتیش کرنے والی ایجنسیوں سے ثابت نہ ہو سکا اور نہ ہی لشکر جھنگوی کے امیر ملک اسحاق' غلام رسول شاہ' اور درجنوں عہدیداران کی گرفتاری کے بعد بھی اس الزام کو ثابت کرنے میں حکومت کامیاب نہ ہو سکی بلکہ اب تو بارہا اعلیٰ سطح پر وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ و پولیس و انتظامیہ کے افسران اس بات کا برملا اعتراف کرتے رہتے ہیں کہ واقعی سپاہ صحابہ کی قیادت اور ذمہ داران کا ذرہ برابر بھی لشکر جھنگوی سے تعلق نہیں ہے۔ ادھر حکومت پنجاب نے سال 1998ء کے آخری مہینوں سے اب 1999ء کے شروع کے چار مہینوں تک اس نئی پالیسی پر عمل شروع کر رکھا ہے کہ ہر اس نوجوان کو جو سپاہ صحابہ کا متحرک کارکن ہو گرفتار کر کے پولیس مقابلہ کے نام پر ماورائے عدالت گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے۔ جب اس پر سپاہ صحابہ احتجاج کرے تو کہا جائے کہ یہ نوجوان تو لشکر جھنگوی سے تعلق رکھتا تھا اور بڑی بڑی سنگین وارداتوں میں ملوث تھا۔ سپاہ صحابہ اس کے حق میں کیوں آواز بلند کرتی ہے۔

ہمارا مؤقف یہ ہے کہ اول تو پولیس نے جتنے بھی لوگ پولیس مقابلے میں پار کئے ہیں ان میں اب تک دو درجن کے قریب سپاہ صحابہ کے نوجوان تھے جو کسی بھی لوٹ مار' قتل و غارت گری کی کسی واردات میں ملوث نہ تھے یہی وجہ ہے کہ پولیس انہیں اخبارات کے صحافیوں کے سامنے اور عدالتوں کے سامنے پیش کر کے کوئی

بات نہ اگلوا سکی۔ چونکہ پولیس ان پر تشدد کر چکی تھی کہ اب ان کے زندہ رہ جانے سے خود پولیس کے مظالم کی داستان کے عیاں ہونے کا خدشہ تھا لہٰذا انہیں گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔

دوسرے یہ کہ اگر کوئی لشکر جھنگوی کا دہشت گرد یا سپاہ محمد اور تحریک جعفریہ کا قاتل اور دہشت گرد بھی پولیس گرفتار کر لیتی ہے تو اسے گولیوں کا نشانہ بنانے کی پولیس کو ہرگز اجازت نہیں ہے۔ بلکہ پولیس کا یہ اقدام آئین و قانون کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے اور ملک میں خانہ جنگی خصوصاً سرکاری اداروں اور عوام کے مابین جنگ کا نقطہ آغاز بن سکتا ہے اس لئے ہم ہر شخص کے ماورائے عدالت قتل کی مذمت کرتے ہیں۔ مولانا شعیب ندیم کی شہادت کے بعد ایک مرتبہ پھر جب پولیس نے جعلی مقابلوں کا ڈھونگ رچانا شروع کر دیا تو اس کا ری ایکشن ہوا کہ خود انسداد دہشت گردی کی عدالتوں کے جج حضرات اور پولیس و انتظامیہ پر بھی حملے شروع ہو گئے اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ پنجاب کو دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں۔ جن کے باعث حکمران خاندان اور ممبران اسمبلی بھی خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگے۔

حکومت پنجاب کی طرف سے علماء کرام کے ایک اہم وفد کی اٹک جیل آمد

آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ موجودہ حکمرانوں نے بھی بے نظیر حکومت کی پالیسیوں کو اپنا کر سپاہ صحابہ کی قیادت کو جیلوں میں ٹھونس دیا اور لشکر جھنگوی کے پھلنے پھولنے کا راستہ ہموار کر دیا ہر وہ شخص جو محض پولیس کو محرم میں نظر

بندی کے لئے مطلوب تھا گرفتاری کے ڈر سے لشکر جھنگوی سے جا ملا اور دن بدن ان کی تعداد میں خود بخود حکومت ہی اضافہ کرتی رہی۔ پھر جعلی پولیس مقابلوں کی پالیسی نے خود حکمرانوں کو غیر محفوظ کر دیا تو اب حکمرانوں کو احساس ہوا کہ ہماری اس پالیسی کا واقعہ نتیجہ بھیانک نکلے گا۔ میاں شہباز شریف صاحب نے علماء کرام کا ایک وفد تشکیل دیا جس کا مقصد ہم اسیران سے مل کر حالات کو سدھارنے کیلئے تعاون حاصل کرنا تھا۔

چنانچہ 5/ اکتوبر 1998ء صبح دس بجے مجھے سپرنٹنڈنٹ جیل ملک عطاء محمد صاحب نے نیند سے بیدار کر کے بتایا کہ آپ تیار ہو جائیں کچھ علماء کرام آپ سے ملاقات کے لئے آ رہے ہیں میں حیران تھا کہ ایک عرصہ دراز کے بعد یہ کون سے حضرات ہیں جنہیں مجھ سے ملنے کی اجازت ملی ہے اور پھر سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ خلیفہ عبدالقیوم صاحب تو تاحال لاہور جیل میں ہیں اور باقی جو حضرات باہر ہیں وہ بھی حکومت کے عناد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اچانک حکومت کے دل میں کیسے رحم کا مادہ پیدا ہو گیا کہ اس نے علماء کرام کو ملاقات کی اجازت دے دی ہے۔ چنانچہ ٹھیک پونے بارہ بجے مجھے ڈیوڑھی میں لے جایا گیا۔ وہاں میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا عبداللہ صاحب پنجاب بیت المال کے چیئرمین مولانا عبدالرحمان اشرفی صاحب' پاکستان علماء کونسل کے چیئرمین مولانا عبدالرؤف صاحب اور ہفت روزہ "زندگی" کے مدیر روزنامہ "پاکستان" کے چیف ایڈیٹر ممتاز صحافی جناب مجیب الرحمان شامی صاحب تشریف فرما ہیں۔ ان حضرات نے پرتپاک انداز میں گلے سے لگایا اور اپنی آمد کا مقصد بیان کیا۔ ملک کے تازہ حالات پر روشنی ڈالی اور حکومت کی طرف سے امن کے لئے تجاویز طلب کرنے اور فرقہ وارانہ فسادات کی آگ کو ٹھنڈا کرنے' بے گناہوں کی رہائی اور آئے روز پولیس مقابلوں اور انتظامیہ کے افسران پر ہونے والے حملوں کا ذکر کر کے اس بات کا احساس

دلانے کی کوشش کی کہ حکومت اب آپ کے تعاون سے قیام امن کے لئے عملی اقدامات پر تیار ہے۔

میں نے ان حضرات سے عرض کی کہ آپ حضرات جس نیک مقصد اور عظیم مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم ہیں میں اس کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتا ہوں میں اب بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر حکومت مخلصانہ طور پر اس بات کی خواہاں ہے کہ وطن عزیز کو فرقہ وارانہ قتل و غارت گری کے گڑھے سے نکالا جائے تو پھر اس کے راستے موجود ہیں اور ہم تمام تر مظالم اور حکومتی انتقام کا نشانہ بننے کے باوجود بھی تعاون سے دریغ نہیں کریں گے۔

اس موقع پر ناموس صحابہ بل کو قانونی شکل دینے' ایران کی طالبان مخالف پالیسیوں اور تہران میں پاکستانی سفارت خانہ پر حملے اور پاکستان کے خلاف زہریلی زبان استعمال کرنے کے موضوع پر کھل کر باتیں ہوئیں۔ تقریبا" ایک گھنٹہ تک شیعہ کی تکفیر کے مسئلہ پر بھی بات ہوتی رہی شروع شروع میں بعض حضرات شیعہ کی تکفیر پر مبنی ہمارے مؤقف سے انکار کرتے رہے لیکن بالاخر انہوں نے تسلیم کیا کہ واقعی شیعہ کی عبارات اور مذہبی تعلیمات سراسر کفر پر مبنی ہیں تاہم ان کا کہنا تھا کہ سردست بات امن کے قیام کی ہونی چاہئے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے ایک موقع پر میری اس حد تک تائید کی کہ وہ جوش میں آکر شیعہ کی کفریہ عربی عبارات تک پڑھ پڑھ کر دوسرے علماء کرام کو قائل کرتے رہے آخر ان حضرات کو کہنا پڑا کہ مولانا ۔۔۔۔۔۔! آپ آئے تو ہمارے ساتھ حکومتی نمائندہ کے طور پر تھے۔اس پر مولانا عبداللہ نے فرمایا کہ میں تو حق بات کی تائید کر رہا ہوں اور جو سچ ہے اسی کی ترجمانی کرتا ہوں۔ محترم مجیب الرحمان شامی صاحب سے بعض تیز اور تلخ باتیں بھی ہوئیں اور ان کے اعتراضات کا جواب دے کر انہیں مطمئن کیا۔ کیونکہ وہ بھی لشکر

جھنگوی کی کاروائیوں کو سپاہ صحابہ کے کھاتے میں ڈال کر سپاہ صحابہ کو مورد الزام ٹھہراتے تھے تو میں نے ان سے کہا شامی صاحب آپ اب بھی ہم پر وہ الزامات لگا رہے ہیں جو تمام تر مخالفت اور ظلم کے باوجود حکومت بھی ہم پر نہیں لگا رہی ہے۔ حکومت تسلیم کر چکی ہے کہ لشکر جھنگوی کی قیادت اور کئی لیڈران سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ لوگ سپاہ صحابہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ لوگ ایران کے سفیروں' کیڈٹوں اور شہریوں کو کیوں قتل و غارت گری کا نشانہ بناتے ہیں۔ تو میں نے کہا یہ بھی آپ کا ہم پر غلط الزام ہے یہ بھی لشکر جھنگوی ہی کا کام ہے تاہم ایران کی پالیسیاں اور پاکستان میں اس کے ایجنٹوں کا اہل سنت کی لیڈر شپ کو نشانہ بنانا اور پاکستان کو اپنی ذیلی کالونی بنانے کا خواب دیکھنا ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے باعث خود ایران کے سفیر اور شہریوں کو ری ایکشن کا شکار ہونا پڑ رہا ہے آپ لوگ ایران کے ذمہ داران کو سمجھائیں کہ وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے باز رہیں۔ اور اہل سنت لیڈروں کارکنوں اور علماء کرام کو قتل کرانے کے لئے کروڑوں روپے خرچ کرنے' اپنے ذرائع ابلاغ سے سپاہ صحابہ کے خلاف غلیظ پروپیگنڈا کرنے اور حکومت پاکستان پر سفارتی دباؤ ڈال کر اہل سنت کو جیلوں اور زندانوں میں بند کرانے کی پالیسیاں ترک کرے چنانچہ وفد کے یہ ارکان کئی قابل عمل تجاویز لے کر اور اپنے بہت سے ذہنی خدشات و غلط فہمیوں کو دور کر کے اس عزم کے ساتھ روانہ ہوئے کہ اب یہ مسئلہ جلد ہی حل کرانے میں ہم کامیاب ہوں گے مگر افسوس کہ علماء کرام کی یہ کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔

چیف آف آرمی سٹاف کا استعفیٰ اور نئے چیف کا تقرر

پاکستان کی باون سالہ سیاسی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ وطن عزیز میں

اول تو زیادہ عرصہ مارشل لاء حکومتوں کا دور دورہ رہا ہے تاہم اگر اس میں کچھ جمہوری حکومتیں بھی برسراقتدار آئی ہیں تو انہیں بھی فوج کی حمایتی چھتری کا سایہ جب تک نصیب رہا اقتدار کا سنگھاسن ان کے پاؤں کے نیچے رہا اور جونہی فوج کی طرف سے ناراضگی کا اظہار ہوا ہے تو پھر وہ چند دن بھی اقتدار کے بالا خانہ میں مقیم نہیں رہ سکے ہیں بلکہ آنسو بہاتے ہوئے مستعفی ہو کر یا گرفتار ہو کر ہی راج محلوں سے نکلتے ہیں افواج کا عمل دخل حکومتوں کے بنانے اور گرانے میں کس قدر ہے اس کا اندازہ ہر ایک شخص کو بخوبی ہو جاتا ہے۔ جس نے سیاسی حالات کا تھوڑا سا بھی مطالعہ کر رکھا ہو۔ اس کے لئے اکثر و بیشتر صدر مملکت اور وزیر اعظم کے مابین اختلافات کا نقطۂ آغاز ایک چیف آف آرمی سٹاف کی ریٹائرمنٹ کے بعد دوسرے سینئر جرنیلوں میں کسی ایک پسندیدہ شخصیت کے اس عہدہ پر انتخابات کے موقع پر ہوتا رہا۔

میاں نواز شریف اور غلام اسحاق خان' بے نظیر اور صدر لغاری کے مابین اختلافات کا عنوان یہی بات بنی تھی اب جب میاں نواز شریف ایک طلسماتی بھاری مینڈیٹ لے کر اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تو ذمہ دار سیاستدانوں نے اسے بھی فوج کے خصوصی تعاون کا کرشمہ قرار دیا تاہم افواج پاکستان کے ترجمان کی طرف سے اس طرح کے الزامات کی ہمیشہ تردید کی جاتی رہی اور عام طور پر یہ تاثر قائم ہوتا چلا گیا کہ میاں نواز شریف کو اس وقت افواج پاکستان کی مکمل حمایت و سرپرستی حاصل ہے اور یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ افواج پاکستان حکومت وقت کی حمایت کر کے اپنے آئینی فرائض کو پورا کرتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ میاں نواز شریف نے تمام تر صدارتی اختیارات بھی آئینی ترمیم کے ذریعہ خود حاصل کر لئے ہیں اور وہ عملاً" افواج پاکستان کے سربراہ اعلیٰ بھی ہیں اس موقع پر جب افواج پاکستان کا مکمل اعتماد حکومت کو حاصل تھا ١٦ اکتوبر کے اخبارات میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل

جہانگیر کرامت کا ایک بیان اخبارات میں شہ سرخیوں سے شائع ہوا جس کے ذریعے ملک میں سکیورٹی کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ اس بیان نے حکومتی حلقوں اور عوام کے ذہنوں میں ہلچل پیدا کر دی۔ کیونکہ اس بیان کا واضح مطلب یہ تھا کہ فوج حکومت کے معاملات اور انداز حکمرانی کو ناپسند کر رہی ہے اور اس ضرورت کو محسوس کر رہی ہے کہ موجودہ حکومتی سیٹ اپ میں ایسی تبدیلی ہونی چاہیے کہ اصل اختیارات صرف وزیراعظم یا کابینہ کے ہاتھ میں نہ رہیں بلکہ فوج کے اعلیٰ عہدیداران اور سیاستدانوں پر مشتمل سکیورٹی کونسل کے پاس ہونے چاہئیں۔ تاکہ وہ ملک کو ریاستی پالیسیوں پر چلائے اس بیان کا اپوزیشن کے تمام حلقوں اور حکومت مخالفوں نے خیر مقدم کیا' جبکہ حکومتی حلقوں میں سکوت مرگ کی کیفیت تھی کہ کوئی بھی ذمہ دار اس پر تبصرہ کرنے کو تیار نہ تھا اخبارات میں تو یہ تاثر نمایاں ہونے لگا کہ حکومت اب چند دن کی مہمان اور فوج کی آمد آمد ہے اور فوج کو خوش آمدید کہنے والے میدان میں نکل ہی رہے تھے کہ سات اکتوبر کی رات کو نو بجے کی پاکستانی خبروں میں یہ حیرت انگیز خبر نشر ہوئی کہ جنرل جہانگیر کرامت مستعفی ہوگئے ہیں اور جنرل پرویز مشرف کو وزیراعظم ہاؤس طلب کر کے چیف آف آرمی سٹاف بنادیا گیا ہمیں یہ بات اپنی ڈیوٹی پر آئے ہوئے ملازم نے بتائی جس کی تصدیق BBC ریڈیو سے ساڑھے دس بجے کی خبروں سے ہوئی۔ بلاشبہ یہ میاں نواز شریف حکومت کی ایک بڑی کامیابی تھی جس سے ان کا اقتدار مزید مضبوط بنیادوں پر قائم ہوتا نظر آیا۔ مخالفین کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ صدر فاروق لغاری' چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے استعفیٰ کے بعد میاں نواز شریف صاحب کی یہ تیسری بہت بڑی کامیابی تھی اور اس بات کی دلیل تھی کہ قسمت کی دیوی ابھی میاں صاحبان پر مہربان ہے۔

☆ جگنو ☆

بعض اوقات ایسے عجیب واقعات اور تسلسل کے ساتھ ایسی حیرت انگیز باتیں سامنے آتی ہیں کہ جنہیں دیکھ کر نہ صرف نصرت خداوندی کے شامل حال ہونے اور مشن جھنگوی کے حق و صداقت پر مبنی ہونے کا یقین اور بڑھ جاتا ہے بلکہ طبیعت بھی نشاط و سرور کی کیفیات سے سرشار ہو جاتی ہے۔ چونکہ بزرگوں نے خاص طور پر بعض روحانی مقدمات اور بشارات وغیرہ کیفیات کے اظہار سے منع کیا ہے اور تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ بعض حالات کے اظہار سے نہ صرف اس نعمت عظمیٰ اور روحانی کیف و سرور والی کیفیت میں مزید ترقی بند ہو جاتی ہے بلکہ اس سے تکبر و غرور اور خود پسندی ایسے فاسد اور غلیظ مادے جنم لیتے ہیں جو تمام تر محنت و کاوش پر پانی پھیر دیتے ہیں' تاہم بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے اظہار سے کارکنوں اور مخلص احباب کو فائدہ پہنچتا ہے اور ان کے جذبوں اور ولولوں میں اضافہ ہوتا ہے اور انہیں بیان کر دینے میں نقصان سے زیادہ فائدہ کی توقع ہوتی ہے۔

میرے ساتھ جون' جولائی' اگست اور ستمبر98ء کے ابتدائی عشرہ تک یہ عجیب واقعات پیش آتے رہے ان ایام میں احباب میرے مقدمات کی ضمانتوں کے سلسلہ میں بھاگ دوڑ میں مصروف تھے اور مجھے معلوم ہوتا تھا کہ فلاں مقدمہ کی ضمانت کی فلاں تاریخ ہے۔ اب اس تاریخ کی صبح خصوصیت کے ساتھ دعاء کی جاتی اور تہجد میں خصوصاً اللہ تعالیٰ سے مدد و نصرت کا طلب گار ہوتا تو اکثر مرتبہ ایسا ہوتا کہ کسی مقدمہ کی ضمانت ہونا ہوتی اس روز ایسا واضح اشارہ ہو جاتا کہ میں باہر کے احباب یعنی حافظ حبیب الرحمان انجم اور بھائی محمد ساجد کو رقعہ بھجواتا کہ آج راشد محمود (میرے سیکرٹری) سے رابطہ کر کے شام کو اطلاع بھجوانا کہ ضمانت کا کیا بنا؟ اور میں کئی احباب کو

بتا بھی دیتا کہ آج میرے فلاں مقدمہ میں ضمانت ہو جائے گی اور شام کو اس کی خبر مل جاتی۔ آپ ہرگز نہ سوچیں کہ میں کوئی اپنی ذات کیلئے علم غیب کا دعویٰ رکھتا ہوں۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ میرے جیسا جاہل اور علم و عمل سے کورا انسان تو شاید ہی کوئی ہو گا...... دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی اشارہ یا اس طرح کی کوئی بات ہوتی تھی جس سے یہ یقین ہو جاتا تھا کہ آج خوش خبری ملے گی۔ تو میرے ساتھ ان سوا تین مہینوں میں ایک ہی جیسا واقعہ یوں پیش آتا رہا کہ میں جب تہجد کی نماز ادا کرتا یا تسبیحات و ذکر کر رہا ہوتا تو میری جائے نماز پر یا ارد گرد کسی جگہ کوئی جگنو چمکنے لگ جاتا جسے دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے یہ بات نکلتی اچھا آگئے ہو اللہ تعالیٰ تمہارا چمکنا مبارک کرے۔

جس روز مجھ پر قائم قتل کے آخری مقدمہ کی ضمانت کی تاریخ تھی اس روز صبح کے وقت کافی دیر دعا وغیرہ کی لیکن کوئی اشارہ ہوا نہ جگنو آیا۔ یہ سارا دن گزر گیا اگلے روز جمعہ کی صبح اچانک جب میں نے تسبیحات کے شمار کے لئے کاغذ پر نشان لگانے کے لئے اپنا پین اٹھایا تو اس کے اوپر والے حصے پر لگی ہوئی اس ہک کے نیچے (جو جیب پر لگائی جاتی ہے) جگنو چمکتا ہوا دکھائی دیا میں نے بے اختیار کہا تم یہاں کہاں آگئے ہو۔ کچھ لمحوں بعد وہ باہر نکل آیا اور اڑ گیا۔ اب میں حیرانی میں پڑ گیا کہ آج تو کسی مقدمہ کی تاریخ نہیں ہے اور کل جس مقدمہ قتل کی ضمانت کی تاریخ تھی اس کے بارے میں نہ ہی کوئی اشارہ ہوا تھا نہ ہی باہر سے کوئی پیغام ملا۔ یہ کیا ماجرا ہے مگر جمعہ کے بعد ہی باہر سے پیغام آگیا کہ گزشتہ روز مقدمہ کی تاریخ آج کی پڑ گئی تھی اور آج ضمانت ہو گئی ہے۔ اب اس راز کی بات سے میں نے بعض مخلصین اور قریبی ساتھیوں کو آگاہ کر دیا تو یہ بھی اس سے خوب محظوظ ہوئے۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسرے تیسرے روز ہی میں نے نماز پڑھ کر دیکھا تو جائے نماز پر جگنو مرا پڑا تھا اب

مجھے احساس ہوا کہ ایسی باتوں کا افشاء نقصان دہ ثابت ہوتا ہے یہ خاص معاملہ بندے اور اللہ کے درمیان ہوتا ہے اس سے پردہ اٹھانا خود اپنے آپ کو بعض خاص اشارات سے محروم رکھنا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی و رضاء کے مطابق عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ اور دولت اخلاص سے مالا مال فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا محمد عبداللہ اور حکیم سعید کی شہادت

17/ اکتوبر 25 جمادی الثانی ہفتہ کا دن وطن عزیز میں اس لحاظ سے نہایت ہی رنج و غم کے طور پر یاد رکھا جائے گا کہ اس روز دو ایسی شخصیات کو نہایت ہی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ شہید کیا گیا کہ جن کا احترام و مقام نہ صرف پاکستان کے ہر طبقہ میں مسلم تھا بلکہ بیرون ممالک میں بھی ان شخصیات کو نہایت ہی احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

دوپہر کے وقت ایک جیل ملازم نے بتایا کہ کراچی میں حکیم محمد سعید کو شہید کر دیا گیا ہے چنانچہ دو بجے دن ریڈیو پاکستان سے خبریں سنیں تو اس خبر کی تصدیق ہوگئی جس سے بے حد صدمہ ہوا کیونکہ حکیم محمد سعید صاحب نہ صرف اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور بلند پایہ حکیم' نہایت ہی درد مند دل رکھنے والے اور حب الوطنی سے سرشار شخص تھے بلکہ اکثر لوگ اس بات سے ناواقف ہیں کہ حکیم صاحب سینکڑوں مدارس کی سرپرستی بھی کرتے تھے اور ادارہ ہمدرد کی جانب سے مستقلا ان مدارس کو ہر ماہ وظیفہ پہنچا دیا جاتا تھا۔ اگرچہ حکیم صاحب سے براہ راست ملاقات کا موقع نہیں ملا تاہم جن بعض مدارس سے میرا نہایت ہی گہرا اور قریبی تعلق رہا ہے حکیم صاحب ان اداروں کی سرپرستی کرنے والوں میں سے تھے۔

میں بار بار خود سے یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کراچی کے حالات اس نہج کو پہنچ

چکے ہیں کہ اب وہاں حکیم محمد سعید صاحب جیسی غیر متنازعہ اور مسلمہ شخصیت کو بھی جینے کا حق نہیں دیا گیا تو پھر اب کراچی میں کسی کی بھی جان محفوظ نہیں ہے۔ ادھر صدمہ سے طبیعت نڈھال تھی کہ مغرب کی نماز سے چند منٹ قبل جیل حکام کے ملازم نے باہر کے احباب حافظ حبیب الرحمان انجم اور میرے سیکرٹری راشد محمود کا پیغام دیا کہ اسلام آباد میں مولانا عبداللہ صاحب کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر نے بالکل ہی ہلا کر رکھ دیا اور میں سخت اضطراب کی حالت میں اس ملازم کو کہنے لگا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ کوئی اور عالم دین ہوں گے۔ مولانا عبداللہ صاحب کے نام پر آپ شائد اشتباہ کا شکار ہو گئے ہوں مگر اس کا کہنا تھا کہ مجھے بالکل اچھی طرح یاد ہے کہ ساتھیوں نے مولانا عبداللہ ہی کا نام لیا ہے' یہ سن کر میرا دل درد میں ڈوب گیا کہ مولانا عبداللہ جیسی عظیم شفیق اور علمی میدان کی شہسوار شخصیت اور فرشتہ صفت ولی اللہ کے خون سے اسلام آباد کی سرزمین دن دیہاڑے رنگین ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں کے ساتھ دردمند دل اور صاحبِ حاجت افراد کی ہر لحہ مدد و تعاون کرنے کے جذبہ سے سرشار کر دیا تھا۔ ملک بھر سے علماء طلبہ اور دین دار حضرات ان کے پاس آتے اور اسلام آباد میں قائم مرکزی وزارتوں کے دفاتر محکموں کے ہیڈ کوارٹرز سے متعلقہ کاموں کے لئے مولانا سے تعاون کے خواستگار ہوتے آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام جامع مسجد اسلام آباد کے خطیب' جامعہ فریدیہ کے مہتمم اور رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین ہونے کی صورت میں عطا فرمایا تھا اس کے باوجود آپ کی حالت یہ ہوتی کہ آپ ہر شخص کے ساتھ پیدل یا کسی ٹیکسی پر چل پڑتے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک اس شخص کا کام نہ ہو جاتا۔ بے شمار انسانوں کو آپ کی حق گوئی پر مبنی تقاریر ہر جمعہ کو سننے کا موقعہ ملتا اور وہ آپ کے گرویدہ ہو کر رہ جاتے۔ اسلام آباد جیسے شہر میں ایجنسیوں کے

سینکڑوں افراد اور بالا افسران کی موجودگی میں آپ وقت کے حکمرانوں کی اسلام دشمن پالیسیوں پر سخت تنقید کرتے اور اپنا موقف دلائل سے پیش کرتے اور کبھی بھی مداہنت سے کام نہ لیتے۔ مصلحت پسندی اور حکام کے خوف کا تو ایک ذرہ بھی آپ کے دل میں نہیں تھا۔ اگرچہ جرم حق گوئی میں آپ کو حکمرانوں کے انتقام اور کئی اوچھے ہتھکنڈوں کا سامنا کرنا پڑا مگر نہ آپ کے پایہ استقلال میں فرق آیا اور نہ ہی آپ کے لب و لہجہ کی گھن گرج میں کمی واقع ہوئی۔ اسی جرات رندانہ نے جہاں آپ کی محبوبیت اسلام آباد کے اعلیٰ حلقوں میں پیدا کردی تھی وہاں رافضیت اور فرعون صفت حکمرانوں کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت کے جذبات بھی شدت پکڑتے چلے گئے۔ ادھر زبان حال سے گویا آپ فرمارہے تھے۔

روز و شب مسجد و محراب میں جھکنے والو!
سر وہ سر ہے جو سردار اٹھایا جائے
میں نے فرعونوں کے دروازے پہ دستک دی ہے
مجھے بھی سینۂ خنجر پہ نچلیا جائے

آپ کی شخصیت اسلام آباد کے تمام علماء کرام ہی میں نہیں بلکہ ملک بھر کی دینی، مذہبی، سیاسی اور جہادی تنظیموں کے لئے بھی ایک شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی۔ حتیٰ کہ آپ نے عالم اسلام کے عظیم مجاہد اسامہ بن لادن سے نہ صرف ملاقاتیں کیں بلکہ اپنے جمعہ کے خطبوں میں اسامہ بن لادن کی کھلے عام تعریف و توصیف اور تائید کرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی پالیسیوں اور میزائلوں کے حملوں کی مذمت اور حکمرانوں کی طرف سے "بھیگی بلی" کے کردار اپنانے پر شدت کے ساتھ تنقید کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اسی جرات مندانہ انداز و کردار نے حکمرانوں، ایران اور امریکہ کو ان کی جان کا دشمن بنا دیا اور ان تینوں سازشی عناصر کے آلۂ کار شیعہ

نوجوانوں نے دن دیہاڑے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت مولانا عبداللہ شہید کی مجھ عاجز و ناکارہ پر اس قدر شفقت تھی کہ وہ تین چار بار میری ملاقات کے لئے جیل میں آئے۔ اور ہر بار گھنٹوں جیل کے باہر کھڑے ہو کر انہیں بغیر ملاقات کئے لوٹنا پڑا۔ کیونکہ میری ملاقات پر پابندی ہوتی تھی۔ اپنی شہادت سے صرف بارہ روز قبل وہ مجھ سے ملنے میں کامیاب ہوئے اور مجھے آخری مرتبہ ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت کے والہانہ انداز میں تحریر فرمائے ہوئے خطوط میرے لئے عظیم سرمایہ ہیں۔ ان خطوط میں جہاں ان کی بے پناہ محبت اور شفقت کا بھی اظہار ہوتا وہاں وہ دکھی دل سے حکمرانوں کی میرے بارے میں سختی اور شدت کا بھی اظہار کرتے ہوئے لکھتے کہ ان کے دل ابھی آپ کے لئے نرم نہیں ہوئے ہیں اور ساتھ ساتھ وہ بعض "اپنوں" کی بے حسی پر بھی افسوس کا اظہار کرتے جب میں آپ کے خطوط کا جواب لکھتا تو اس قدر خوش ہوتے کہ اپنے مدرسہ کے اساتذہ کرام اور طلبہ کو وہ خط پڑھ کر سناتے اور پھر ان سے میرے لئے دعائیں کراتے۔ آج جب حضرت ایسی شفیق و مہربان شخصیت اس دنیا میں نہیں رہی تو مجھے ایک بار پھر اپنے والد کا سایہ سر سے اٹھنے کا احساس ہو رہا ہے۔

حضرت شہید کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز میرے دورہ حدیث شریف کے ساتھی ہیں اور بالکل علم و عمل میں حضرت کی تصویر ہیں۔ مجھے اور تمام علماء کرام کو اس بات کی بھرپور توقع ہے کہ مولانا عبدالعزیز حضرت شہید کے صحیح خلف الرشید ثابت ہوں گے۔ ایک شعر مولانا عبدالعزیز کی نذر کرتا ہوں۔

عشق کی موج میں اے دوست سمو دو خود کو
اتنا گہرائی میں جاؤ کہ ڈبو دو خود کو
معرکہ عشق بھی کشمکش دنیا بھی
دو محاذوں پہ ہے لڑنا تو کرو دو دو خود کو

چار ماہ بعد بچوں سے ملاقات۔۔۔ واپسی پر گاڑی الٹ گئی

سچ بولنے کی اتنی سزا دی گئی مجھے
کیا ذکر بازوؤں کا یہاں سر ہی کٹ گیا
ہم تیرگی کے دور میں بھی ثابت قدم رہے
حالانکہ ماہتاب کا تختہ الٹ گیا

میرے ساتھ حکمرانوں کا سلوک یقیناً" ضرورت سے زیادہ ہی سخت رہا ہے غالبا وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اگر یہ شخص ہمارے اشاروں پر چل پڑے تو ٹھیک ہو جائے گا حالانکہ میں تو ایک فرد ہوں ہماری پالیسی اور مؤقف تو جماعت کی مشترکہ سوچ پر مبنی ہوتا ہے۔ تاہم اس مؤقف کا اظہار ہر شخص اپنی اپنی حیثیت میں کرتا ہے۔ بہرحال اب جبکہ مجھ پر قائم تمام سنگین مقدمات بھی عدالتوں کے ذریعہ ختم ہو گئے تو بجائے اس کے کہ حکومت اپنا رویہ نرم کرے اور انتقام کی شدت میں کمی کرے اس نے الٹا اور زیادہ سختی شروع کر دی ملاقاتیں تو ویسے ہی بند تھیں مگر بچوں سے ملاقات کی اجازت دینے کے لئے وہ آسانی سے آمادہ نہیں ہوتی۔ ہوم سیکرٹری صاحب کئی کئی چکر لگواتے ہیں کیونکہ میری ملاقات کی اجازت انکے بھی بس کی بات نہیں بلکہ شہباز شریف صاحب کی بارگاہ سے یہ فرمان صادر ہوتا ہے۔

چنانچہ عرصہ چار ماہ کے بعد 27/ اکتوبر 98ء کو بچے ملاقات پر آئے تمام بچوں سے مل کر دل بہت خوش ہوا خصوصاً بڑے بچوں کی تعلیمی کیفیت حوصلہ افزاء تھی اور ماشاء اللہ محمد معاویہ قرآن کریم حفظ کرنے کے بعد اب خوب اچھی طرح یاد کر چکا تھا۔ اور بچیاں بھی عالمہ کا کورس مکمل کرنے اور حفظ قرآن میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ میں نے اس موقعہ پر بچوں سے کہا کہ آپ خود سوچیں کہ جب تک میں باہر تھا۔

آپ سب بچے باوجود کوشش کے اتنی توجہ وانہماک کے ساتھ تعلیم میں مصروف نہیں تھے۔ اور جب سے میں روپوشی اور قید و بند کی راہوں پر چلنے لگا ہوں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت ہمارے ساتھ ایسی ہے جسے ہم دیکھ بھی رہے ہیں اور محسوس بھی کر سکتے ہیں۔

ملاقات سے فارغ ہو کر بچے واپس روانہ ہوگئے اور مولانا شعیب ندیم شہیدؒ' قاری حبیب الرحمان صدیقیؒ کے گھر والوں سے تعزیت کرتے ہوئے اسلام آباد پہنچے' جہاں حضرت مولانا عبداللہ شہیدؒ کے گھر تعزیت کر کے اگلے روز شام کو واپس جھنگ جا رہے تھے کہ موٹر وے پر کوٹ مومن کے قریب گاڑی کی کمانی ٹوٹ جانے اور ٹائر پھٹ جانے کے باعث ایسے حادثہ کا شکار ہوئے کہ گاڑی قلابازیاں کھاتی ہوئی موٹر وے سے نیچے گر گئی مجھے دوسرے روز اخبارات میں حادثہ کی شائع ہونے والی خبر سے آگاہی ہوئی-----------تو از حد پریشانی ہوئی میرا سوائے دعاؤں کے چارہ کار ہی کیا تھا؟ میں نے بارگاہ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر عرض کی الٰہ العالمین میں نے تو اول روز سے ہی اپنے بچوں بہن بھائیوں اور اہل خانہ کو تیرے سپرد کر رکھا ہے تو ہی ان کا نگہبان ہے اور وہ تیری ہی حفاظت میں ہیں۔ اب اگر اس حادثہ میں انہیں کوئی گزند پہنچا ہے تو تیری ہی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ جس طرح تو نے قدم قدم پر میری حفاظت فرمائی اور گولیوں........ راکٹ لانچروں اور بم دھماکوں سے مجھے سلامت رکھا ہے اور میرے جسم کی اسی سے زائد گہرے زخموں کے باوجود حفاظت فرمائی ہے تو میرے بچوں اور اہل خانہ کو بھی اپنی کرم نوازی سے بہرہ ور فرما۔ چنانچہ اسی روز شام تک گھر سے اطلاع پہنچ گئی کہ حادثہ اس قدر شدید تھا کہ کسی ایک کے بچنے کا بھی امکان نہیں تھا اور گاڑی بالکل تباہ ہوگئی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی ہے کہ کسی بچے کو بھی خراش تک نہیں آئی اور سب بچے خیر و عافیت سے ہیں۔ گو کہ اس خبر سے میری پریشانی کم ہوگئی مگر پوری طرح سکون نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرتا

ہوں وہ مجھے اپنے بچوں کے ساتھ خیریت و عافیت والی زندگی کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین

چھوٹے بچوں کے ذہن پر اس حادثہ کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ اب گاڑی پر سفر کرنے کو ہی تیار نہیں ہوتے ہیں بلکہ جب کسی جگہ سفر کرنے کا موقع آتا ہے تو اپنی والدہ سے کہتے ہیں آپ چلی جائیں ہم نہیں جائیں گے۔ کیونکہ گاڑی الٹ جائے گی۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پھر بس یا ریل گاڑی پر چلے جاتے ہیں تو ان معصوم زبانوں سے یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں امی وہ بس اور ریل گاڑی بھی تو الٹ سکتی ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب کافی حد تک نارمل ہو چکے ہیں اور میں نے دو اپریل 1998ء کی ملاقات پر انہیں مزید حوصلہ دیا تو اس حادثہ کو اپنے ذہن سے محو کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سندھ میں گورنر راج کا قیام فوجی عدالتوں کے فیصلے اور سپریم کورٹ کا تاریخی فیصلہ

صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کے لیاقت جتوئی' ایم۔کیو' ایم کے ممبران اسمبلی کو ساتھ ملا کر سندھ کی بڑی سیاسی جماعت پیپلزپارٹی کے مقابلہ پر حکومت بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے ادھر مرکزی سطح پر بھی ایم کیو ایم حکومت کی حلیف بن چکی تھی۔ لیکن یہ باہمی تعاون چونکہ مخصوص مفادات پر مبنی تھا اس لئے صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں کئی مرتبہ یہ حالات سامنے آئے کہ ایم۔کیو۔ایم حکومت سے الگ اور وزارتوں سے مستعفی ہو جاتی۔ پھر مرکزی حکومت کے اہم ترین حضرات لندن جا کر ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین سے ملاقات کرتے۔ وہاں از سر نو عہد و پیمان ہوتے اور

پھر دوبارہ دونوں جماعتیں باہم مل جاتیں۔ دراصل سندھ کی حکومت کو باقی رکھنے کے لئے مسلم لیگ کی مجبوری تھی کہ وہ ایم کیو ایم سے اپنا تعلق برقرار رکھے کئی مرتبہ جدائی اور پھر ملاپ کے ڈرامائی سلسلوں کے بارے میں اندرون و بیرون ملک نجی طور پر بہت سی کہانیاں مشہور ہو چکی تھیں۔ اور مسلم لیگ کے بعض ممبران اسمبلی دبے لفظوں میں یہ کہتے سنے گئے کہ ایم کیو ایم کے پاس جب پیسے ختم ہو جاتے ہیں تو وہ ہم سے الگ ہو جاتے ہیں پھر جب ادائیگی ڈالروں میں ہو جاتی ہے تو صلح ہو جاتی ہے۔ حقیقت کیا ہے؟ اسے تو اللہ ہی جانتا ہے یا دونوں جماعتوں کے لیڈر جانتے ہیں تاہم اس سے یہ ہوا کہ ایم کیو ایم کے بارے میں بہت ہی منفی پروپیگنڈہ کے باعث عوام کے ذہنوں میں خراب تاثر قائم ہوتا چلا گیا ادھر حکمرانوں کی بھی یہ حالت ہے کہ جب ایم کیو ایم ان سے علیحدہ ہوتی ہے تو وہ دنیا بھر کے الزامات اس سے منسوب کرنے لگ جاتے ہیں اس کو بھتہ خور ملک دشمن اور تخریب کار کے القابات سے نوازتے ہیں اور جونہی ان سے پھر ملاپ ہوتا ہے تو ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگ جاتے ہیں۔ دراصل یہ ہمارے ملک کے سیاستدانوں اور حکمرانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے اپنی پسند اور ناپسند ہی کو حب الوطنی اور ملک دشمنی کا نام دے رکھا ہے۔

اب ہوا یہ کہ 9/ اکتوبر 1998ء کو قومی اسمبلی سے جب شریعت بل دو تہائی ووٹوں سے پاس کرایا گیا تو ایم کیو ایم نے حکومت کا ساتھ نہ دیا۔ اور آئندہ سینٹ میں بھی حکومت سے راہیں جدا کر لیں۔ اور مرکزی و صوبائی حکومت کی وزارتوں سے بھی استعفے دے دیئے مگر جب 17 اکتوبر کو کراچی میں حکیم محمد سعید کے قتل کا سانحہ پیش آیا تو حکومت سے ایم کیو ایم کی صلح ہو گئی۔ اور وزارتوں پر ان کے وزراء بحال ہو گئے۔ 18/ اکتوبر کو جہاں اخبارات میں حکیم سعید کی شہادت کی خبریں شائع ہوئیں ان خبروں سے اگر ایک طرف نمایاں طور پر یہ تاثر سامنے آتا تھا کہ حکیم سعید کے قتل

میں ایم کیو ایم ملوث ہے تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف دکھائی دیتا تھا کہ حکومت نے پھر حکیم سعید صاحب کے قاتلوں کو نہ صرف گلے لگالیا ہے بلکہ انہیں وزارتیں بھی دے رہی ہے۔ حکیم سعید صاحب کے قتل کا سانحہ کوئی معمولی بات نہ تھی عالمی ذرائع ابلاغ اور پاکستانی اخبارات نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور صائب الرائے کالم نگاروں نے حکومت کی سندھ میں ایک مرتبہ پھر حکیم سعید کے قاتلوں سے مفاہمت کو سراسر غلط قرار دیا۔ ادھر ایم کیو ایم نے حکومت سے تعاون کے باوجود سینٹ میں شریعت بل کی حمایت سے انکار کر دیا۔ عوامی غیض و غضب اور ایم کیو ایم کی طرف سے سینٹ میں عدم تعاون کے اعلان پر 28 اکتوبر کو وزیراعظم نواز شریف صاحب کی طرف سے ایم کیو ایم کو تین دن کی مہلت دینے کا اعلان ہوا کہ وہ ان تین ایام میں اپنے ممبر صوبائی اسمبلی ذوالفقار اور حکیم سعید کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دے۔ جس کے جواب میں اگلے روز ایم کیو ایم نے حکیم سعید کے قتل کا اپنے اوپر الزام کی تردید اور وزیراعظم کی طرف سے تین دن کی مہلت کو ایک مذاق قرار دیتے ہوئے حکومت سے علیحدگی کا واضح اعلان کر دیا۔ ایم کیو ایم کی حکومت سے علیحدگی کا واضح مطلب یہ تھا کہ اب سندھ میں مسلم لیگ کی حکومت کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا اور کسی وقت بھی ایم کیو ایم پیپلز پارٹی سے اتحاد کے ذریعے لیاقت جتوئی کی وزارت کو ختم کر کے اپنی حکومت بنا سکتی ہے۔ مگر وفاقی حکومت نے حالات کو اس نوبت تک پہنچنے ہی نہیں دیا بلکہ 30/ اکتوبر کو سندھ میں گورنر راج نافذ کر دیا۔ اور تمام صوبائی اختیارات ریٹائرڈ جنرل گورنر معین الدین حیدر کو سونپ دئے اور 20 نومبر کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر افواج پاکستان کو آئین کی دفعہ 245 کے تحت اختیارات استعمال کرنے کی اجازت دے دی اور فوجی عدالتوں کے قیام کا اعلان کر کے دہشت گردوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کا اعلان کر دیا۔ فوجی عدالتیں چند ہی روز میں نہ صرف

معرض وجود میں آگئیں بلکہ ان عدالتوں نے نہایت تیزی سے مقدمات کی سماعت کر کے چند افراد کو سزائے موت بھی سنادی۔ جس میں ایک شخص کو پھانسی بھی دے دی گئی۔ فوجی عدالتوں کے قیام کو ایم کیو ایم اور بعض دیگر تنظیموں نے سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا جہاں سے ان عدالتوں کو غیر قانونی قرار دے کر ختم کر دیا گیا۔

فوجی عدالتوں کے خاتمہ سے وفاقی حکومت کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی

اب وزیر اعظم صاحب اس فیصلہ کو قبول کرنے کا بھی بار بار اعلان کرتے ہیں لیکن ساتھ ساتھ فوجی عدالتوں کی اہمیت و ضرورت اور افادیت پر ایسے ایسے بیانات جاری کرتے ہیں کہ جن سے عدالت کے فیصلے پر ناخوشی کا صاف طور پر اظہار ہوتا ہے۔ اس وقت سندھ میں اسمبلی صرف نام کی حد تک قائم ہے اس کے بے اثر اور محض کاغذی کاروائیوں پر مبنی اجلاسات ہوتے رہتے ہیں۔ فوجی عدالتوں کے خاتمہ کے باعث اور ساتھ ساتھ خصوصی عدالتوں کے پوری طرح ہائی کورٹ کے ماتحت ہونے کے باعث گورنر راج کے قیام کے باوجود کراچی پر مرکزی حکومت کی گرفت حد درجہ کمزور ہے اور کسی وقت بھی کوئی لاوا ایسا پھٹ سکتا ہے جو اس عارضی سلسلہ کو سخت صدمہ پہنچا دے گا۔ صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ کم از کم جمہوری اصولوں کی تو پاسداری کی جائے تاکہ لوگوں میں مایوسی نفرت یا بغاوت کے جذبات جنم نہ لیں۔ محض ڈنڈے کے زور پر زیادہ دیر تک کام چلانا سخت تباہی کا باعث تو ہو سکتا ہے کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتا۔

اخبارات میں انٹرویو کی اشاعت اور جیل حکام کی پریشانی

حوصلے چھن نہیں سکتے کبھی تعزیروں سے
خواب ٹوٹے ہیں کبھی ظلم کی تدبیروں سے؟

سچ تو خوشبو ہے ہواؤں میں بکھر جائے گا
کیسے جکڑو گے اسے آہنی زنجیروں سے؟

انسان کی حالت بھی عجیب ہے جب کسی آزمائش و پریشانی' بیماری و افلاس کا شکار ہوتا ہے تو اسے رہ رہ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ آخر دوسرے لوگ میری اس مشکل میں تعاون کیوں نہیں کرتے ہیں۔ اور انہیں میری مجبوری اور تکلیف کا احساس کیوں نہیں ہے ----- لیکن جب اسے اس مشکل و مصیبت کے دور سے نجات ملتی ہے اور وہ خود کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوتا ہے تو وہ مجبوروں بے بسوں ستم رسیدہ لوگوں پر ترس کھانے کو تیار نہیں ہوتا اور اپنے ماضی کے تجربات سے سبق نہیں سیکھتا۔

موجودہ حکمران صرف دو اڑھائی سال قبل انہی جیلوں کے مہمان رہے ہیں بلکہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف تو اس کوٹھڑی میں نہایت پریشانی میں صرف تین دن گزار سکے تھے جہاں میں نے پندرہ ماہ گزارے ہیں۔ اپنی اسیری کے دوران یہ لوگ عدالت عالیہ کو درخواستوں کے ذریعے ایسے ایسے مطالبات پیش کیا کرتے تھے جنہیں پڑھ سن کر ہنسی آتی ہے مثلاً میاں شہباز شریف صاحب عدالت میں آکر کہتے کہ میری ریڑھ کی ہڈی کے مہرے ہل چکے ہیں مجھے جیل میں سوئمنگ پول کی ضرورت ہے تاکہ روزانہ تیر سکوں۔ بھلا ان سے کوئی پوچھے کہ جناب جیل میں گئے تھے یا خالہ جی کے گھر گئے تھے؟ جہاں سوئمنگ پول کی خواہش کا اظہار فرمایا جا رہا تھا۔ اس طرح ایک دوسرے صاحب جیلوں میں جس طرح کے شغل فرمایا کرتے تھے ان کی کہانیاں زبان زد عام و خاص ہیں ادھر جیلوں میں عیاشیاں ہو رہی ہوتی تھیں تو ادھر اخبارات میں شور برپا ہوتا تھا کہ ہم مارے گئے ہمیں ٹارچر کیا جا رہا ہے۔ ہمیں سونے نہیں دیا جاتا ہمارا علاج نہیں کروایا جا رہا ہے وغیرہ وغیرہ

اب جب یہ حضرات اقتدار کے محلات میں پہنچے ہیں تو حکم صادر فرماتے ہیں کہ مولانا اعظم طارق بے شک اسمبلی کا رکن ہے لیکن اسے B کلاس کی سہولت فراہم کرنی ہے نہ ملاقات کی اجازت ہے اور خبردار اس کا باہر کی دنیا سے بالکل رابطہ نہیں ہونا چاہئے۔ جیل حکام ان احکامات پر ایک سو ایک فیصد عمل کر کے اپنی کارکردگی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہیں ہمارے خطوط جیل میں سپیشل برانچ و دیگر ایجنسیاں کئی کئی روز تک چیک کر کے دیتی ہیں اور واپسی جواب کھلے لفافے میں لے کر اپنی مرضی سے پوسٹ کرتی ہیں تو کہیں چوبیس گھنٹے سخت پہرہ دینے والے پانچ پانچ ملازم ایک آدمی پر ڈیوٹی دینے کے لئے مقرر ہوتے ہیں تاکہ کوئی پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔

ان تمام تر پابندیوں کے باوجود جماعت کے بعض احباب کسی نہ کسی شکل میں رابطہ پیدا کرنے میں ہر جگہ کامیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور اس رابطہ کے اتنے راستے ہیں کہ جیل حکام ان راستوں کو کسی صورت بند نہیں کر سکتے۔ مثلاً خود ملازم رابطہ کا کام دے دیتے ہیں۔ ورنہ جیل کے دیگر قیدیوں کی ملاقاتیں آتی ہیں وہ بھی پیغام رسانی کر سکتے ہیں اور جو لوگ باہر عدالتوں میں تاریخ پیشی پر جاتے ہیں ان سے بھی کام لیا جا سکتا ہے زیادہ سے زیادہ تلاشی کے ذریعہ کسی تحریر کے ٹکڑے کا راستہ روکا جا سکتا ہے مگر جو بات زبان سے سن کر آگے سنانی ہے اسے کون چیک کر سکتا ہے؟ بہر حال ہوا یہ کہ 24 نومبر 1998ء کو روزنامہ خبریں نے رنگین صفحہ پر میرا باتصویر انٹرویو شائع کر دیا جس میں حکومت کے مظالم کی تفصیلات بیان کی گئی تھیں۔ اور نام نہاد شریعت بل کی حقیقت کو واشگاف کیا گیا تھا۔

چونکہ تمام اخبارات پہلے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے گھر جاتے تھے وہاں سے پھر دن کو دس یا گیارہ بجے مجھے ملتے تھے۔ اس لئے بھی صبح سات بجے تک میرے علم میں کوئی بات نہ تھی میں ناشتہ کر کے سویا ہوا تھا کہ اچانک کسی ساتھی نے بتایا کہ

سپرنٹنڈنٹ ملک عطاء محمد صاحب آئے ہیں۔ میں اٹھ بیٹھا اور پوچھا......... ملک صاحب خیر تو ہے۔ انہوں نے کہا بس سپرنٹنڈنٹ صاحب آرہے ہیں اور وہ کافی پریشان ہیں۔ میں نے پوچھا کیوں کیا بات ہوئی؟ آپ پریشان کس وجہ سے ہیں تو انہوں نے کہا وہی بتائیں گے اتنی دیر میں سپرنٹنڈنٹ کوکب ندیم صاحب (جو ماشاء اللہ تعلیم یافتہ اور جوان آدمی ہیں مگر ابھی ان کا تجربہ کم ہے) آگئے اور آتے ہی کہنے لگے "مولانا! آپ نے ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے اور ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے"۔ چونکہ میں اصلی بات سے بالکل لاعلم تھا میں نے کہا کوکب صاحب ہوا کیا ہے؟ تو انہوں نے میرے سامنے اخبار رکھ دیا کہ یہ آپ کا انٹرویو اور تصاویر؟ میں نے کہا اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ باہر ہماری جماعت اور ذمہ دار ساتھی موجود ہیں ان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ میری خبریں اور بیانات و انٹرویو اخبارات میں شائع کرائیں۔ میں اس سے قبل بارہا جیل کے حکام کو لکھ کر دے چکا ہوں کہ میں نے دستخط کر کے اپنے پیڈ جماعت کے ذمہ داران کو دے دیئے ہیں وہ میری طرف سے پالیسی کے مطابق بیان جاری کر سکتے ہیں اور میں ان بیانات کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں اس وجہ سے اخبارات میں آئے روز میرے بیانات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ آپ حضرات نے جس قدر سخت پابندی مجھ پر لگا رکھی ہے آپ بخوبی اسے جانتے ہیں میری اس بات سے قدرے انہیں اطمینان ہوا مگر اگلے ہی لمحے کہنے لگے ابھی جب وزیراعظم اور وزیراعلیٰ یہ انٹرویو دیکھیں گے تو یہی آرڈر جاری کریں گے کہ جیل کے عملہ کو معطل کر دیا جائے۔ وہ کوئی دلیل نہیں سنیں گے اور پھر یہ تصاویر جیل کی ہیں جن کا مطلب ہے کہ اس جیل میں آپ نے کیمرہ منگوا کر تصاویر بنوائی ہیں جبکہ جیل میں کیمرہ لانا سخت منع ہے میں نے کہا آپ بے غم ہو جائیں انشاء اللہ آپ کو نہ معطل کیا جائے گا نہ ہی پریشانی ہوگی۔ جہاں تک تصاویر کی بات ہے میں نے سختی سے پوری جماعت کو ہدایت کر رکھی ہے کہ تصاویر بنوانے اور

گھروں میں قائدین کی تصاویر رکھنے کی ریت بالکل ختم کر دیں۔ یہ تصاویر جیل کی ضرور ہیں مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ پرانی تصاویر ہیں اور اس میں کئی تصاویر قومی اسمبلی کی عمارت میں بنی ہوئی ہیں۔ کافی اطمینان دلا کر میں نے انہیں واپس کیا مگر وہ مسلسل تین روز تک ہر فون کی گھنٹی پر یہی محسوس کرتے رہے کہ اب معطلی کے آرڈر آئے اور اب کوئی حکمرانوں کا قہر ٹوٹا اور میرا اب نمبر لگا.......... کہ..... اب لگا مگر جب ایک ہفتہ گزر گیا تو پھر انہیں اطمینان ہوا کہ جان بچ گئی ہے ادھر میں نے بھی ساتھیوں کو پیغام بھیجا کہ کم از کم انٹرویو والی بات نہ کی جائے تاکہ جیل حکام کی پریشانیوں میں مزید اضافہ نہ ہو کیونکہ ان افسران کی مثال شاخ نازک پہ آشیانہ کی سی ہے جو ذرہ سی تیز ہوا چلنے سے ہلنے لگ جاتا ہے۔

جیل ملازم معطل ہوتے ہوتے بچا

مندرجہ بالا واقعہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جیل حکام پر کس قدر دباؤ تھا کہ میری طرف سے اخباری بیان تو درکنار ایک رقعہ باہر نہیں جانا چاہیے۔ ورنہ کوئی بھی مصیبت نازل ہو سکتی ہے۔

چنانچہ علامہ شعیب ندیم کی شہادت کے تیسرے روز ایک واقعہ پیش آیا کہ ڈیرہ اسماعیل خان سے چند نوجوان علامہ شہید کی تعزیت کے لئے کارپرواہ کینٹ گئے۔ وہاں سے واپسی پر اس نیت سے اٹک جیل کے پاس پہنچ گئے کہ شائد قائد محترم سے ملاقات ہو جائے۔ ان کی شکل و صورت دیکھ کر جیل کے اردگرد منڈلانے والے ایجنسیوں کے افراد بھی حرکت میں آ گئے۔ انہوں نے جس سے پوچھا کہ مولانا کی ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ تو ہر ایک نے یہی جواب دیا کہ مولانا کی ملاقات کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ اس اثنا میں ان کی ایک پٹھان ملازم سپین گل پر نظر پڑی انہوں

نے پشتو میں اسے کہا کہ اگر مولانا کی ملاقات نہیں ہو سکتی ہے تو ان کی طرف سے کوئی دو سطر کا خط ہی لا دو ہم یہ خط ہی لے جائیں گے۔ یہ ملازم کچھ لالچی قسم کا تھا مجھے اس نے جگا کر پرچی دی جس پر چار ساتھیوں کے نام اور ڈیرہ اسماعیل خان لکھا ہوا تھا میں نے پرچی دیکھ کر کہا اس کا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا کہ آپ ان کو سلام و دعا پر مشتمل ایک خط لکھ دیں۔ یہ باہر کھڑے ہیں خوش ہو جائیں گے۔ چونکہ میں ان حضرات سے واقف تو نہیں تھا تاہم ان کی دلداری کے لئے صرف چار سطور پر مبنی ایک تحریر لکھ دی کہ آپ آئے بڑی خوشی کی بات ہے مگر ملاقات بند ہے۔ آپ لوگ مشن حق کا کام خوب کریں" نیچے اپنے دستخط کر دیئے۔ سپین گل خان نے یہ رقعہ انہیں پہنچا دیا چنانچہ جب وہ وہاں سے چلے تو انہیں تھانہ اٹک والوں نے گرفتار کر لیا ان کی تلاشی لی تو یہ رقعہ برآمد ہو گیا اب ان سے پوچھا گیا کہ یہ رقعہ کہاں سے ملا ہے؟ انہیں ملازم کا نام تو نہیں آتا تھا مگر انہوں نے بتا دیا کہ اس طرح کا بڑے پیٹ والا پٹھان ملازم ہے اب بے چارے سپین گل کی کمبختی شروع ہو گئی۔ کبھی اسے D.S.P پولیس بلا رہا ہے تو کبھی کوئی بلا رہا ہے۔ اس کی صبح و شام تفتیش ہو رہی ہے۔ بالآخر اس نے بھی کمال کام کیا کہ وہ جس افسر کے پاس بھی جاتا تو جب افسران اسے کہتے تم مولانا اعظم طارق کے رقعہ جات باہر لے جاتے ہو تو وہ کہتا صاحب! مجھے قرآن کا قسم ہے میں تو شیعہ ہے...... میرا مولانا سے کیا تعلق ہے؟ اب نا معلوم وہ واقعی شیعہ تھا یا نہیں لیکن اس نے اسی طرح ہر جگہ اپنے شیعہ ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا کہ جیل کے سپرنٹنڈنٹ صاحب اور عملہ کی تو ہنسی ہی ضبط نہیں ہو رہی تھی۔ بالآخر اسے معطل کرنے کی بجائے میانوالی جیل میں ٹرانسفر کر دیا گیا اور وہ شکر کا کلمہ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ اس ایک واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ باہر کے احباب سے رابطہ قائم کرنا کتنا مشکل کام ہے مگر الحمدللہ ان تمام تر سختیوں کے باوجود جب بھی ضرورت محسوس ہوئی کوئی نہ کوئی رابطہ کی شکل نکلتی

ہی رہی اور اخبارات میں بیانات بھی شائع ہوتے رہے۔

حکومت پنجاب کا تراویح کے لئے سامع دینے سے انکار

تجھ سے وفا کی امید ہو گی جسے ہوگی
مجھے تو دیکھنا یہ ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

شب برات گزارنے کے بعد ہی سے میں نے جیل حکام کو یاد دہانی کرانا شروع کردی کہ میں گزشتہ چار سال سے مختلف جیلوں میں ماہ رمضان المبارک گزارتا چلا آرہا ہوں۔ ویسے تو آپ لوگ بالا حکام کے آرڈر کے باعث مجھ اکیلے ہی کو اس پورے وارڈ میں رکھنے پر مجبور ہیں اور ایک ساتھی مقصود احمد جو راولپنڈی سے میرے ساتھ آیا ہے۔ بڑی مشکل سے اسے میرے ہمراہ رہنے کی اجازت ملی ہے۔ تاہم رمضان المبارک میں میں نے قرآن کریم سنانا ہوتا ہے لہٰذا آپ حضرات مجھے ایک حافظ قرآن کی اجازت دیں جو میرے ساتھ رہا کرے اور تراویح میں میرا قرآن سن لے اس مقصد کے لئے حافظ محمد زاہد جیل میں موجود ہے جو وقتاً" فوقتاً" مجھے منزل سناتا بھی رہتا ہے اس کو رمضان المبارک کے ایام میں میرے ساتھ رہنے دیں۔ جیل حکام مجھ سے وعدہ کرتے رہے کہ یہ ثواب کا کام ہے ہم اس سلسلہ میں ضرور تعاون کریں گے۔ چنانچہ وہ بالا حکام سے رابطہ کرتے رہے، مگر اوپر سے جواب ملتا ابھی تو بڑے دن پڑے ہیں دیکھ لیں گے۔ حتیٰ کہ رمضان المبارک سے دو دن اور پھر ایک دن پہلے ان سے رابطہ کیا گیا تو جواب ملا کہ سوچ کر بتائیں گے۔ جب جیل حکام نے مجھے اس صورت حال سے آگاہ کیا تو میں نے کہا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ پنجاب کے ہوم سیکرٹری وزیر اعلیٰ سے بات کر کے ہی جواب دیں گے۔ چنانچہ شام کو چاند نظر آنے کی توقع تھی مگر لاہور سے کوئی جواب نہ ملا تو رات کو حافظ زاہد صاحب کو ہمارے ساتھ بند

کر دیا گیا۔ مگر اس رات چاند نہ ہوا اگلے روز بھی لاہور سے کوئی جواب نہ ملا تو حافظ صاحب اگلی رات بھی میرے ساتھ رہے اور تراویح میں سماعت کی۔ چنانچہ تیسری شب عشاء سے ایک گھنٹہ قبل لاہور سے فون آیا کہ قطعی طور پر مولانا کا قرآن سننے اور تراویح با جماعت کی شکل بنانے کے لئے حافظ قرآن بطور سامع مہیا کرنے کی اجازت نہیں۔ اب جیل حکام سخت پریشان تھے وہ اس حکم پر تلملا کر رہ گئے ادھر اوپر سے سخت حکم تھا کہ مولانا کے ساتھ حافظ کو بند نہ کیا جائے ادھر اب میری طرف سے سخت احتجاج کا سلسلہ جاری تھا بالآخر جیل حکام نے کافی سوچ بچار کے بعد ایک راستہ نکالا کہ عین عشاء کے وقت وہ حافظ صاحب کو لے آتے اور تراویح میرے ساتھ پڑھوا کر واپس لے جاتے۔ یوں تراویح پڑھانے کا موقع مل گیا۔ کہاں ایک آدمی کی ضرورت تھی کہ مقصود احمد اور حافظ زاہد پیچھے ہوں اور میں امامت کرا رہا ہوں اور کہاں یہ ہوتا کہ چار پانچ حضرات پیچھے ہوتے میں تراویح میں قرآن مجید سنا رہا ہوتا۔ یہ سلسلہ خاموشی سے راز داری کے ساتھ چلتا ہوا ختم قرآن پر 28 ویں شب کو بالآخر پہنچ گیا اور کئی جیل افسران اور ملازمین دعاء ختم قرآن میں شریک ہوئے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ کس طرح ایک طرف حکمران قرآن کریم کی تلاوت پر پابندیاں لگانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف نیک دل لوگ تمام تر خطرات مول لے کر قرآن سننے اور تراویح پڑھنے کی سعادت سمیٹ رہے ہوتے ہیں۔

کوئی قرآن کی تلاوت اور نماز باجماعت پر قدغن لگا رہا ہوتا ہے اور کوئی اپنے سینے کو قرآن کے نور اور تراویح کی لذت و راحت سے جلا بخش رہا ہوتا ہے۔

سپاہ صحابہ پر ظلم ڈھانے والے پولیس افسر کا انجام اور حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف

18 دسمبر کو صبح گیارہ بجے ایک ساتھی نے بتایا کہ ریڈیو پاکستان کی خبروں سے علم ہوا ہے کہ پنجاب کے بعض اہم افسران یا حکام میں سے کسی کا ہیلی کاپٹر حادثہ کا شکار ہو گیا ہے اور کئی لوگ ہلاک ہو گئے چنانچہ بارہ بجے کی خبریں میں نے خود سنیں تو معلوم ہوا کہ کمشنر بہاولپور و ڈی آئی جی پولیس طارق مجاہد سمیت سات افسران جس ہیلی کاپٹر میں تھے وہ دھند کے باعث غوثیہ مسجد لاہور کے مینار سے ٹکرا گیا اور سوائے ایک پولیس افسر S.P عابد قادری کے باقی سب حضرات ہلاک ہو گئے ہیں۔ پولیس افسر DIG طارق مجاہد کا نام سامنے آتے ہی میری آنکھوں کے سامنے نئے پرانے تمام مناظر ایک ایک کر کے گھومنے شروع ہو گئے۔ جو طارق مجاہد کی زیادتیوں پر مشتمل تھے۔ مولانا ایثار القاسمی کی شہادت کے موقعہ پر یہی طارق مجاہد جھنگ کے SSP تھے اور ان کے دور میں سپاہ صحابہ کو کچلنے اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرنے کی نئی سے نئی کوششیں ہوتی رہیں۔ پھر فیصل آباد میں بھی یہ SSP رہے اور وہاں بھی ظلم کا بازار گرم رکھا۔ یہاں تک کہ جب 6 مئی 1997ء کو مجھے گرفتار کر کے چوہنگ لے جایا گیا تو ان کے پاس CID کا چارج تھا اور یہ نئے نئے سی آئی ڈی پنجاب کے انچارج بنے تھے انہوں نے میری آنکھوں پر پٹی بندھوا کر دونوں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگوائیں اور میری زخمی ٹانگوں پر ساری رات مجھے کھڑا کرا کر مجھ سے تفتیش کی' ایک طرف ان کے ظلم کا یہ انداز تھا دوسری طرف خوف زدہ اتنے تھے کہ خود اپنی زبان سے نہیں بولتے تھے بلکہ پرچی پر سوالات لکھ کر اپنے ماتحت افسر کے سامنے رکھ دیتے اور وہ مجھ سے سوالات کرتا میں نے بارہا کہا کہ میری ٹانگیں زخمی ہیں اور مجھ سے کھڑا نہیں ہوا جاتا ہے مگر ان کے دل میں رحم کا ذرہ برابر مادہ پیدا نہیں ہوا بلکہ انہوں نے کچھ اور بھی بھیانک قسم کا ظلم کرایا جسے میں نے کبھی نہ بیان کیا ہے نہ کروں گا تاہم مسلسل زخمی

حالت میں کھڑا رہنے سے میرے زخم ایسے خراب ہوئے کہ دو سال کا عرصہ گزرنے کے باوجود اب بھی میرے وہ زخم درد کرتے ہیں۔ آج جبکہ میں 21/اپریل 1999ء کو یہ سطور لکھ رہا ہوں تو چند گھنٹے قبل الائیڈ ہسپتال سے ڈاکٹروں کا ایک بورڈ زخموں کو چیک کرنے کے لئے سپیشل آیا تھا۔ بہرحال میں یہ سوچتا رہا کہ آخر اس شخص نے میرے ساتھ پرانی شناسائی کے باوجود اتنا ظلم کیوں کیا؟ تو 19 دسمبر کے روزنامہ جنگ لاہور میں طارق مجاہد کے جنازہ کی تصویر دیکھ کر حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی کیونکہ جنازہ پڑھانے والا ایک شیعہ ذاکر تھا اور شیعہ مذہب کے مطابق جنازہ پڑھایا گیا۔ تب علم ہوا کہ یہ شخص کس طرح سالہا سال اپنے آپ کو سنی ظاہر کرکے ہمارے ساتھ ظلم و جبر کا کھیل کھیلتا رہا۔

وفاقی وزراء ہائی کورٹ و سیشن کورٹ کے ججز اور انتظامیہ کے افسران کا دورہ جیل...... مگر میرا نام سن کر گھبرا جانا

سپریم کورٹ کے ججز حضرات اور انتظامیہ کے افسران مختلف جیلوں کا دورہ ہر مہینہ میں ایک دو مرتبہ ضرور کرتے ہیں تاکہ جو لوگ چھوٹے چھوٹے مقدمات میں گرفتار ہیں یا ناانصافی کا شکار ہیں۔ یا مالی حالت درست نہ ہونے کے باعث رہائی حاصل کرنے اور اپنا مقدمہ لڑنے سے قاصر ہیں ان کی مدد کی جاسکے۔ لیکن اکثر یہ دورہ جات محض خانہ پری ہی ہوتے ہیں کیونکہ جیل حکام کی طرف سے قیدیوں کو اس قدر خوف زدہ کیا گیا ہوتا ہے کہ ججز حضرات کے سامنے کوئی سوال کر ہی نہیں پاتے ہیں اور اپنی کسی پریشانی کا اظہار کرنے کا انہیں سلیقہ بھی نہیں آتا' حالانکہ جیل حکام کو چاہئے کہ وہ خود نہ صرف ایسے لوگوں کو حوصلہ و ہمت دلا کر ان سے سوالات کرائیں بلکہ ترجمانی

کریں تاکہ ان کی رہائی یا داد رسی ہو سکے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جب بھی ہائی کورٹ کے محترم جج صاحبان یا وفاقی و صوبائی وزیر صاحبان دورہ پر آئے تو یہ حضرات پوری جیل گھومتے رہے مگر جب سزائے موت کے قیدیوں سے ملنے کے لئے میرے وارڈ کے قریب سے گزرے تو انہیں بتایا گیا کہ ادھر مولانا اعظم طارق صاحب ہیں۔ میرا نام سنتے ہی معزز جج صاحب نے یہ سوچا کہ اس سے بھی ملاقات کر کے پوچھ لیں کہ کیا آپ کو بھی کوئی شکایت ہے۔ غالباً وہ خوب جانتے ہوں گے اس شخص کو محض تقاریر کے بوگس مقدمات میں بند رکھا ہوا ہے اور ایک دن بھی حکومت نے کسی عدالت میں پیش نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی قانونی تقاضوں کو پورا کیا جا رہا ہے میں حیران ہوتا ہوں کہ جس ملک میں ایک رکن اسمبلی کو انصاف میسر نہیں وہاں کے غریب و نادار کو انصاف کیسے فراہم ہو سکتا ہے؟

جہاں تک وفاقی و صوبائی وزراء اور انتظامیہ و پولیس افسران کی بات ہے تو اللہ کے فضل سے ان لوگوں کے لئے اپنا نام ہی کافی ہے۔ وہ نام ہی سے ایسے خوف زدہ ہو جاتے ہیں جیسے کوا غلیل سے خوف زدہ ہو جاتا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ہمارے مظالم اور انتقامی ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر بھی گردن نہ جھکانے والا شخص ہمیں اور ہماری وزارت کو کچھ نہیں سمجھتا ہے....... یہ لوگ صرف ذاتی شہرت اور اخبارات کے لئے خبریں بنوانے کی خاطر جیلوں کے دورہ پر جایا کرتے ہیں۔ ایک ٹکے کا قیدی کو فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ الشاان کے انتظار میں قیدی بھوکے مرتے ہیں کیونکہ جب یہ شہرت کے بھوکے سیاستدان واپس جاتے ہیں تب جیل کا کھانا تقسیم ہوتا ہے اور دھوپ میں بیٹھے قیدی بارکوں میں واپس جاتے ہیں۔

رمضان المبارک کے معمولات

رمضان المبارک رحمتوں اور برکتوں اور سعادتوں والا وہ مہینہ ہے جس میں نوافل کا ثواب فرض کے برابر اور فرائض کا ستر گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس مقدس مہینہ سے قرآن کریم کا گہرا تعلق ہے اور خود قرآن کریم میں اس کا تعارف ہی اس طرح کرایا گیا ہے کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جس قدر دنیا بھر میں مسلمان قرآن کی تلاوت و سماعت ان ایام میں کرتے ہیں شائد پورا سال اتنی نہ ہوتی ہو رات کو تراویح پڑھنے اور دن کا روزہ رکھنے والے کیسی کیسی روحانی لذت اور کیف و سرور سے فیض یاب ہوتے ہیں اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ اس عاجز کو گزشتہ دو سالوں سے یہ شرف نصیب ہو رہا ہے کہ ماہ مبارک میں روزانہ پینتیس چالیس پارے کی تلا ت کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کارکنوں کے بیسیوں خطوط کے جوابات تحریر کرنا اور دیگر معمولات وظائف کی تکمیل کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔

امسال یہ خصوصیات سابقہ سال کی نسبت زیادہ نصیب ہوئیں کہ تراویح میں دو قرآن کریم اور تہجد میں چار قرآن کریم کا شرف نصیب ہوا اور ویسے 29 قرآن کریم ختم کئے یعنی کل 35 قرآن کریم تلاوت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

فقیہ العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہ العالی کی طرف سے تصوف کے سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت

ماہ مبارک کے لمحات خوب تلاوت ذکرواذکار کے معمولات میں گزر رہے تھے اٹھائیسویں شب کو دوسری مرتبہ قرآن کریم کا تراویح میں ختم ہوا تو اگلے روز باہر

سے محمد ساجد صاحب کے خط کے ذریعے معلوم ہوا کہ کراچی سے برادر مکرم مولانا محمد احمد مدنی مدظلہ نے فون کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ نے ۲۷ ویں شب کو اس عاجز کے لئے خلافت کا اعلان فرمایا ہے اور اپنے دست مبارک سے ایک خط تحریر فرما کر تصوف کے سلاسل اربعہ میں بیعت لینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ اس عظیم سعادت سے بڑی مسرت بھی ہوئی لیکن بار بار اپنی نااہلی کا استحضار اور طبعی طور پر بالکل ہی اپنے اندر ایک واضح تبدیلی کا احساس ہونے لگا۔ چنانچہ الحمدللہ حضرت الشیخ کی توجہ کی بدولت اس نسبت کے باعث میں اپنے آپ کو اب پہلے سے بہت مختلف محسوس کرتا ہوں۔

کہاں میں اور کہاں وہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی

جونہی کارکنوں کو اس کی خبر ہوئی تو روزانہ درجنوں خطوط میں بیعت کرنے کا اصرار ہونے لگا...... مگر میں اب تک خود کو اس کا اہل نہیں سمجھ رہا ہوں بلکہ یہ عزم ہے کہ حضرت الشیخ کی خدمت میں باضابطہ کچھ وقت گزار کر اپنے گناہوں سے تائب ہو کر اپنی اصلاح کی کوشش کروں گا بعد میں جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا وہ ہوگا۔

عبدالستار عاجز جیسے ایماندار شخص کا محکمہ جیل سے اخراج

کسی بھی حکومت اور محکمہ کی کامیابی کا انحصار اس کے ذمہ داران و اہلکاران کی ایمانداری اور دیانتداری پر ہے امانت' ہمدردی' عدل و انصاف' سچائی اور خوف خدا ایسے رہنما اصول ہیں کہ ان پر عمل پیرا ہونے والی قوم اور جماعت کبھی بھی ناکامی کا منہ نہیں دیکھتی ہے..... مگر........ جب ان صفات اور بنیادی اصولوں کو کوئی قوم اجتماعی طور پر گم کردے پھر تباہی و بربادی اس کا مقدر ٹھہرتی ہے۔ آج بدقسمتی سے

ہماری قوم اور حکمران طبقے کا کثیر حصہ نہ صرف ان اوصاف سے محروم ہو چکا ہے۔ بلکہ وہ بالکل ان کے بر عکس اخلاق رذیلہ اور بد ترین عادات کا خوگر بن چکا ہے ایسی حالت میں اگر کہیں کوئی ایماندار شریف اور خوف خدا رکھنے والا شخص اس بات کی کوشش کرتا بھی ہے کہ وہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں اور کرپشن کی تباہ کاریوں کو ختم کردے تو نہ صرف اس شخص کو قدم قدم پر پریشان کیا جاتا ہے بلکہ اسے ایک ناسور قرار دے کر اپنے محکمہ سے نکال باہر کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔

آج کل تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی سیاستدان یا رکن اسمبلی حکمرانوں کی ہر ناجائز و غلط پالیسی کو ملک و قوم کے لئے خوشحالی کا باعث اور ترقی کی ضامن قرار دے کر اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے شروع کردے اور حکمرانوں کی سراسر احمقانہ اور ژولیدہ فکر پر مبنی آراء کو وقت کی ضرورت اور کامیابی کا راز بتا کر واہ واہ کے ڈونگرے برسانے لگ جائے تو اسے نہ صرف مشیر خاص بنالیا جاتا ہے بلکہ کچن کیبنٹ میں اسے اہم مقام بھی مل جاتا ہے۔ چاہے وہ بذات خود کتنا ہی گھٹیا کردار کا مالک' قومی خزانے کا سب سے بڑا چور اور دشمن ملک کا ایجنٹ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بر عکس اگر کوئی صاحب کردار' روشن ضمیر' ایماندار اور ملک و قوم کا بہی خواہ حکمرانوں کو صحیح مشورہ دے ان کے غلط فیصلوں پر تنقید کرے' وطن عزیز کی ترقی و خوشحالی کی خاطر حکمران طبقہ کو سادگی اپنانے اور عیاشی و فضول خرچی سے باز آنے کی تلقین کرے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ کہے تو پھر ایسے شخص کے لئے "ایوان" میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ اسے جب تک جیل کی کال کوٹھڑی میں ٹھونس کر ملاقات پر پابندیاں نہیں لگائی جاتیں اور بد ترین انتقام کا نشانہ نہیں بنایا جاتا اس وقت تک حکمران کو سکون نہیں ملتا۔

جیل کا محکمہ بھی آج کل اپنی کرپشن' لوٹ مار' ظلم و ناانصافی کے اعتبار سے

کسی دوسرے محکمہ سے پیچھے نہیں ہے۔ اس کی تفصیلات آپ صفحات گزشتہ میں پڑھ چکے ہوں گے، مگر اس محکمہ میں ایک نام "عبدالستار عاجز" ایسا تھا کہ جس کے سامنے آتے ہی ایک متقی، پرہیزگار، پابند شرع، دیانتدار، سچے اور کھرے انسان کا پیکر ذہن کی تختی پر نمودار ہو جاتا تھا...... مجھے عاجز صاحب کے ساتھ اڈیالہ جیل میں دو مرتبہ چھ چھ ماہ رہنے کا موقع ملا ہے۔ عاجز صاحب کی بعض بے جا سختیوں یا بعض پالیسیوں سے اختلاف رہا ہے اور ان سے بعض اوقات تلخی بھی ہوئی..... مگر...... دیانتداری کے ساتھ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس جیسا نیک پارسا، دیانتدار اور کرپشن کا دشمن میں نے نہیں دیکھا۔ وہ جس جیل میں گئے وہاں کا بگڑا ہوا ماحول ایسا بنانے میں کامیاب ہوئے کہ منشیات کے عادی مجرم بھی چھ کلمے اور نماز باترجمہ یاد کر لیتے تھے۔ جیلوں میں مساجد کی تعمیر اور قیدیوں کو دینی تعلیمات سے آراستہ کرنا قیدیوں کے کھانے کی اصلاح اور جملہ مسائل کے حل میں وہ ید طولیٰ رکھتے تھے...... مگر...... جب انہیں سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ سے ترقی دے کر ڈی آئی جی کا عہدہ دیا گیا تو انکی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر جیلوں کے نظام کی اصلاح اور مظلوم و غریب قیدیوں سے ہونے والے ناروا سلوک کے خاتمہ کی بجائے انہیں ہی اس محکمہ سے خارج کر دیا گیا۔

مجھے ان کے ایک ساتھی غلام سرور للوانی صاحب ڈی آئی جی جیل خانہ جات نے ۲۶ دسمبر ۱۹۹۸ء کو اٹک جیل کے دورہ پر بتایا کہ عاجز کا قصور یہ تھا کہ انہیں افسر بالا نے یہ کہا کہ فلاں جیل کی تعمیرات کے لئے جو فنڈ مخصوص پڑا ہے اسے وہاں کی بجائے میرے دفتر کی آرائش و زیبائش پر لگا دیا جائے۔ عاجز صاحب نے اس بات سے انکار کر دیا اور پھر یہ کشمکش اس قدر طول پکڑ گئی کہ عبدالستار عاجز جیسے عظیم شخص ہی کو اس محکمہ سے فارغ کر کے ایک دوسرے فرضی اور عارضی محکمہ میں بھیج دیا گیا۔ آج کل وہ خدمت کمیٹیوں کے محکمہ کے سیکرٹری یا ڈپٹی سیکرٹری ہیں جو عدالت عالیہ کے فیصلہ کے

مطابق سراسر غیر قانونی محکمہ ہے اور جس کا نہ کوئی سیکرٹریٹ ہے نہ ہی کوئی کام ہے۔

یہ بات قابل افسوس نہیں تو اور کیا ہے کہ صبح و شام احتساب کا نعرہ لگانے اور کرپشن کا خاتمہ کر کے صاف و شفاف نظام رائج کرنے کے دعویدار حکمران ایمانداروں اور دیانتداروں کے ساتھ اچھوتوں والا سلوک روا رکھے ہوئے ہیں اور کرپٹ اور خوشامدی نالائق افراد کو اہم عہدوں پر فائز کر رہے ہیں۔ جبکہ شیخ سعدیؒ کے بقول ایسا نہیں ہو سکتا۔

محال است کہ ہنر منداں بمیرند
و بے ہنراں جائے ایشاں گیرند

یہ ناممکن ہے کہ ہنر مند لوگ مرجائیں اور نالائق لوگ ان کے مناصب پر بیٹھ کر کامیاب ہو جائیں۔

خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ پر ہمارے وارڈ کی تلاشی

ہمارے ملک میں یہ بات زبان زد عام و خاص ہے کہ ملک میں جس قدر سیاسی انقلابات' تحریکیں یا بڑے واقعات رونما ہوتے ہیں یا بلند پایہ سیاستدان و حکمران دہشت گردی کا شکار ہوتے ہیں تو اس میں خفیہ ایجنسیوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن ایجنسیوں کے وجود کا مقصد وطن عزیز کی حفاظت' خفیہ دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہی اور جرائم پیشہ افراد کا کھوج لگانا ہے آخر وہ اپنے فرائض منصبی سے ہٹ کر حکومت مخالفین کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ جاتی ہیں؟ کہیں محب وطن اور حق گو سیاستدانوں اور علماء حق کے ٹیلی فون ٹیپ کئے جا رہے ہیں تو کہیں ڈاک خانہ میں آنے والی ڈاک سنسر ہو رہی ہوتی ہے۔ کہیں خفیہ آلات سے گھریلو نجی گفتگو ریکارڈ کی جا رہی ہوتی ہے تو کہیں سفر و حضر میں تعاقب ہو رہا ہوتا ہے۔ خصوصاً

جیل میں آنے کے بعد میرے ساتھ تو عجیب معاملہ ہے خواہ بچوں سے ملاقات ہو یا جماعت کے ذمہ داران سے یہ "کراما" کاتبین" ضرور مسلط ہوں گے بلکہ اب تو باضابطہ ہوم سیکرٹری اجازت نامہ پر نوٹ لکھتے دیتے ہیں کہ سپیشل برانچ اور دیگر ایجنسیوں کی موجودگی میں ملاقات کرائی جائے۔ بے نظیر صاحبہ کے دور میں ملاقات کرانے کی جگہ پر خفیہ آلات نصب کردیئے گئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ جس قدر توانائیاں اور صلاحیتیں ایجنسیاں ہمارے خلاف صرف کرتی ہیں اگر وطن عزیز میں تخریب کاری' دہشت گردی اور آئے دن ڈکیتیوں' قتل و غارت گری میں مصروف مجرموں کے لئے صرف کی جائیں تو کیا یہ ملک امن و آشتی کا گہوارہ نہیں بن جائے گا۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ بات قابل افسوس ہے کہ خفیہ ایجنسیوں میں گھسے ہوئے بعض متعصب افراد ایسی ایسی پھلجھڑیاں چھوڑتے ہیں اور حکمرانوں کو ایسی ایسی خوفناک سازشوں سے آگاہ کرتے ہیں کہ ان کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں اور حقیقت میں ہوتا کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسے ہی اکثر و بیشتر حکام بالا کو یہ رپورٹیں بھجوائی جاتی ہیں کہ فلاں ملک کے اتنے تخریب کار فلاں صوبہ یا فلاں شہر میں پہنچ گئے ہیں۔ فلاں جماعت کے اجلاس میں فلاں شخص اور مخالف کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب آپ کسی ملک سے آنے والے تخریب کاروں کے نام تک بتا دیتے ہیں اور انہیں پاکستان میں داخل ہوتے بھی دیکھ لیتے ہیں تو گرفتار کیوں نہیں کراتے ہیں۔ ہمیں بار ہا حکومت کی طرف سے لیٹر ملے کہ آپ کو قتل کرنے کے لئے اتنے کمانڈوز آگئے ہیں۔ آپ محتاط ہوجائیں تو ہمیں بتانے سے قبل وہ کمانڈو پکڑے کیوں نہیں جاتے۔ پھر سب سے زیادہ قابل افسوس بات یہ ہے کہ اگر کہیں بالفرض ان ایجنسیوں کی رپورٹ کے عین مطابق حادثہ پیش آجاتا ہے تو پھر وہ اپنی رپورٹ کے مطابق ان افراد کو گرفتار کیوں نہیں کراتی ہیں۔ مثلاً" ۱۵ جنوری ۱۹۹۷ء کو کوٹ لکھپت جیل کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ شیخ اعجاز قادر نے

مجھے اور قائد محترم حضرت مولانا ضیاء الرحمان فاروقی شہید "کو انٹیلی جنس بیورو کا وہ ایک خط دکھایا کہ جس میں لکھا تھا کہ " قائدین سپاہ صحابہ کو قتل کرانے کا تحریک جعفریہ نے ایک میٹنگ میں فیصلہ کرلیا ہے "اب جبکہ اس خط کے ٹھیک تیسرے روز سیشن کورٹ کا سانحہ پیش آگیا تو پھران ایجنسیوں نے چپ کیوں سادھ لی۔ کیونکہ حکومت کو مشورہ نہیں دیا کہ اس سانحہ کے اصل ذمہ دار تحریک جعفریہ کے فلاں فلاں لیڈران کو گرفتار کرلیا جائے۔

آج کل ایجنسیوں کا یہ حال ہے کہ ان کے اہلکار اخبارات پڑھ کر اندازوں اور قیاسوں کے گھوڑے دوڑا کر پھر ایک رپورٹ تیار کر کے حکومت کو بھیج دیتے ہیں کہ فلاں فلاں شخص کی جان کو خطرہ ہے اور ہر ایک دو ماہ بعد جیل حکام کو اس طرح کے خطوط مل جاتے ہیں مجھے گزشتہ چار سال میں دسیوں مرتبہ یہ تجربہ ہوا کہ جیل حکام نے وہ خطوط دکھائے جن میں تحریر ہوتا کہ مولانا اعظم طارق کو قتل کرنے کے لئے تین چار کمانڈو جیل میں داخل ہو چکے ہیں۔ اب جیل حکام کو مصیبت پڑجاتی وہ میری حفاظت کے نام پر مجھ پر سخت ترین پابندیاں لگانا شروع کردیتے ہیں اور جیل میں تھوڑی بہت جو آزادی ملی ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اب نہ کسی کو میرے پاس پھٹکنے دیتے ہیں اور نہ ہی مجھے کسی سے ملنے کی اجازت ہوتی ہے اٹک جیل میں تو اس قدر خوف و ہراس پیدا کیا گیا کہ جیل کے گیٹ پر مشین گنیں تک فٹ کردی گئیں۔

یکم فروری ۱۹۹۹ء جمعۃ المبارک کی شام کو میں افطاری کی تیاریوں میں مصروف تھا دوسرا ساتھی پکوڑے بنانے اور سالن تیار کرنے میں منہمک تھا کہ اچانک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطاء محمد صاحب' اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ راجہ خادم حسین و اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ ملک محمد اسلم صاحب' چیف چکر لتر شاہ اور جیل کے کئی اہلکار آدھمکے۔ میں نے ان کے اس بے وقت آنے پر پوچھا خیریت تو ہے؟ جواب ملا کہ بہت

ایمرجنسی ہے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بھیجا ہے کہ آپ کے وارڈ قاسم بلاک کی تلاشی لینی ہے مجھے اس پر سخت تعجب بھی ہوا اور غصہ بھی آیا کہ آخر یہ کیا مذاق ہے؟ میں گزشتہ ایک سال سے اس جیل میں ہوں کبھی بھی ہم نے غیر قانونی قدم اٹھایا نہ قابل اعتراض کوئی چیز اپنے پاس رکھی ہے پھر ہماری ملاقات ہی بند ہے ہمارے پاس کیا آ سکتا ہے۔ نگران کا اصرار بڑھتا گیا اور مجھے ایک ذمہ دار نے علیحدہ لے جا کر کہا... آپ کو کیا بتائیں ہمیں تو آپ پر بالکل اعتماد ہے مگر ایجنسیوں نے حکام بالا کو رپورٹ کی ہے کہ مولانا اعظم طارق کے پاس موبائل ٹیلی فون ہے اور ناجائز اسلحہ ہے۔ ہمیں یقینی طور پر یہ خبر ملی ہے کہ ڈویژنل سطح کے پولیس اور انتظامیہ کے افسران بھی آنے والے ہیں تو ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ان سے قبل ہی ہم اپنی تسلی و اطمینان کے لئے تلاشی کر لیں اس وقت یہ افسران سخت پریشان بھی تھے کہ ہم آپ کے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ میرے ساتھی نے بھی اس پر سخت احتجاج کیا مگر میں نے کہا کہ اب آپ مکمل تلاشی ہی لیں۔ چنانچہ ایک گھنٹہ تک پورے وارڈ کی ایک ایک چیز کی تلاشی لی گئی اور بستروں' کپڑوں' سبزیوں' برتنوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا گیا جب ایک سوئی بھی برآمد نہ ہوئی تب تمام افسران سخت ندامت اور شرمندگی کے ساتھ واپس ہوئے اگلے روز مجھے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بلا کر معذرت کی اور کہا ہم کیا بتائیں کہ ہمیں کس قدر وثوق اور یقین سے کہا گیا تھا کہ ان کے پاس فلاں فلاں چیزیں ہیں میں نے کہا بات صرف اعتماد کی ہے آپ نے آج تک اعتماد کیا تو ہم نے آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی اب آپ نے بد اعتمادی کی ہے تو شرمندگی بھی آپ کو ہوئی ہے ہم تو سرخرو ہو گئے۔

وزیر اعظم کی آمد سے قبل بم دھماکہ اور سپاہ صحابہ کے تین نوجوان اس الزام میں پولیس کے ہاتھوں قتل

۳ جنوری ۱۹۹۹ء رمضان المبارک کی پندرھویں شب کو تراویح سے فارغ ہو کر ریڈیو بی بی سی لندن سے خبریں سنیں تو معلوم ہوا کہ لاہور میں رائے ونڈ کے قریب اس پل پر بم دھماکہ ہوا ہے جس سے ڈیڑھ گھنٹے بعد وزیراعظم کو گزرنا تھا موقعہ سے تین نعشوں کے ٹکڑے ملے ہیں جو عیسائی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں ان ہلاک ہونے والے افراد کے سائیکل پل سے ایک طرف کھڑے تھے۔ اس صورت حال سے بظاہر عقلاً" یہی بات نظر آتی تھی اور پولیس افسران نے بھی اس کو قرین قیاس قرار دیا کہ یہ لوگ دراصل پل کے نیچے بم فٹ کر رہے تھے کہ دھماکہ ہو گیا اور وہ خود اس کا شکار ہو گئے اور یہ کاروائی راء کے ایجنٹوں کی طرف سے کرائی گئی ہے۔ حکومت نے باضابطہ ہندوستان سے اس کا احتجاج بھی کیا۔ مگر چند ہی روز بعد اس واقعہ کو ایک نیا رخ دیا گیا کہ واقعہ لشکر جھنگوی کے سالار ریاض بسرا کی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا پھر چند روز بعد پنجاب پولیس کے سربراہ نے اعلان کیا کہ ہم نے اس دھماکہ کے اصل ملزمان پکڑ بھی لئے ہیں۔ حیرانی اس بات پر ہوتی ہے کہ آخر واقعہ ایک ہے اور اس کے شواہد کچھ اور بتا رہے ہیں مگر اس واقعہ کو لے جایا کسی اور طرف جا رہا ہے۔

تاہم غالب گمان یہ تھا کہ حکومت جب ان گرفتار شدگان کو صحافیوں کے سامنے یا ٹیلی ویژن پر پیش کرے گی یا جب وہ عدالتوں میں آئیں گے تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔ حقائق کو زیادہ دیر تک جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر ۳۱ جنوری کے اخبارات سے علم ہوا کہ یہ تین نوجوان پشاور کے نور گل خان قصور کے محمد ارشد (برادر قائد سپاہ صحابہ سٹوڈنٹس عبدالوہاب راشد) اور ان کے ایک عزیز سرفراز جو پولیس کی تحویل میں تھے جن پر وزیراعظم کو قتل کرنے کا الزام لگایا گیا تھا پولیس کے اہلکاروں کے ہاتھوں گولیوں کا نشانہ بن گئے ہیں یہ خبر تمام محب وطن افراد

اور صاحبان عقل و فہم اور ارباب دانش و بصیرت کے لئے حیرت کا موجب تھی کہ اتنے بڑے واقعہ کے اگر حقیقی مجرم پولیس نے گرفتار کرلئے تھے تو پھر ان کی تو حفاظت کرنا چاہئے تھی تاکہ عدالت میں معاملہ پہنچتا اور اتنی بڑی سازش کا پردہ چاک ہوتا۔ دنیا کے سامنے یہ حقیقت واشگاف ہوتی کہ کون سی طاقت و قوت نے ان نوجوانوں کو وزیراعظم صاحب کے قتل کے لئے استعمال کیا ہے..... مگر........ اس ثبوت ہی کا خاتمہ کردینا تو اس بات کی دلیل ہے کہ حکومت اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے پولیس نے اپنی فرضی داستان اور من گھڑت افسانہ کے تحفظ کے لئے تین قیمتی بے گناہ اور معصوم جانوں کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔ پنجاب پولیس کا یہ کوئی پہلا کارنامہ نہیں ہے۔ ایسے کارنامے وہ گزشتہ چھ ماہ سے سرانجام دے رہی ہے جہاں کہیں کوئی سانحہ رونما ہوتا ہے وہ فوراً وہاں سے دو چار بے گناہ نوجوان گرفتار کرلیتی ہے اور پھر چند روز تک خوب اخبارات میں تشہیر کرتی ہے کہ ہم نے اصل ملزم پکڑ لئے ہیں اور اسلحہ کے انبار ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں مگر عدالت میں ان ملزموں کو پیش کرنے سے قبل ہی پولیس مقابلہ میں "پار" کردیا جاتا ہے۔ پولیس کی طرف سے ماورائے عدالت قتل کے ان واقعات نے جہاں عوام کے دلوں میں خوف و دہشت اور پولیس کے خالف نفرت پیدا کردی ہے وہاں خود پولیس کا امیج بھی تباہ ہو کر رہ گیا ہے اور دنیا بھر میں پاکستانی پولیس بدنام ترین ادارہ اور عوام کی قاتل و عدل و انصاف کی باغی فورس کی نظر سے دیکھی جارہی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خود پولیس کے نوجوان اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کیونکہ ان کا ضمیر نہ صرف انہیں اس ظلم پر ملامت کرتا ہے بلکہ ان پر ہر وقت یہ خوف مسلط رہتا ہے کہ کہیں کوئی شخص یا گروہ اپنے بے گناہ ساتھیوں کے ماوراء عدالت پولیس مقابلہ میں ہلاک کئے جانے کا بدلہ ان سے نہ لینے آجائے۔

پولیس کے ادارہ کو جسے عوام کا محافظ کہا جاتا ہے آج عوام کا قاتل بن کر خود اپنی عزت و آبرو کو داؤ پر لگا دینا موجودہ حکمرانوں کا بہت بڑا جرم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت پولیس کو بدنام کرکے خود پولیس کے جوانوں پر ظلم کر رہی ہے اور اپنے راستے میں کانٹے بو رہی ہے اسے اس وقت ڈرنا چاہئے جب وہ اقتدار کے بالا خانوں سے اترے گی تو کوئی حکمران انہیں بھی اسی طرح کے پولیس مقابلہ کی بھینٹ چڑھانے کا حکم دے رہا ہوگا۔

از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو زجو

جیل میں چھٹی عید.... رویئت ہلال کمیٹی کا کارنامہ

مسلمانوں کے لئے سال میں دو مرتبہ عید کے ایام جن خوشیوں اور مسرتوں کا پیغام لاتے ہیں اس سے کون ناواقف ہو سکتا ہے مسرت و شادمانی کے ان مواقع پر لوگ دوسرے ممالک اور دو دراز کے شہروں سے اس طرح اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں جیسے شام کو پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف آتے ہیں عید کی خوشیاں دوبالا کرنے کے لئے اپنے عزیزوں بچوں اور بہن بھائیوں کے ساتھ یہ ایام گزارنا ہر چھوٹے بڑے کی خواہش ہوتی ہے..... لیکن...... قیدیوں کی عید بھی عجیب ہوتی ہے نہ کپڑے پہننے کو جی چاہتا ہے نہ کھانوں کی رغبت ہوتی ہے ایک ایک مرحلہ پر دوستوں اور بچوں کے چہرے آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اور آزاد فضاؤں کے نظاروں کا تصور کرکے آنکھیں برسنے لگ جاتی ہیں۔

میں نے اس خوشی کے دن قیدیوں کو جس قدر پریشان دیکھا اور مسرت و شادمانی کی گھڑیوں پر اسیروں کو جیسے زار و قطار روتے پایا اس کا اندازہ باہر کی فضاؤں

میں سانس لینے والے لگا ہی نہیں سکتے ہیں۔ جیل میں صاحب ثروت حضرات بھی نئے کپڑے ہونے کے باوجود نہیں پہنتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے کپڑے کیوں نہیں پہنے...... تو......... وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہتے ہیں ہم کس کے لئے کپڑے پہنیں۔ ہم آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگائیں تو....... کس کے لئے؟ ہمارے لئے تو عید پیغام مرگ ہے اور آج کا دن تو دکھوں اور پریشانیوں کے علاوہ زخموں پر نمک چھڑکنے کے مترادف ہے........... مگر الحمدللہ میں نے جہاں تک مجھ سے ہوسکا ہر ہر جیل میں سپاہ صحابہ کے ساتھیوں کو عید کے موقع پر جب یہ بات سنائی کہ آؤ آج ہم ملکر یہ اعلان کریں کہ ہم اپنی زندگی کی ایک اور خوبصورت عید امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت و ناموس کے لئے قربان کرتے ہیں........ تو........ رب محمد ﷺ کی قسم اس بات پر ہر ساتھی کا چہرہ اس طرح مسکرا اٹھا جیسے گلاب کا پھول کھل رہا ہو۔ اس لئے ہم نے ہر عید کا دن خوب مسرت و خوشی کے ساتھ گزارا۔ ہمیں اپنی اسیری پر فخر و ناز ہونے لگا اور بے بسی کی حالت میں عید گزارنے پر دل گرفتہ ہونے کی بجائے ہم بارگاہ ایزدی میں سجدہ تشکر بجالائے کہ اس نے ہمیں خدمت دین کا موقعہ مرحمت فرمایا ہے۔ یہ بات دراصل انسان کی سوچ پر مبنی ہے کہ وہ ایک خوشی یا غمی کے لمحہ کو کس نظر سے دیکھتا ہے اگر ہر غمی کا وقت اللہ کی رضاء سمجھ کر گزار لیا جائے اور خوشی کے موقع پر بارگاہ ایزدی میں سجدہ شکر بجالایا جائے تو انسان افراط و تفریط کا شکار نہیں ہوتا ہے۔ جیل میں یہ میری چھٹی عید تھی۔ عید الفطر کے موقع پر ہمارا معمول یہ ہوتا ہے کہ ہم چاند رات کو کھیر پکاتے ہیں جس پر ہمارے دو تین گھنٹے صرف ہوتے ہیں کیونکہ چھوٹے سے سیل میں کوئلوں کی انگیٹھی پر اچھا خاصہ وقت لگ جاتا ہے۔ گرچہ ہم کل دو ساتھی ہیں...... مگر........ کھیر ہم اتنی پکاتے ہیں کہ عید کا سارا دن جیل ملازمین اور دیگر عید ملنے والے قیدیوں کو شام تک کھلانے سے بھی ختم نہیں ہوتی ہے۔

بلامبالغہ ہم پندرہ سے اٹھارہ کلو تک دودھ استعمال کرتے ہیں....... مگر اس سال رویت ہلال کمیٹی والوں نے جس طرح پورے ملک کی عوام کو پریشان کیا اس طرح ہمیں بھی پریشانی ہوئی۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں رویت ہلال کا مسئلہ بھی ہر سال سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھتا رہتا ہے۔ ہمارے حکمرانوں نے اس کمیٹی میں بھی ایسے نااہل اور سفارشی بھرتی کر رکھے ہیں جو نہ شرعی تقاضوں سے باخبر ہیں نہ ہی ان کی جسمانی ساخت اور اپنی آنکھوں کی بینائی درست ہوتی ہے جنہیں اپنی گھڑی کی سوئیاں نظر نہیں آتی ہیں وہ چاند دیکھنے کے لئے چیئرمین بنا دیئے جاتے ہیں۔ اور جن کی اپنی گواہی بھی شرعی طور پر قابل قبول نہیں ہے وہ لوگوں کی شہادتوں کا معیار پرکھتے ہیں تمام تر جدید مواصلاتی نظام کے باوجود سورج غروب ہونے کے چھ چھ گھنٹے بعد تک ہم چاند کو تلاش کرتے پھرتے رہتے ہیں۔ جب ملک کے ہر حصے سے مرکزی کمیٹی تک خبر پہنچانے کے لئے صرف ایک منٹ خرچ ہوتا ہے تو پھر پانچ سو منٹوں تک قوم کو اضطرابی کیفیت میں مبتلا رکھنا چہ معنی دارد؟

بہرحال اس سال بھی رات ساڑھے دس بجے یعنی غروب آفتاب کے ساڑھے پانچ گھنٹے بعد اعلان ہوا کہ صبح عید ہے تب ہم نے بھی سکھ کا سانس لیا اور کھیر پکانا شروع کر دی۔ اگلے روز اپنے ہی وارڈ میں جیل ملازمین اور کچھ مخصوص قیدیوں کے ہمراہ عید پڑھی۔ کیونکہ ہزار مطالبوں اور خواہشوں کے باوجود جیل کی مسجد میں عید پڑھنے کی اجازت نہ ملی تھی اور پھر سارا دن عید ملنے اور ایک دوسرے کو مبارک سلامت کی دعائیں دینے میں گزر گیا۔

عید کے موقع پر حافظ حبیب الرحمان اور محمد ساجد نے باہر سے ہمارے لئے رنگ برنگے مزیدار کھانے بجھوائے جن سے عید کی خوشیاں اس لحاظ سے بھی دوبالا ہو گئیں کہ کئی مستحق حضرات کو بھی ہم نے اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھالیا۔ باہر سے عید

کی صبح ہی نئے سلے ہوئے کپڑے پہنچ گئے تو اپنے ایک دو مرتبہ استعمال شدہ جوڑے کچھ مستحق ساتھیوں کو پہنا کر حقیقی خوشی ہوئی۔ ادھر ہزاروں ساتھیوں نے خوبصورت عید کارڈ بھیج کر بھی عید سے قبل ہی عید مبارک کہنے کا فریضہ سرانجام دے لیا تھا۔

کمشنر راولپنڈی اور ڈی آئی جی پولیس کا آدھی رات کے وقت دورۂ جیل اور باہم گفتگو

۲۲ جنوری ۱۹۹۹ء (عید کے چوتھے روز) رات ساڑھے دس بجے مجھے اپنے سیل کے باہر بوٹوں کی چاپ سنائی دی تو خیال ہوا کہ کوئی ملازم ملنے آیا ہے۔ اس اثناء میں آواز سنائی دی کہ مولانا کو بتائیں کہ مرزا محمد علی ڈی آئی جی پولیس آیا ہے۔ مرزا صاحب سے پرانی شناسائی اور دیرینہ دوستی ہونے کے باعث ان کی آواز میں نے پہچان لی اور سیل ہی سے جواب دیا کہ میں کپڑے تبدیل کر کے آرہا ہوں۔ چنانچہ جب اپنے سیل کے دروازہ سے پردہ اٹھایا تو سامنے مرزا محمد علی صاحب کے علاوہ عبدالرؤف صاحب کمشنر راولپنڈی اور ڈپٹی کمشنر صاحب اٹک و ایس ایس پی صاحب موجود تھے۔ سلاخوں کے درمیان سے ہاتھ ڈال کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے...... تو...... انہوں نے کہا آج اٹک آنا ہوا تھا میں نے کہا مولانا سے ملتے جائیں کیونکہ ہمارا دیرینہ تعلق ہے۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا آپ کو تو یاد ہو گا کہ جب آپ فیصل آباد کے ڈی آئی جی تھے تو کس طرح قائد محترم حضرت فاروقی شہید" اور میں خود آپ کے دفتر اور گھر بھی آیا کرتے تھے۔ حضرت قائد شہید" کے تذکرہ پر جانبین سے آنکھیں بھیگ گئیں اور ان کے حالات و اخلاق پر بات شروع ہو گئی۔ ان حضرات نے میری گرفتاری پر بھی بات کی...... تو...... میں نے کہا کہ آپ اگر حکومت کے نمائندوں کی

حیثیت سے آئے ہیں تو پھر بے شک حکومت کو بتادیں کہ محض تقاریر کے بے بنیاد اور نہایت ہی بوگس قسم کے مقدمات کے تحت مجھے جیل میں رکھ کر وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں........ مجھے تو اس میں اپنے فائدہ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا ہے۔ جب ہمارا موقف حق ہے اور آپ اس بات کو خود جانتے اور مانتے ہیں کہ شیعہ کی طرف سے اصحاب رسول، ازواج مطہرات، امہات المومنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خلاف انتہائی دل آزار اور گستاخی پر مبنی لٹریچر اس قدر شائع ہو رہا ہے کہ حکومت پنجاب نے ہمارے ثبوت پیش کرنے کے باعث ۲۷ کتب شیعہ پر پابندی عائد کردی ہے۔ تو ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ کتب کے مصنفین و ناشرین کے خلاف آخر ایسا قانون کیوں نہیں بنایا جاتا ہے جس سے اول تو انہیں ایسی بکواس تحریر کرنے کی جراءت ہی نہ ہو اور اگر یہ ہفوات وہ شائع کرادیں تو پھر ان کی باقی زندگی کم از کم جیل ہی میں گزرنی چاہئے ورنہ اصل سزا تو سزائے موت ہونی چاہئے۔ اس پر کمشنر صاحب نے کہا واقعی حکومت پنجاب کی طرف سے ہمیں ایسی کتب کی لسٹ مل گئی ہے کہ انہیں ضبط کیا جائے اور آپ کا مؤقف بالکل بجا ہے جب تک دل آزار لٹریچر اور تحریر و تقریر پر پابندی نہیں ہوگی اس وقت تک شیعہ سنی فسادات کا خاتمہ ممکن نہیں ہے۔ کمشنر صاحب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر حکومت کو آپ حضرات کیوں قائل نہیں کرتے........ اور...... ان سے کیوں نہیں کہتے کہ جناب!...... سپاہ صحابہ کی لیڈر شپ کو پابند سلاسل کرنے کی بجائے ان کے جائز مطالبات کو پورا کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ ہماری کون سنتا ہے میں نے کہا جناب! ایسی بات نہ کریں یہ آپ حضرات ہی کی سن کر ہمیں جیلوں میں ڈالتے ہیں جو کچھ آپ حضرات نے کہنا ہے عمل اس پر ہونا ہے حکومت کی آنکھیں، کان اور دماغ آپ ہی ہیں اور جب آپ حضرات ایک چیز کو درست تسلیم کرتے ہیں تو پھر اسے حل کرائیں۔

اس دوران لشکر جھنگوی کی بات چل پڑی..... تو........ میں نے کہا آپ لشکر جھنگوی کو تقویت دینے اور تازہ کمک پہنچانے میں جب تک مصروف ہیں اس وقت تک ہم کیسے تسلیم کریں کہ آپ لشکر جھنگوی کے خاتمہ کے لئے مخلص ہیں اور شیعہ سنی فسادات کی جڑ کاٹنا چاہتے ہیں۔ میری اس بات پر تمام افسران دم بخود رہ گئے اور گھبرا کر کہنے لگے مولانا! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ بھلا ہم کیسے لشکر جھنگوی کو تقویت پہنچا رہے ہیں؟

میں نے کہا جناب والا لشکر جھنگوی اشتہاریوں اور مفروروں کا ایک گروہ ہے جب آپ حضرات معمولی معمولی مقدمات کے الزامات کے باعث سپاہ صحابہ کے نوجوانوں کے گھروں پر بذریعہ پولیس چھاپے مار کر انہیں گھروں سے بھاگنے اور فرار کی زندگی اختیار کرنے پر مجبور کرتے رہیں گے اس وقت تک آپ جان لیں کہ لشکر جھنگوی کو تازہ افرادی قوت ملتی رہے گی۔ اگر آپ لشکر جھنگوی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں تو آپ سپاہ صحابہ کی قیادت کو موقع دیں کہ وہ معمولی معمولی مقدمات کے تحت مطلوب نوجوانوں کو آپ کے ذمہ دار ایماندار افسران کے سامنے تفتیش کے لئے پیش کرے پھر وہ اپنی بے گناہی ثابت کر کے باعزت گھروں میں واپس آئیں یا اپنے قصور کی تھوڑی بہت سزا جھیل کر باعزت رہا ہوں۔ اس طرح سپاہ صحابہ کی قیادت کو یہ موقع دیں کہ وہ ملک بھر میں عموماً" اور پنجاب بھر میں خصوصاً" شہر شہر بستی بستی تربیتی کنونشنوں اور جلسوں و کانفرنسوں کے ذریعہ کارکنوں کی ذہن سازی کرے اور انہیں بتائے کہ شیعہ سے ہماری دلائل کی لڑائی ہے اور ہم قانونی و آئینی جدوجہد کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ قتل و غارت گری سے مسائل حل ہونے کی بجائے الٹا سنگین شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ہماری اس مسلسل کوشش سے نوجوانوں کی فکری تربیت ہو گی، تو قتل و غارتگری کا سلسلہ رک جائے گا۔ میری ان تجاویز سے ان افسران نے سو

فیصد اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ ہم کل ہی حکومت تک آپ کا یہ موقف پہنچائیں گے اور کوشش کریں گے کہ حکومت اس پر عمل کرے.........

مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے گیارہ ساتھیوں کی جیل آمد

ہمارے ملک میں قانون کا مذاق جس بری طرح سے خود قانون کے محافظ ادارے اڑاتے ہیں اور قانون کے نام پر قانون کی پامالی اور عوام کی عزت و آبرو کو خاک میں ملاتے ہیں شاید دنیا میں اس کی مثال ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ جب بھی کوئی قتل' ڈکیتی یا چوری وغیرہ کا واقعہ پیش آتا ہے تو پولیس کا فرض ہے کہ وہ خود موقعہ پر جاکر تحقیق کرے اور پھر حقائق کے مطابق ایف آئی آر درج کرے۔ بالفرض اگر مدعی اپنی مرضی سے بھی ایف آئی آر تیار کرکے درج کرانے پر مصر ہے تو کم از کم اتنا تو دیکھ لیا جائے کہ آیا جن لوگوں پر الزام لگایا جارہا ہے ان کا اس جرم میں ایک فیصد بھی ملوث ہونا ممکن ہے۔ مگر یہاں ایسی اندھیر نگری ہے کہ ایک شخص اگر آکر کہتا ہے کہ جناب یہاں سے ہزار میل دور بیٹھے ہوئے شخص نے ایک گھنٹہ قبل کلاشنکوف سے فائرنگ کرکے میرے ساتھی کو قتل کیا ہے تو اس کی ایف آئی آر لفظ بہ لفظ اس انداز میں درج کرلی جاتی ہے اب اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے ایک طرف تو سراسر بے گناہ لوگ گرفتار کرکے سالہا سال جیلوں کے مہمان بنا دیئے جاتے ہیں اور پھر بسیار کوشش و خواری کے بعد وہ بری ہوکر گھروں کو لوٹتے ہیں۔ دوسری طرف غلط ایف آئی آر کے اندراج کے باعث اصل قاتل' ڈاکو اور چور قانون کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔

ایسا ہی ایک واقعہ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۸ء کو جھمٹ ضلع اٹک میں پیش آیا فجر کے وقت اندھا دھند فائرنگ سے تین شیعہ قتل کردیئے گئے۔ اب مدعی حضرات نے اپنے قریبی

ایسے سنی رشتہ داروں کو اس سانحہ میں نامزد کر دیا جن کی عمریں ساٹھ سے لیکر سو برس تک ہیں جن میں سے بعض بزرگوں نے زندگی بھر کلاشنکوف کی شکل تو کیا شاید نام بھی نہیں سنا۔ مزید ظلم یہ کہ اس وقت جھمٹ سے بیسیوں میل دور جنڈ شہر کے مدرسہ سراج العلوم میں نماز فجر کی امامت کرنے والے مولانا نواب الحسن صاحب صدر جمعیت علماء اسلام ضلع اٹک کو بھی نامزد کیا گیا کہ انہوں نے فائرنگ کر کے ہمارے آدمی قتل کئے ہیں۔

مجھے خود ڈپٹی کمشنر صاحب اٹک نے اس واقعہ کے ساڑھے تین ماہ بعد بتایا کہ مدعی حضرات نے ایف۔ آئی۔ آر میں چوبیس افراد کو نامزد کیا تھا۔ ہمیں بالکل علم تھا کہ حملہ صرف موٹر سائیکل پر سوار دو نوجوانوں نے کیا ہے اس لئے ہم آخر دم تک مدعی حضرات کو قائل کرتے رہے کہ وہ چوبیس افراد کو نامزد کرنے کی بجائے تعداد کم کریں۔ بالآخر انہوں نے چودہ افراد کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی۔

ڈی سی صاحب سے یہ تفصیلات سن کر میں نے حیرت سے کہا کہ جب آپ جیسے ضلع کے ذمہ دار افسر کو بھی معلوم ہے کہ مدعی غلط ایف آئی آر کٹوا رہا ہے تو آپ نے اس موقع پر انکار کیوں نہیں کیا؟ اگر وہ وقت مناسب نہ تھا تو پھر جب تک آپ مکمل تفتیش نہ کر لیتے آپ کو کسی شخص کو گرفتار نہیں کرنا چاہئے تھا مگر ہوا یہ کہ پولیس نے چودہ نامزد بزرگ اور بوڑھے حضرات کو بے گناہ یقین کرتے ہوئے بھی گرفتار کرنے کے لئے وہ وہ حربے آزمائے اور ایسی دہشت طاری کی کہ گھروں میں گھس گھس کر عورتوں بچوں کو ہراساں و پریشان کیا اور چادر و چار دیواری کا تقدس پائمال کرنے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی...... تو .... مجبورا" مولانا نواب الحسن صاحب کی معیت میں کل بارہ بزرگوں نے گرفتاری پیش کر دی ان میں ۱۹۹۲ء میں شیعہ کے ہاتھوں شہید ہونے والے صدیق عمر شہید کے دادا' والد اور چچا بھی تھے اور پروفیسر محمد

اقبال' ماسٹر شہاب الدین اور ان کے والد بابا محمد خان' حاجی نواب صاحب' حاجی محمد خان' بھائی اسلم اور فتح محمد خان شامل ہیں۔

چنانچہ ایک ماہ تک ان حضرات کو تھانہ جنڈ کی حوالات میں رکھا گیا اور تفتیش کی جاتی رہی پولیس افسران نے تمام حضرات کو بے گناہ قرار دے کر ضمنیوں میں صاف صاف اس واقعہ سے غیر متعلق بھی لکھ دیا..... مگر....... ان حضرات کو جیل بھی بھیج دیا یہ حضرات عید الفطر کے چوتھے روز اٹک جیل آئے تو انہیں ہم سے الگ بارک نمبر ۹ میں بند کر دیا گیا۔ بڑی تگ و دو کے بعد ان حضرات سے ہفتہ میں ایک مرتبہ جمعہ کے روز ملنے کی اجازت حاصل ہوئی تاہم مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے ایک دو رفقاء کو کبھی کبھی کچھ وقت کے لئے ہمارے پاس آنے کی اجازت تھی۔

شوال ذیقعدہ اور نصف ذوالحجہ اڑھائی ماہ ان حضرات کی معیت میں روزانہ یا دوسرے تیسرے روز ملاقات کا موقع ملتا رہا اور خوب مجلسیں جمتی رہیں۔ جمعہ کے روز تمام بزرگ آجاتے تو ان کے اصرار پر خوب علمی تقاریر ہوتیں۔ جن کی تیاری کئی کئی روز تک کی جاتی تھی۔ بعد میں ان تقاریر سے "خطبات جیل" کے نام سے مرتب کی گئی تیرہ تقاریر پر مشتمل کتاب کا ایک ایڈیشن اس وقت تک شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکا ہے۔ مولانا نواب الحسن صاحب چونکہ میرے دورہ حدیث شریف کے ساتھی ہیں اور جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی سے ہم دونوں فارغ التحصیل ہیں وہ سپاہ صحابہ کے کام کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء اسلام کے بھی سرگرم رہنما ہیں تو ان سے جمعیت اور سپاہ صحابہ کے مابین پیدا شدہ غلط فہمیاں دور کرنے اور فاصلوں کو قربت میں تبدیل کرنے پر باتیں ہوتی رہتیں۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ اس وقت جب کہ آج محرم الحرام کی ساتویں شب ہے ان حضرات کو بے گناہ قرار دیئے جانے کے باوجود رہا نہیں کیا گیا ہے اور وہ جرم بے

گناہی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔

کب فلک کو یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

پنجاب حکومت کے پیغام کے ساتھ سپاہ صحابہ کے وفد کی ملاقات

۲۴ فروری بدھ کے روز دوپہر ایک بجے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل ملک عطاء محمد صاحب نے اطلاع دی کہ تیاری کریں آپ کی ملاقات آئی ہے۔ مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ میری ملاقات پر کون حضرات آئے ہیں؟ کیونکہ میری ملاقات تو بچوں سے بھی چار یا چھ ماہ بعد کرائی جاتی ہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بتایا کہ ہمیں ہوم سیکرٹری صاحب اور آئی جی جیل خانہ جات کی طرف سے فیکس موصول ہوا کہ 'آپ کی جماعت کے مرکزی قائدین پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ جب ڈیوڑھی میں پہنچا تو وہاں سپاہ صحابہ کے قائم مقام سرپرست اعلیٰ خلیفہ عبدالقیوم صاحب' مرکزی جنرل سیکرٹری ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں صاحب' صوبہ پنجاب کے صدر مولانا محمد احمد لدھیانوی صاحب' مرکزی خزانچی مولانا عبدالغنی صاحب تشریف فرما تھے۔ ان حضرات نے بتایا کہ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۸ء کو لاہور میں احتجاجی مظاہرہ کے خلاف حکومت کے اوچھے ہتھکنڈوں' سینکڑوں علماء و طلباء و کارکنوں کی گرفتاریوں کے بعد ہم لوگ تو کافی مسائل کا شکار ہوگئے تھے۔ کئی مہینوں تک ساتھیوں کی رہائی کی کوششیں ہوتی رہیں اور ملک بھر میں جلسوں' کانفرنسوں کا سلسلہ جاری رہا۔ حکومت سے خیر کی توقعات بالکل ختم ہوگئی تھیں اور سب ساتھی بارگاہ ایزدی میں اپنی فریادیں سنانے اور اس عدالت عالیہ میں اپنی اپیل کرچکے تھے۔ اور مایوسی انتہاء کو پہنچ چکی تھی کہ یکایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات پیدا ہوئے ہیں کہ جو حکمران ہمیں ملاقات کا وقت تک دینے کو تیار نہ تھے اب

ان کی طرف سے لگا تار اصرار ہونے لگا کہ ہم سے ملاقات کریں۔ تب ہم نے جماعت کی شوریٰ کا اجلاس بلا کر فیصلہ کیا کہ ملاقات کر لینی چاہئے۔ چنانچہ چاروں صوبوں کے رہنماؤں پر مشتمل ایک وفد وزیر اعلیٰ پنجاب سے ملا اور انکے سامنے ان کی زیادتیوں اور قائدین سپاہ صحابہ کی سالہا سال سے قید و بند کی سزاؤں اور حکومت کے انتقامی رویوں پر کھل کر باتیں کیں۔ ہماری تفصیلی باتیں بڑی غور سے وزیر اعلیٰ پنجاب اور بالا حکام نے سنیں پھر ہم نے ان سے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ انصاف کا انداز اپنائیں اور بے گناہ قیادت کو رہا کر دیں تو ملک میں قیام امن کے لئے ہمارا تعاون آپ کو حاصل ہوگا۔ تفصیلی گلے شکوے اور ظلم کی داستان سن کر وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نے کہا...... آپ نے ساری باتیں کی ہیں۔ مگر اصل بات تو کی نہیں ہے؟ جب ہم نے حیرت سے پوچھا کہ وہ کیا؟ تو انہوں نے کہا صوبہ پنجاب میں شیعہ سنی فسادات اور قتل و غارتگری کے خاتمہ کے لئے لشکر جھنگوی کی کاروائیوں کو ختم کرانے کی بات...... اس پر ہم نے کہا کہ نہ ہمارا لشکر جھنگوی سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ ہم سے صرف سپاہ صحابہ کی بات کی جائے یا ثابت کریں کہ ہمارا قتل و غارتگری سے کوئی تعلق ہے یا آپ ثبوت دیں کہ لشکر جھنگوی سے ہمارا خفیہ رابطہ ہے کیونکہ لشکر جھنگوی کے امیر ملک اسحاق و غلام رسول شاہ اور درجنوں عہدیدار آپ کے پاس زیر حراست ہیں۔ آپ نے ان کی بار بار تفتیش کرائی ہے کیا آپ کو کوئی ایسا ثبوت ملا ہے کہ جس کی بنا پر آپ سپاہ صحابہ اور لشکر جھنگوی کو ایک سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اس کا جواب انکے پاس بالکل نہیں تھا تو انہوں نے کہا بہر حال وہ لوگ کسی زمانہ میں آپ کے ساتھی تھے آپ ان سے رابطہ کر کے انہیں قائل کریں کہ وہ قتل و غارتگری، دہشت گردی سے باز آجائیں۔ اس پر وفد کے ارکان نے کہا ہم ملک میں امن کے قیام کی خاطر لشکر جھنگوی کے ان افراد سے (جو جیلوں میں آپ کی تحویل میں ہیں) مل کر انہیں

ضرور قائل کرنے اور ان کے پیروں پر اپنی پگڑیاں تک رکھنے کو تیار ہیں تاکہ وہ تعاون کریں........ لیکن......... آپ ہماری قیادت کو بے گناہ جاننے اور یقین کرنے کے بعد اب رہا کر دیں۔ اس پر وزیراعلیٰ نے کہا پہلے آپ اپنے قائدین اور لشکر جھنگوی کے امیر سے ملاقات کریں پھر دوسری باتیں ہوں گی۔ یوں آج ہم اولاً آپ کی ملاقات پر آئے ہیں اور اس سلسلہ میں مشورہ کے خواہاں ہیں۔ میں نے ان حضرات سے کہا جہاں تک ملک میں امن کے قیام کی بات ہے ہم اس سلسلہ میں پہلے بھی یکطرفہ تعاون کرتے رہے ہیں آئندہ بھی کریں گے۔ مگر جہاں تک لشکر جھنگوی سے ملاقات کی بات ہے تو آپ حضرات کو یہ کام اپنے ذمہ نہیں لینا چاہئے تھا۔ کیونکہ لشکر جھنگوی کے امیر حکومت کے پاس ہیں اور حکومت آئے دن ان کے ساتھیوں کو پولیس مقابلوں میں ہلاک کر رہی ہے۔ لہٰذا اب خود حکومت ہی کو ان سے بات کرنا چاہئے تھی تاہم آپ نے اب وعدہ کرلیا ہے تو آپ ضرور ملک اسحاق صاحب سے ملیں اور ان سے کھل کر حکومت کا موقف بیان کریں اور اپنی طرف سے بھی قیام امن کے لئے تعاون کرنے پر انہیں آمادہ کریں پھر ان کی طرف سے جو جواب ہو وہ لفظ بہ لفظ تحریر کر کے حکومت کو پہنچادیں۔

جہاں تک ہماری رہائی کی بات ہے' میں حکومت کو اس سلسلہ میں بالکل مخلص و آمادہ نہیں سمجھتا ہوں۔ بلکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس ملاقات اور آپ کی دوسری ملاقاتوں کی تفصیلی رپورٹ اس ملاقات کے فوراً بعد سامنے بیٹھے انٹیلی جنس بیورو' سپیشل برانچ اور سی آئی ڈی کے اہلکاروں کی وساطت سے حکام کو مل جائے گی...... پھر وہ آپ کو دوبارہ ملاقات کا شاید وقت بھی نہ دیں چنانچہ وفد کے یہ ارکان مجھ سے ملکر ابھی اٹھے بھی نہیں تھے کہ بذریعہ سپرنٹنڈنٹ صاحب انہیں فوراً یہاں سے ملتان جیل پہنچنے کا حکم ملا کہ کل وہاں ملک اسحاق صاحب سے ملاقات کریں حالانکہ

انکا پروگرام کل میانوالی جیل میں قائد محترم علامہ علی شیر حیدری مدظلہ سے ملنے کا تھا۔ چنانچہ وفد کے ارکان نے ملتان جیل میں لشکر جھنگوی کے امیر سے ملاقات کی' لشکر جھنگوی کے بارے میں حوصلہ افزاء رپورٹیں خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ حکومت کو مل چکی تھیں لہٰذا اب حکمرانوں نے دوبارہ وفد کے ارکان کو ملنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی اور ایک مرتبہ پھر وعدہ خلافی کا ثبوت دیا۔

ڈی آئی جی جیل خانہ جات کا دورہ جیل' تیاریاں اور خواریاں

عیدالفطر کی چھٹیاں گزار کر سپرنٹنڈنٹ صاحب اور عملہ واپس آ چکا تھا ان کا خیال تھا کہ ماہ رمضان المبارک کی تھکاوٹ اتارنے اور عید پارٹیوں میں شریک ہونے کا خوب موقع ملے گا مگر اچانک لاہور سے پیغام آگیا کہ ۲۶ فروری کو مفتی سرفراز صاحب ڈی آئی جی جیل خانہ جات سالانہ دورہ پر آئیں گے۔ اس اطلاع نے تو جیل کے حکام اور عملے کا خون منجمد کر دیا ان کے سارے خواب ادھورے رہ گئے اور آرزوئیں' تمنائیں دل ہی دل میں دم توڑ گئیں۔ جیلوں کا سالانہ دورہ بے شک متعلقہ جیل کے حکام پر بھاری ہوتا ہے..... مگر جیل کی عمارت اور صفائی ستھرائی اور قیدیوں کے مسائل کے حل کے لئے اس دورہ کی بڑی اہمیت ہے۔ قیدیوں کو ایسے دورہ جات ہمیشہ مہنگے ہی پڑتے ہیں کیونکہ جیل کے رنگ و روغن اور مرمت و ٹیپ ٹاپ کے لئے جیب بھی انہی کی خالی ہوتی ہے اور سارا کام بھی دن رات ایک کرکے انہوں نے ہی کرنا ہوتا ہے۔

اٹک جیل ۱۹۰۶ء میں تعمیر ہونے کے باعث اس وقت ۹۳ سال کی عمر رکھتی ہے اور اسکا حال بالکل اس بوڑھی عورت جیسا ہے کہ جسے جتنا بھی میک اپ کرا کر دلہن بنانے کی کوشش کی جائے مگر اس کے بڑھاپے کے آثار اور چہرے کی جھریوں اور

جسمانی کمزوریوں کو چھپایا نہیں جاسکتا۔

اگرچہ یہ سالانہ دورہ جیل حکام کی کارکردگی جانچنے کا ایک اہم بہانہ ہوتا ہے افسران اور عملہ شاباش کے حصول کے لئے خوب محنت کرتا ہے۔ مگر یہاں سب سے زیادہ پریشانی حکام کو یہ تھی کہ دورہ پر آنے والے ڈی' آئی جی مفتی صاحب کی لغت میں شاباش کا لفظ ہی نہیں ہے پانچ فٹ قد اور سمارٹ جسم کے عمر رسیدہ مگر چاق و چوبند مفتی صاحب ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار افسر ہیں جس طرح ان کا جسم پھرتیلا اور انتھک ہے اس طرح ان کا ذہن بھی نہایت تیز معاملہ فہم اور معمولی معمولی خامیوں کی گرفت کرنے والا ہے خاص طور پر صفائی ستھرائی کے معاملہ میں وہ بہت ہی حساس ہیں کہیں سگریٹ کا بجھا ہوا ٹکڑا یا درخت کا گرا ہوا پتہ بھی نظر پڑ گیا تو پھر متعلقہ حکام کی خیر نہیں ہے چنانچہ جیل حکام نے کچی دیواروں کی لپائی کرنے اور چونے اور رنگ و روغن سے جیل کو چمکانے' ٹوٹی ہوئی جیل کی اندرونی گلیوں کو درست کرنے کے علاوہ رنگین بورا بچھا کر مثل رنگین قالین کے زمین کی سطح کو باغ و بہار بنا کر جیل کا حلیہ بالکل بدل کر رکھ دیا۔ ایک ماہ تک قیدیوں پر کمبختی مسلط رہی سارا سارا دن صفائی' گارا مٹی کا کام' ٹوٹی دیواروں کی از سرنو تعمیر کا سلسلہ شد و مد سے جاری رہا۔ ادھر "مفتی صاحب" کو سلامی دینے کے لئے باقاعدہ فوج سے ایک انسٹرکٹر بلوا کر چاق و چوبند نوجوان ملازموں کو پریڈ کی مشق کرائی جاتی۔ جیل کے یہ اہلکار سارا سارا دن پسینہ میں شرابور ہو کر "سلامی" کی تیاریاں کرتے رہتے کیونکہ "مفتی صاحب" فوج میں ایک عرصہ گزار کر اس محکمہ میں آئے ہیں اور "سلامی" کے رموز و اسرار سے بخوبی واقف ہیں۔

خدا خدا کر کے ۲۶ فروری کو جب "مفتی صاحب" جیل کے سامنے پہنچے تو انہیں سلامی دی گئی۔ "سلامی" کا انداز مفتی صاحب کو بالکل پسند نہ آیا تو انہوں نے سلامی لینے سے انکار کر دیا اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پر اپنا غصہ جھاڑنا شروع کر دیا اور موقعہ

پر ہی ”کاشن“ دینے والے ملازم کو معطل کر دیا۔ اس صورت حال نے جیل حکام کے پسینے چھڑا دیئے اور وہ تھر تھر کانپنے لگ گئے اب جیل کا دورہ شروع ہوا تو بس یوں معلوم ہو رہا تھا کہ قیامت آگئی ہے۔ ہمیں ملازم آ آ کر بتا رہے تھے کہ ڈی آئی جی صاحب بہت گرم ہیں اور جگہ جگہ جیل حکام کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ کبھی وہ چکر میں پانی کی ٹینکی پر چڑھ جاتے ہیں اور کبھی چلتے چلتے اچانک گھوم کر قیدیوں کے کارڈ چیک کرنے لگ جاتے ہیں، کبھی بارکوں کی لیٹرینوں میں داخل ہو کر جائزہ لیتے ہیں کبھی پانی کی ٹوٹیوں کو کھولنے اور بند کرنے لگ جاتے ہیں۔ تین گھنٹوں کے مسلسل دورہ کے بعد اب ”پریڈ ہوشیار“ کی آوازیں ہمارے وارڈ قاسم بلاک کے قریب سنائی دینے لگیں تو یقین ہوا کہ اب ”مفتی صاحب“ بمعہ لاؤ لشکر قاسم بلاک میں وارد ہونے والے ہیں چنانچہ کچھ دیر بعد وہ قاسم بلاک کا باہر والا گیٹ کراس کر چکے تھے اور سامنے تعمیر شدہ پانی کی ٹینکی پر ان کی نظر پڑی تو فوراً سوال داغ دیا کہ اس میں کتنا پانی آتا ہے؟ اب بے چارے حکام کیا بتائیں کہ اس میں کتنے گیلن پانی سما جاتا ہے پھر کئی اور الٹے پلٹے سوالات کر کے وہ اندر ہمارے پاس آئے تو سلام کرنے بعد پوچھا مولانا کیا حال ہے؟ اب میں نے جواب دیا کہ جناب میرا حال تو بالکل ٹھیک ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ آپ کے جانے کے بعد جیل کے حکام اور قیدی ضرور بیمار ہو جائیں گے۔ میری بات سن کر کہنے لگے وہ کیوں؟ میں نے کہا ایک ماہ سے یہ لوگ دن رات ایک کر کے آپ کو سلامی دینے اور بوڑھی جیل کو جوان کرنے میں مصروف ہیں۔ مگر سنا ہے آپ نے آج خوب ان کی خبر لی ہے اگر آپ نے انہیں شاباش نہ دی تو پھر ضرور یہ لوگ مایوسی کا شکار ہوں گے۔ انہوں نے بات بدلتے ہوئے کہا آپ بتائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟ میں نے کہا کہ آپ یہ فرمائیں کہ آپ میرے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ کیا آپ مجھے ملاقات، نماز با جماعت اور جمعہ کی سہولتیں دے سکتے ہیں تو مسکرا کر کہنے لگے

یہ تو میرے اختیار میں نہیں ہیں تو میں نے کہا پھر میں صرف آپ کا شکریہ ہی ادا کر سکتا ہوں...............اور وہ چلے گئے!

خطبات جیل کی تالیف

مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کی جیل آمد پر حکام اس حد تک اجازت دینے کو تیار ہو گئے کہ آپ جمعہ کے روز ان بزرگوں کو اپنے پاس بلوالیا کریں۔ چنانچہ ہر جمعہ کے روز ظہر کی نماز کے بعد شیعہ کے باطل عقائد پر نمبروار تقاریر کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جس سے خود مجھے شیعہ کی مستند کتب کا مطالعہ کرنے اور رد شیعیت میں اکابرین کی تالیف کردہ نایاب کتب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع مل گیا۔ بعض احباب نے ان تمام تقاریر کو ٹیپ بھی کرلیا جو کہ جیل اور پھر مجھ پر سخت ترین پابندیوں کے باوجود ایک ناممکن بات تھی..... مگر....... جب نیت نیک اور حوصلے بلند ہوں تو پھر تاریکیوں میں بھی چراغ روشن ہو جایا کرتے ہیں۔ یہ تقاریر قارئین کے لئے ایک عظیم نعمت ہیں۔ جو میری رہائی کے بعد عام طور پر دستیاب ہوں گی اور علماء محققین و طلبہ کے لئے عظیم سرمایہ ثابت ہوں گی۔ تقریباً" تیرہ چودہ عنوانات پر ایسی مدلل اور تحقیقی تقاریر جمعہ اور بعض دیگر مواقع پر ہوئیں کہ جن کا باہر کی دنیا میں تصور نہیں جاسکتا ہے۔اب خود مجھے اور کئی مخلصین کو احساس ہوا کہ ان تقاریر کو اگر کتابی شکل میں لایا جائے تو اس کا فائدہ اور زیادہ ہو گا اور کتاب کا وجود تو صدیوں تک رہنمائی کرنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کا نام لیکر ۹ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ بمطابق ۲۶ جولائی ۱۹۹۹ء جمعہ اور ہفتہ کی درمیان شب سے یہ کام شروع کردیا گیا چونکہ مجھے روزانہ دیگر معمولات کے علاوہ تقریباً" بیس سے پچیس کے درمیان اوسطاً" خطوط کے جوابات بھی تحریر کرنا ہوتے تھے۔ اس لئے میں نے مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے دو رفقاء پروفیسر محمد اقبال

صاحب و ماسٹر شہاب الدین صاحب کی خدمات حاصل کرلیں ان تینوں حضرات نے نہ صرف میرے ساتھ خطوط کے جوابات تحریر کرنے میں ہاتھ بٹایا بلکہ مختلف کتب سے درجنوں حوالہ جات نقل کرنے میں میری معاونت کی۔ ادھر مولانا نواب الحسن صاحب ہر تقریر کی تالیف کے بعد اسے اول تا آخر پڑھتے اور اغلاط کی تصحیح کے ساتھ ساتھ مفید اضافہ بھی فرماتے اور مشوروں سے نوازتے۔

چنانچہ صرف دس ایام میں سوا چار سو صفحات پر مشتمل کتاب کا مسودہ تیار ہوگیا اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ۱۱۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۹۹ء سے قبل یہ شائع ہو جائے تاکہ ان تاریخوں میں سپاہ صحابہ کے ملک گیر کنونشن منعقدہ جھنگ میں میری طرف سے کارکنوں کے لئے تحفہ کے طور پر پیش کی جاسکے۔ چنانچہ عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد صاحب شجاع آبادی' اٹک سے حافظ حبیب الرحمان' محمد ساجد اور جھنگ سے میرے سیکرٹری راشد محمود کی خصوصی کاوشوں اور سپاہ صحابہ کے مرکزی جنرل سیکرٹری ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں صاحب کی خصوصی توجہ سے یہ کتاب خوبصورت کتابت و طباعت کے زیور سے مرصع ہو کر مارکیٹ میں پہنچ گئی۔ فالحمدللہ علی ذالک O

اس کتاب کا انتساب میں نے اپنے شیخ فقیہ العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ کے نام کیا ہے کیونکہ حضرت کی توجہات و دعاؤں سے یہ عظیم کام تیزی سے تکمیل کے مراحل طے کرگیا۔

آخری مقدمہ سے ضمانت کی خوشخبری اور ایک نئے مقدمہ کی آمد جیل حکام سے احتجاج

اگرچہ گزشتہ آٹھ ماہ سے مجھ پر صرف تقاریر ہی کے چند مقدمات باقی تھے جو

بظاہر میری رہائی میں رکاوٹ تھے مگر مجھے اس بات کا بخوبی علم تھا اور حقیقت بھی یہی تھی میری تاحال اسیری کے اصل اسباب اور اس کے روحانی فوائد یا حکمتوں سے تو ذات باری تعالیٰ ہی آگاہ ہے اور اس کے حکم پر یہ سارا نظام چل رہا ہے تاہم عالم اسباب میں صورت حال یہ ہے کہ موجودہ حکمران کسی صورت بھی سردست میری رہائی پر آمادہ نہیں ہیں۔ ان پر کسی ملک کا دباؤ ہے یا وہ از خود مجھے ذاتی انتقام کا نشانہ بنا رہے ہیں ہر دو باتیں اپنی جگہ پر درست ہیں۔ حکمران میری رہائی کو بعض ایسی شرائط سے مشروط کئے ہوئے ہیں جن کا تسلیم کرنا کم از کم میرے بس میں نہیں ہے۔ میں ایسی آزادی سے اس اسیری اور قید تنہائی کو ہزار بار قبول کرتا ہوں جس کے عوض مجھ سے حق گوئی اور اسلام دشمن کے چہرہ سے نقاب اٹھانے کی جرات و جسارت چھین لی جائے یہ تو بہت بڑی شرائط ہیں اگر کوئی فرعون وقت صرف اتنی سی بھی شرط رکھ دے کہ باہر آکر صرف دس روز تک خاموشی اختیار کرنا ہوگی تو میری طرف سے ایسا بھی ممکن نہیں ہوگا۔

حکمرانوں کی بدنیتی اور ہٹ دھرمی کے باوجود میرے احباب عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کرتے رہے اور ایک ایک کرکے مقدمات کی ضمانتیں کرانے یا مقدمات ڈسچارج کرانے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ چنانچہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ ۱۱ مارچ ۱۹۹۹ء کو عصر کے بعد حافظ حبیب الرحمان کی طرف سے مبارک باد کا خط اور مٹھائی کا ڈبہ موصول ہوا۔ جس سے پتہ چلا کہ آخری مقدمہ سے بھی ضمانت ہوگئی ہے ایک دو روز میں اس مقدمہ کی ضمانت کی روبکار پہنچ جائے گی۔ اس خبر سے تمام احباب بے حد مسرور ہوئے اور مبارکبادیں دینے لگے۔۔۔۔۔۔ مگر میرے دل میں بار بار یہ خیال پیدا ہو رہا تھا کہ اس آخری مقدمہ سے نجات کے بعد بھی حکومت رہا نہیں کرے گی چنانچہ پندرہ روز تک روبکار کا انتظار ہوتا رہا..... مگر..... مظفر گڑھ سے دوبار

روبکار پوسٹ کئے جانے کے باوجود وہ اٹک جیل تک نہ پہنچی اور حیرت تو یہ ہے کہ اس وقت جبکہ یہ سطور قلم بند ہو رہی ہیں اس آخری مقدمہ کی ضمانت ہوئے ڈیڑھ ماہ ہو چکا ہے۔ اور مجھے اٹک جیل سے اولاً سینٹرل جیل فیصل آباد پھر ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد میں لا بٹھایا گیا ہے لیکن روبکار نہیں آئی ہے۔ یہ بات سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے کہ حکومت نے قصداً" روبکار رکوا رکھی ہے۔ دوسری طرف ۲۵ مارچ کو جیل حکام کی طرف سے معلوم ہوا کہ آپ پر تھانہ گجرات کا ایک مقدمہ تقریر کا ڈال دیا گیا ہے جب میں نے ان سے اصل کاغذات منگوائے تو معلوم ہوا کہ اس مقدمہ میں گرفتاری کے آرڈر گجرات کے درجہ اول کے مجسٹریٹ نے کئے تھے جبکہ اصولاً" اور قانوناً" یہ آرڈر اٹک کے ایڈیشنل سیشن جج یا مجسٹریٹ کی طرف سے ہونے ضروری تھے چونکہ گجرات تھانہ کی پولیس فروری ۱۹۹۲ء کے اس مقدمہ میں گرفتاری ڈالنے کے لئے اٹک کی عدالتوں میں چکر لگاتی رہی اور اسے عدالت سے جواب ملتا رہا کہ "مولانا کو پیش کریں ہم آرڈر جاری کرتے ہیں ورنہ نہیں" لٰہذا نہ مجھے عدالت میں پیش کیا جا سکتا تھا نہ ان کی مراد پوری ہو سکتی تھی چنانچہ انہوں نے جعل سازی سے کام لیکر اس مقدمہ سے ۱۳/۲۰/۶۵ کی دفعہ الگ کر کے صرف ۱۶ ایم پی او کی دفعہ کے تحت گجرات ہی سے آرڈر جاری کرا لئے۔ اب میں نے جیل حکام کو بلوا کر سخت احتجاج کیا اور انہیں ڈانٹا کہ آپ لوگ خلاف قانون مجھے مقدمات میں ملوث کر رہے ہیں اگر آپ نے اس مقدمہ کو واپس نہ لیا تو پھر میں نہ صرف آپ کے خلاف قانونی کاروائی کروں گا بلکہ میرے شدید احتجاج کا بھی آپ کو سامنا کرنا پڑے گا تب جیل حکام نے قانونی طور پر میری بات درست ہونے کے باعث مقدمہ واپس بھیج دیا۔ ادھر عیدالاضحیٰ بھی گزر گئی مگر مظفر گڑھ سے نہ روبکار آئی نہ رہائی کی بات بنی۔ عید کے تیسرے روز جب مجھے اٹک جیل سے فیصل آباد یہ کہہ کر روانہ کیا گیا کہ وہاں سے کل آپ کی رہائی ہے تو

ہمراہ گجرات کا مقدمہ بھی بھیج دیا گیا۔ جس میں دوبارہ گرفتاری ڈپٹی کمشنر اٹک کے حکم سے ڈالی گئی تھی۔ فیصل آباد سینٹرل جیل میں آکر تھانہ پسرور والے ۱۹۹۲ء کا ایک تقریر کا مقدمہ بھی ڈال گئے اور راولپنڈی سے بھی ایک مقدمہ پہنچ گیا ادھر عید کے تیسرے روز قائد سپاہ صحابہ علامہ علی شیر حیدری صاحب کو تمام مقدمات سے راتوں رات ضمانت لیکر ۳۱ مارچ کو رہا کردیا گیا جبکہ یہ عاجز جیل کا دال دلیہ جو قسمت میں لکھا ہے وہ کھانے میں مصروف ہے۔

عید الاضحیٰ کی ادائیگی اور بکرے کی قربانی

جیل میں یہ ساتویں عید تھی جو اپنے مشن کے لئے قربان کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ اکثر احباب کو تو انتظار تھا کہ یہ عید باہر ہوگی کیونکہ قانونی طور پر اب مجھے جیل میں رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا آخری مقدمہ کی ضمانت ہوئے اٹھارہ روز گزر چکے تھے........ مگر جو دن جیل کے قسمت میں لکھے ہیں انہیں کون کم کرسکتا ہے۔ تاہم اس عید پر ایک تو ذہنی طور پر زیادہ پریشانی نہیں تھی' کیونکہ مقدمات کا بوجھ جو فطرتاً" ذہن پر ہوتا ہے اس سے خلاصی مل چکی تھی اور ساتھ ساتھ حضرت مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کی معیت بھی حاصل تھی جس کی وجہ سے کافی رونق رہی۔ حسب سابق رات کو کھیر پکائی گئی اور صبح اپنے ہی وارڈ میں جیل حکام اور پچاس سے زائد قیدیوں نے ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھی۔ میں نے قربانی کے موضوع پر تقریر کی اور مولانا نواب الحسن صاحب نے نماز پڑھائی۔ اور خطبہ پڑھا۔ یوں عید کی نماز سے ہم لوگ فارغ ہوئے ادھر باہر حافظ حبیب الرحمان صاحب اور محمد ساجد صاحب نے میری طرف سے ایک بکرا خرید رکھا تھا جسے ذبح کراکر گوشت دن کے بارہ بجے تک جیل پہنچا دیا گیا۔ اسی دوران سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب کے گھروں سے بھی

پکا ہوا گوشت آگیا تھا یوں ہم تمام اسیران عیدالاضحیٰ کی اس خاص بابرکت نعمت خداوندی سے لطف اندوز ہوئے۔

دوسرے تیسرے روز باقی اسیران کے گھروں سے بھی بھنا ہوا گوشت آنا شروع ہوگیا جس کے باعث ہم لوگ پکانے کی زحمت سے بھی بچ گئے اور گھروں سے پک کر آئے ہوئے کھانے کی مہک سے بھی دل باغ باغ ہوگیا۔

جیل میں مجھے زہر دینے کی بھیانک سازش کا انکشاف اور جیل حکام کی احتیاطی تدابیر

۲۶ مارچ ۷ ذوالحجہ جمعہ کی شام روزانہ کے معمولات سے فارغ ہو کر بی بی سی کی آٹھ بجے شب کی خبریں سن کر بیٹھا ہی تھا کہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ اٹک جیل ملک عطاء محمد صاحب آگئے رات کے وقت ان کا یوں خلاف معمول آنا اس بات کا غماز تھا کہ کوئی اہم خبر لائے ہیں۔ انہوں نے سلام کے بعد خیریت معلوم کرتے ہوئے بار بار طبیعت کے بارے میں پوچھنا شروع کیا تو میں نے حیرت سے کہا کہ آپ آج اس قدر میری صحت کے بارے میں کیوں پریشان ہیں؟ تب انہوں نے بتایا کہ جھنگ سے آپ کے سیکرٹری راشد محمود کا فون آیا ہے اور وہ بہت گھبراہٹ کا شکار تھا اس نے بتایا کہ شیخ حاکم علی صاحب مرکزی صدر سپاہ صحابہ کو خفیہ ایجنسیوں کے اعلیٰ افسران سے علم ہوا ہے کہ تحریک جعفریہ نے پشاور کے ایک شخص "گل زمان" کو تین کروڑ روپے دیئے ہیں اور اس کا داماد "اختیار" نامی شخص یہاں جیل میں ہے جس کا آپ کے پاس گاہے بگاہے آنا جانا ہے اس کی وساطت سے آپ کو زہر دینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ صبح کو آپ کے لئے حافظ حبیب الرحمان کا خط بھی آجائے گا اور اس خبر سے ہمیں سخت پریشانی لاحق ہے۔

اگلے روز خود سپرنٹنڈنٹ صاحب ایک اہم لیٹر لیکر آئے جو مختلف ایجنسیوں کی رپورٹوں اور اعلیٰ حکام کے دستخطوں پر مشتمل تھا جس میں اس سازش کا تذکرہ تھا اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کا کہنا تھا کہ مجھے ساری رات نیند نہیں آئی۔ آپ خدا کے لئے اپنی جان پر رحم کریں اور ہمارے ساتھ تعاون کریں...... میں نے کہا جب آپ میری ذات کے لئے حفاظتی تدابیر اختیار کر رہے ہیں تو پھر میری طرف سے تعاون نہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے.... مگر..... مجھے اعتراض صرف اس بات پر ہے کہ ایک طرف حکومت خود ایسی اطلاعات دیتی ہے دوسری طرف قاتلوں اور تخریب کاروں کو اپنا حلیف بنا کر رکھے ہوئے ہے اور بیسیوں مقدمات میں نامزد ہونے کے باوجود گرفتار نہیں کرتی۔ سوال یہ ہے کہ مجھے تو تین کروڑ لینے والے کا نام تک بتایا جا رہا ہے مگر نہ اتنی رقم لے کر تخریب کاری کرنے والے کو پکڑا گیا ہے نہ تین کروڑ دینے والوں کو پوچھا جا رہا ہے کہ تم نے یہ رقم کہاں سے لی ہے اور پاکستان میں کیوں کر قتل و غارتگری جاری رکھنے پر مصر ہو اور اصل بات یہ ہے کہ میری حفاظت کے نام سے مجھے تنہا کرنا اور میرے جماعتی ساتھیوں کو بھی میرے پاس نہ آنے دینا کون سی دانشمندی ہے؟ ہمارے بارہ ساتھی بلاک نمبر۹ میں بند ہیں۔ اب حفاظتی تدابیر تو یہ ہیں کہ آپ ان کو میرے ساتھ رہنے کا موقع دیں مگر آپ چند ملازموں پر اعتماد کرتے ہیں جن کو کروڑوں تو کیا چند ہزار روپے سے بھی خریدا جا سکتا ہے...... بہرحال صورت حال "قہر درویش برجان درویش" والی تھی کہ میری ہی حفاظت کے عنوان پر مجھے ہی ذہنی و فکری طور پر پریشان کرنے کے لئے میرے ساتھیوں سے دن کے وقت بھی ملاقات کرنے کی سہولت سے محروم کر دیا گیا۔

ادھر ایس ایس پی اٹک کے پاس یہ خط پہنچا تو اس نے نہ صرف جیل کے اطراف میں پولیس کی نفری اور بڑھا دی بلکہ جیل کی ڈیوڑھی پر لائٹ مشین گن نصب

کرا کر چار چار پولیس اہلکاروں کی ڈیوٹی لگا دی۔ ان انوکھے اقدامات سے پوری جیل میں ایک دہشت اور خوف کا ماحول پیدا ہو گیا۔

ڈپٹی کمشنر اٹک کا طویل ملاقات میں عجیب انکشاف

۲۸ مارچ ۹ ذالحجہ کو عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ ڈپٹی کمشنر اٹک' سپرنٹنڈنٹ جیل کے ہمراہ قاسم بلاک پہنچ گئے۔ میں جب سے اٹک جیل میں آیا ہوں یہ پہلی باضابطہ ملاقات دن کے وقت ہو رہی تھی۔ ورنہ ایک دو مرتبہ افسران رات کے وقت آئے اور سلام کر کے چلے گئے.....یا......پھر جیل میں تو دن کے وقت آیا کرتے تھے........ مگر...... میرے پاس آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی...... آج ایسے لگ رہا تھا کہ ان کی آمد کا مقصد ہی مجھ سے ملنا ہے چنانچہ ان سے طویل نشست ہوئی۔ سیاسی حالات' سپاہ صحابہ کے موقف' اور مجھ پر قائم تمام مقدمات کے خاتمہ کے باوجود عدم رہائی کی حکومتی پالیسی پر تفصیلا" بات چیت ہوئی۔ اس دوران جہاں وہ ہمارے مشن و موقف کی لفظ بہ لفظ تائید کرتے رہے۔-----وہاں-----انہوں نے اس حقیقت سے بھی آگاہ کیا کہ آپ کی جان کو چونکہ سنگین خطرات لاحق ہیں اس لئے حکومت آپ کی حفاظت کے لئے آپ کو جیل میں رکھے ہوئے ہے۔ ان کے اس حیرت انگیز انکشاف پر میں نے زور دار قہقہہ لگایا اور کہا "حکومت کو میرے ساتھ اتنی محبت و چاہت ہو ہی نہیں سکتی ہے کہ اسے میری جان کے تحفظ کا احساس ہو بلکہ اسکے دل و زبان سے نامعلوم کتنی دعائیں نکل رہی ہوں گی..... کہ اللہ کرے یہ مر ہی جائے۔ تاہم اگر وہ میری حفاظت کرنے میں مخلص ہے تو پھر مجھے میرے گھر پر رکھا جا سکتا ہے۔ جتنی پولیس جیل کے باہر لگائی ہوئی اور ہے جیل کی ڈیوڑھی پر لائٹ مشین گن نصب ہے اس سے اگر چار گنا کم پولیس میرے گھر پر لگائی جائے تو سیکورٹی کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور ہم

بھی حکومت کے ممنون ہوں گے۔ عجیب بات ہے کہ میری جان کی حفاظت کے نام پر مجھے پنجاب کی آخری خستہ حال جیل میں رکھ کر میرے بچوں تک کو ملاقات سے محروم کیا ہوا ہے اور دنیا بھر کی زیادتیاں میرے ساتھ ہو رہی ہیں اگر اس کا نام حفاظت ہے تو پھر خود حکمرانوں کی جان کو بھی تو خطرہ ہے کیونکہ سپریم کورٹ کے فل بنچ کے سامنے ایڈووکیٹ جنرل چوہدری محمد فاروق نے یہ انکشاف کیا ہے کہ وزیراعظم و وزیراعلیٰ پنجاب اور ان کے خاندان کے بچے لاہور کے سکولوں سے ہٹا لئے گئے ہیں اور حکمرانوں کی جان کو سخت خطرہ ہے۔ لہٰذا میں آپ کے ذریعہ حکومت کو یہ مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی حفاظت کے لئے بھی کسی جیل کا انتخاب کرلیں کیونکہ اب حفاظت کا یہی طریقہ سب سے عمدہ رہ گیا ہے اور زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ان حکمرانوں کو میرے ہی پاس بھیج دیا جائے کیونکہ ادھر سیکورٹی کا انتظام پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس پر وہ بہت ہنسے اور تجویز تو اچھی ہے کہہ کر اٹھ گئے۔

قائد سپاہ صحابہ اور میری رہائی کی خوشخبری' جیل ملازمین اور اسیران کے جذبات

۳۰ مارچ ۱۱ ذوالحجہ کا دن بھی عید کا دوسرا روز ہونے کے باعث احباب سے ملاقاتوں اور گھروں سے آئی دعوتوں سے لذت کام و دہن کی نذر ہوا حسب معمول مغرب سے قبل ہم دونوں ساتھی اپنے سیل میں بند ہوگئے نماز مغرب پڑھ کر وظائف کی تسبیحات سے فارغ ہوکر کھانا کھایا اور بی بی سی ریڈیو کی خبریں سماعت کر کے نماز عشاء کے فرائض سے سلام ہی پھیرا تھا کہ ایک ملازم نے آواز دی میرے ساتھی مقصود نے اٹھ کر اس سے ملاقات کی تو اس نے بتایا کہ ابھی جیل میں حافظ حبیب

الرحمان کا فون آیا ہے کہ کل صبح قائد سپاہ صحابہ علامہ علی شیر حیدری صاحب رہا ہو جائیں گے اور کل یا پرسوں مولانا اعظم طارق صاحب کو فیصل آباد لے جاکر وہاں سے رہا کردیا جائے گا۔ یہ خوشخبری سن کر ساتھی بہت خوش ہوا اور میں نے بھی نوافل شکرانہ ادا کئے کچھ ہی دیر بعد ایک اور ملازم آیا اور مٹھائی کھلانے کا مطالبہ کیا جو ہمارے پاس اتفاقاً" عید کے باعث موجود تھی۔ چنانچہ تمام ڈیوٹی پر موجود ملازمین کا منہ میٹھا کرایا تو......... اس نے تفصیلات بتائیں کہ آج سپہر سپاہ صحابہ کا ایک وفد رائیونڈ میں میاں محمد شریف صاحب اور ان کے دونوں صاحبزادوں وزیراعظم نواز شریف اور وزیراعلیٰ شہباز شریف سے ملا ہے وہاں یہ فیصلہ ہوا ہے کہ کل قائد سپاہ صحابہ کو رہا کیا جائے گا اور ایک یا دو دن بعد آپ کی رہائی فیصل آباد سے ہو گی۔ اگلی صبح یہ خبر پوری جیل میں مشہور ہو چکی تھی۔ بارک نمبر۹ کے تمام بزرگ حضرات مولانا نواب الحسن صاحب کی معیت میں آئے اور مبارباد دی پھر ہمارے بہت ہی مخلص ساتھی عظیم نعت خوان عمر حیات' حافظ زاہد' حافظ عبدالقدیر' ہمارا مشفق بشیر احمد اور کئی ساتھی جوق در جوق آ آ کر مبارک باد دیتے رہے۔ اس اثناء میں مولانا نواب الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کی ملاقات آگئی یہ حضرات ملاقات سے جلد فارغ ہو کر واپس آئے نماز ظہر ادا کر کے سب نے مل کر کھانا کھایا اور خوب باتیں کیں۔ اس اثناء میں علم ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ صاحب آرہے ہیں۔ چنانچہ پونے چار بجے سپرنٹنڈنٹ کوکب ندیم صاحب' ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ملک عطاء محمد صاحب آئے اور الگ لے جاکر مجھے بتایا کہ آپ کو بذریعہ جہاز پنڈی سے فیصل آباد سے لے جایا جائے گا بس اپنا واجبی سا سامان پیک کرلیں باقی سامان آپ کو بعد میں بھجوا دیں گے۔ آپ آدھ گھنٹہ میں تیار ہو کر ڈیوڑھی میں آجائیں کیونکہ پولیس کی گاڑیاں اور افسران پہنچنے والے ہیں۔

اٹک جیل سے فیصل آباد روانگی...... جذبات و تاثرات

سپرنٹنڈنٹ صاحب فوراً تیار ہو کر ڈیوڑھی میں پہنچنے کو کہہ کر چلے گئے تو میں نے سیل میں داخل ہو کر ساتھیوں کو جونہی بتایا کہ بس اب روانگی ہونے والی ہے اور مجھے لینے کے لئے پولیس کی گاڑیاں آرہی ہیں آدھ گھنٹے بعد اس جیل کو خیرباد کہنا ہے تو تمام بزرگوں اور نوجوانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے جذبات مسرت سے مغلوب ہو کر مجھے گلے ملنا شروع کردیا۔ کیونکہ ایک طرف انہیں میری رہائی کی خوشی تھی تو دوسری طرف جدائی کا احساس ان کے چہروں کو پژمردہ بنائے ہوئے تھا میں نے جلدی سے ایک بریف کیس میں دو سوٹ پیک کئے کمبل ہمراہ لیکر جب میں قاسم بلاک کے اس بڑے گیٹ پر پہنچا جہاں اب تمام احباب کو الوداع کہنا تھا تو میرے سامنے وہ تمام مناظر آگئے اور وہ کیفیات لوح حافظہ پر نمودار ہوگئیں جو بیسیوں مرتبہ اس گیٹ پر رہا ہونے والے ساتھیوں کو الوداع کہتے ہوئے مجھ پر طاری ہوا کرتی ہیں۔ بحیثیت ایک کمزور انسان مجھے ہر ایسے موقعہ پر جب کوئی ساتھی رہا ہو کر مجھ سے بچھڑتا..... تو میرے دل میں خیال آتا کہ کبھی وہ دن بھی آئے گا جب میں بھی اس طرح یہاں سے رہا ہو کر جارہا ہوں گا..... مگر آج شاید وہ دعائیں قبول ہو چکی تھیں کہ مجھے میرے ساتھی اور اس وارڈ پر ڈیوٹی دینے والے ملازمین الوداع کر رہے تھے۔ اس گیٹ سے باہر نکل کر اب میں ڈیوڑھی کی طرف آرہا تھا تو میں نے ایک نظر جیل کے درو دیوار پر ڈالی جس کا ایک ایک ذرہ میری گزشتہ ساڑھے تیرہ ماہ کی اسیری کا رفیق تھا مجھے یاد آیا کہ جس روز ۱۰ فروری ۱۹۹۸ء کو صبح صبح اندھیرے میں ہی اڈیالہ جیل سے مجھے یہاں منتقل کیا گیا تھا تو اس وقت یہ جگہ مجھے کس قدر وحشت ناک اور اجنبی معلوم ہوتی تھی۔ جیل کی کچی دیواروں اور مٹی سے لیپی ہوئی کچی کوٹھڑیوں کو پہلی مرتبہ دیکھ کر ایسا

لگا تھا جیسے میں سو سال ماضی کی طرف الٹے قدموں لوٹ گیا ہوں۔ اب ایسی عمارتیں تو دیہاتوں میں بھی دیکھنے کو نہیں ملتی ہیں پھر اس جیل میں میری آمد احتجاج کی شکل میں ہوئی تھی تو مجھے شروع کے چار ایام سخت سردی کی سخت اذیت میں کاٹنا پڑے تھے مگر آج وہی جیل چھوڑتے ہوئے ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی پیارے اور خوبصورت محل سے جدائی ہو رہی ہے۔ انسان جہاں رہتا ہے وہاں کی اینٹوں اور مٹی سے بھی مانوس ہو جاتا ہے۔ ڈیوڑھی کے اندرونی گیٹ پر پہنچ کر جیل کی طرف نظر کی تو سینکڑوں قیدی سامنے کی چھوٹی دیوار کے پیچھے کھڑے نظر آئے جو ہاتھ ہلا ہلا کر سلام کر رہے تھے اور الوداع کہہ رہے تھے گو کہ مجھے عام قیدیوں سے ملنے کی اجازت نہ تھی لیکن الحمدللہ میری جیل میں موجودگی سے تمام قیدیوں کو کئی سہولیات نصیب ہوئیں اور ان کے بہت سے جائز مسائل حل ہوئے اور بے آسرا قیدیوں پر ڈھائے جانے والے مظالم کا دروازہ کافی حد تک بند ہوا ان سینکڑوں قیدیوں کا پرنم آنکھوں سے مجھے الوداع کہنا ان کی چاہت 'محبت خلوص اور پیار کا حقیقی ثبوت تھا۔

در و دیوار پہ حسرت سے نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں

سڑک اور فضائی سفر کے دوران خوشگوار تاثرات

اٹک جیل کی ڈیوڑھی میں داخل ہوا تو وہاں اے سی اٹک منتظر تھے۔ میں نے نماز عصر ادا کی اور اس اثناء میں ڈی ایس پی پولیس حسن ابدال سکندر خان' ڈی ایس پی پولیس پنڈی گھیب اور مجسٹریٹ اٹک سٹی چوہدری حبیب اللہ پہنچ گئے۔ جیل حکام نے میرے مقدمات اور ضمانتوں کی روبکاروں پر مشتمل ایک موٹی سی فائل ان افسران کے حوالہ کر کے دستخط لئے اور پھر مجھے پرتپاک انداز میں الوداع کہا۔ گیٹ کے باہر

آٹھ پولیس گاڑیوں پر مشتمل کاروان چاق و چوبند مسلح نوجوانوں کے ہمراہ تیار کھڑا تھا۔ میں ایک ڈبل کیبن پولیس گاڑی میں بیٹھ گیا اور جیل کے گیٹ پر بھرپور نظر ڈالی تو پھر گزشتہ سال کا منظر آنکھوں میں سما گیا۔ عجیب بات ہے جیل کا یہی گیٹ گزشتہ سال آمد کے موقع پر منہ بسور کر جس سفاکانہ انداز میں ہیبت زدہ کر رہا تھا آج اس کے برعکس نہایت معصومیت کے انداز میں خدا حافظ کہتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ میرے ہمراہ اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ ڈی ایس پی سکندر خان تھے دائیں جانب اٹک جیل کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ راجہ خادم حسین تھے جنہوں نے فیصل آباد تک میرے ہمراہ سفر کرنا تھا اور بائیں جانب اٹک تھانہ کے سب انسپکٹر عطاء اللہ صاحب تھے' جنہوں نے مجھے بتایا کہ ابھی حافظ حبیب الرحمان صاحب نے پیغام دیا ہے کہ قائد سپاہ صحابہ علامہ علی شیر حیدری صاحب رہا ہو کر خوشاب پہنچ چکے ہیں۔ مجھے اس خبر سے اور زیادہ خوشی ہوئی اور حافظ حبیب الرحمان صاحب کے رابطہ پر تعجب بھی ہوا۔ ویسے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ حافظ صاحب نہایت ہی باخبر شخصیت ہیں۔

اب گاڑیاں راولپنڈی کی طرف فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھیں میں ڈرائیور اسکرین سے چاروں طرف دوڑتی ہوئی گاڑیوں' پیدل چلتے انسانوں' آزاد فضاؤں میں لہلہاتے سبزے اور چہچہاتے پرندوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور اس سوچ میں گم تھا کہ جیل کی کال کوٹھڑی کی خاموشی اور محدود ترین زندگی اور اس آزادی کی پرشور مصروف زندگی میں کس قدر فرق ہے۔ اس اثناء میں ڈی ایس پی سکندر خان نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ مولانا! آپ خاموش خاموش ہیں آپ کیسا فیل کر رہے ہیں؟ اس پر میں نے کہا خان صاحب! میں نے گزشتہ دو سال کے بعد بلکہ اگر میں اپنے زخمی حالت میں رہائی کے دو ماہ کو الگ کر لوں تو قریباً" چار سال بعد یہ خوبصورت آزاد دنیا کا منظر دیکھا ہے جو مجھے بالکل عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں پہلے بھی انہی سڑکوں پر صبح و شام سفر کیا

کرتا تھا مگر اس وقت زندگی کا یہ انداز مجھے جس قدر خوبصورت اور دل نشیں محسوس ہو رہا ہے اور رواں دواں زندگی دل کو بھاء رہی ہے ایسا احساس پہلے کبھی نہیں ہوا ہے۔ دیواروں پر بلدیاتی الیکشن کی چاکنگ' کانفرنسوں اور جلسوں کے پوسٹر' حتیٰ کہ روڈوں پر لگے سائن بورڈ تک میرے لئے بالکل نئے ہیں۔ میں ایسے محسوس کرتا ہوں کہ مجھے قبر سے باہر نکل کر ایک مرتبہ پھر اس جہاں کو دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔

ادھر وائرلیس سیٹ پر لمحہ بہ لمحہ آوازیں ابھر رہی تھیں اور ڈی ایس پی صاحب کے موبائل فون پر افسران بالا کے فونوں کا تانتا بندھا ہوا تھا وہ ہر منٹ بعد اپنی تازہ پوزیشن و مقام کے بارے میں آگاہ کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ یہ قافلہ راولپنڈی شہر میں داخل ہوا اور پھر ائرپورٹ پر پہنچا تو کارگو گیٹ کی جانب سے گاڑیاں اندر لے جائی گئیں۔ مغرب کا وقت ہو رہا تھا۔ جہاز کی پرواز میں ابھی پون گھنٹہ باقی تھا۔ لہٰذا میں نے حکام سے کہا کہ مجھے نماز مغرب پڑھنی ہے تو ساتھ ہی دوسری منزل پر قائم سعودی ائرلائن کے مینٹیننس کے دفتر میں وضو کر کے نماز پڑھی پھر اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ جھنگ رابطہ کیا جائے تو دفتر کے انچارج درانی صاحب کو فون ملانے کا کہا انہوں نے نمبر ڈائل کیا تو جھنگ میں میرے گھر سے فون اٹھایا گیا میں نے گھر والوں سے بات کی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا حیدری صاحب فیصل آباد پہنچ چکے ہیں اور پورے جھنگ شہر میں خوشیوں کا سماں ہے سب لوگ کل آپ کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

جہاز پر سوار ہوئے تو میرے ہمراہ دونوں متذکرہ بالا ڈی ایس پی صاحبان اور اٹک کے سٹی مجسٹریٹ اور اٹک جیل کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ راجہ خادم حسین اور ایک ایلیٹ فورس کا کمانڈو نوجوان تھا۔ بعض حضرات کا یہ پہلا جہاز کا سفر تھا وہ بار بار اسکا اظہار کر رہے تھے کہ آج آپ کی وساطت سے ہم اس سفر سے لطف اندوز ہو رہے

ہیں اور جہاز کا یہ سفر بہت ہی دلچسپ رہا۔ جہاز کے کپتان کی طرف سے ہمارے بعض احباب کو باقاعدہ جہاز کے کیبن یعنی پائلٹ والے حصہ کا معائنہ کرایا گیا جس سے وہ بہت خوش ہوئے اور ٹھیک سوا گھنٹہ بعد ہم فیصل آباد ائرپورٹ پر اتر گئے۔

فیصل آباد ائرپورٹ سے سنٹرل جیل روانگی اور خدشات کا آغاز

فیصل آباد ائرپورٹ پر پولیس کی گاڑیاں پہنچی ہوئی تھیں اور مجھے بڑی جیل بس میں سوار کیا گیا جس میں اندر اور بس کی چھت پر کمانڈوز سوار تھے۔ ائرپورٹ کے لنک روڈ سے گاڑیاں ہوتی ہوئیں جب فیصل آباد شہر کی بجائے الٹی سمت مڑ گئیں تو میرے دل میں اچانک خدشات کا طوفان اٹھ آیا میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اٹک جیل راجہ خادم حسین سے دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو انہوں نے بھی حیرت سے کہا کہ گاڑیاں سنٹرل جیل کی طرف بائی پاس کی راہ سے جارہی ہیں۔ میں نے کہا مجھے تو ڈسٹرکٹ جیل کا بتایا گیا تھا اور میں گمان کررہا تھا کہ ڈسٹرکٹ جیل میں ہمارے دو درجن سے زائد اسیران سے ملاقات ہوگی..... مگر...... یہ تو معاملہ برعکس ہے کہیں حکومت کی نیت میں فتور تو نہیں آگیا ہے؟ پھر دل ہی دل میں خود کو تسلی دی کہ ہوسکتا ہے کہ حکومت کی یہ پالیسی ہو کہ کل مجھے رہا کرے تو استقبال کا جلوس بائی پاس ہی سے جھنگ چلا جائے اور فیصل آباد شہر سے نہ گزرے۔ ..... مگر یہ خیال بہرحال پریشان کن تھا کہ سنٹرل جیل میں تو شیعہ اسیران کی اکثریت ہے اور ہمارا ایک ساتھی بھی نہیں ہے۔ ادھر یہ سارا راستہ بھی زیادہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا اور جیل بس کی حالت بھی کسی گدھا گاڑی سے کم نہ تھی۔ خدا خدا کرکے سنٹرل جیل پہنچے تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں خود سپرنٹنڈنٹ ملک عطاء محمد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے چھوٹتے ہی یہ سوال کیا کہ کیا اس جیل میں اہل تشیع کے اسیران نہیں ہیں؟

انہوں نے کہا وہ تو ہیں۔ میں نے کہا پھر آپ نے مجھے کیسے قبول کرلیا؟ بلکہ آپ کو تو انکار کرتے ہوئے کہنا چاہئے تھا کہ ہم اپنی جیل میں نہیں رکھ سکتے۔ اس پر انہوں نے میرے اطمینان کے لئے ایک جملہ کہا مگر وہ نہ صرف مجھے بہت برا محسوس ہوا بلکہ میرے خدشات میں اور تقویت کا باعث بنا انہوں نے کہا "مولانا آپ بے فکر رہیں زندگی موت کا تو اللہ مالک ہے ہم آپ کی سیکورٹی کا خاص خیال رکھیں گے اور پھر پانچ دس دن ہی کی تو بات ہے" مجھے پانچ دس دن کی بات سے دھچکا لگا۔ کیونکہ میں تو یہ یقین کئے ہوئے تھا کہ کل کا دن میرے لئے رہائی کا پیغام لیکر آئے گا۔ میں دل ہی دل میں جیل حکام کی لاعلمی پر مسکرایا کہ "انہیں معلوم بھی نہیں ہے کہ کل مجھے چلے جانا ہے"......... لیکن تقدیر میں شاید ابھی مزید کچھ ایام جیل میں گزارنا لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ میرے مقدمات کے تمام تر کاغذات کی جانچ پڑتال کرکے اٹک سے میرے ہمراہ آنے والے دو ڈی ایس پی حضرات ایک مجسٹریٹ اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور ایلیٹ فورس کے جوان کو فارغ کردیا گیا۔ وہ باہر کی طرف روانہ ہوئے اور مجھے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب ساتھ لیکر "چار چکیوں" میں پہنچے جہاں ایک چکی (سیل) میں مجھے بند کردیا گیا اور میں عشاء کی نماز ادا کرکے سونے کے لئے لیٹ گیا۔ گرچہ مچھر نے خوب سلامی دی اور پہلی رات کے باعث اجنبی ماحول نے پریشان کرنا چاہا........ لیکن تھکاوٹ کے باعث نیند نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔

رہائی کا انتظار

یکم اپریل...... صبح ہی آنکھ کھل گئی تو صلوۃ الحاجہ اور تہجد ادا کرکے معمولات سے فارغ ہوا اور اپنے سیل سے باہر نکل کر اس وارڈ کے صحن کا جائزہ لیا جہاں گلاب کے پھول مہک رہے تھے اور آموں کے پیڑ پر بور آیا ہوا تھا۔ والی بال کھیلنے

کا گراؤنڈ سامنے تھا۔ چنانچہ کچھ واک کی پھر ہلکا سا ناشتہ کیا اور بار بار دل میں خیال آنے لگا کہ شاید یہ جیل کا آخری کھانا ہے۔۔۔۔۔۔ مگر اسکے ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ یکم اپریل کا دن یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مذاق کئے جانے کا دن ہے جسے اب ہمارے مسلمان بھائی "فول ڈے" کے طور پر مناتے ہیں او ربڑے بڑے مذاق کئے جاتے ہیں ایسی جھوٹی ہوائیاں اڑائی جاتی ہیں اور لوگوں کے گھروں میں فون کرکے اس طرح غلط اطلاعات دی جاتی ہیں کہ جس سے بڑے بڑے نقصانات اور حادثات پیش آجاتے ہیں۔ لہٰذا کہیں میرے ساتھ بھی حکمران "اپریل فول" والا ہی معاملہ نہ کریں۔ وقت گزرتا رہا دس بجے جیل ملازموں کی شفٹ تبدیل ہوئی اور باہر سے نئے آنے والے ملازموں سے معلوم کیا کہ باہر کوئی ہمارے ساتھی یا کارکن نظر آئے ہیں تو انہوں نے نفی میں جواب دیا جس پر بڑی حیرت ہوئی کہ اگر آج رہائی ہونا ہوتی تو اب تک کچھ نہ کچھ نوجوان تو ضرور آگئے ہوتے۔ پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ شاید شام تک رہائی ہو اور کارکن کسی جگہ جمع ہو رہے ہوں۔ ادھر جب بھی اس وارڈ کے باہر والے دروازے پر آہٹ ہوتی تو فوراً نگاہیں اس طرف اٹھ جاتیں۔ کہ شاید ابھی کوئی مجھے لینے کے لئے آیا آرہا ہے ادھر کانوں میں ایسی آوازیں گونجتیں جن سے محسوس ہوتا کہ باہر کارکن نعرے لگا رہے ہیں۔ جب پوری توجہ سے کان لگاتا تو بالکل ایسی کوئی آواز سنائی نہ دیتی۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا حتیٰ کہ دو بجے ظہر کی نماز ادا کی اب لحہ بہ لحہ تمام تر آرزوں تمناؤں اور خوش فہمیوں کے محل زمین بوس ہوتے دکھائی دینے لگے۔ اس اثناء میں جیل کے اہلکاروں کی شفٹ بدلی تو نئے آنے والے اہلکاروں سے اشاروں اشاروں میں باہر کے حالات معلوم کئے ان کے جوابات سے اندازہ ہوا کہ آج رہائی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس نئی صورتحال پر دل کڑھتا بھی اور پریشان بھی ہوتا کہ اگر ایسا ہی کرنا تھا تو کم از کم اتنا تک ہی

رہنے دیتے یا ڈسٹرکٹ جیل فیصل آباد لے جایا جاتا اب یہاں نئے ماحول میں اکیلا پریشان ہو رہا ہوں تاہم امید کی ڈوری اب اس آس پر قائم رہی کہ شاید رات کے وقت اچانک رہائی کا پروگرام ہو۔ تاکہ خاموشی سے حکومت گھر پہنچا دے۔ مگر مایوسی کے سائے گہرے ہوتے چلے گئے اور وہ دن واقعی "اپریل فول" ثابت ہوا رات گئے آنکھیں بند ہوئیں اور علی الصبح کھل بھی گئیں..... مگر..... رہائی کا مرحلہ نہ آنا تھا نہ آیا۔

وزیراعظم کی زیر صدارت علماء کا اہم اجلاس اور کمیٹی کا قیام

۲ اپریل جمعۃ المبارک کی صبح اخبارات کی شہہ سرخیوں سے یہ خوشگوار اور باعث مسرت خبر پڑھنے کو ملی کہ گزشتہ روز اسلام آباد میں وزیراعظم کی زیر صدارت ملک کے نامور چیدہ چیدہ علماء کرام کا ایک اہم اجلاس منعقد ہوا جس میں ناموس صحابہ و اہل بیت کے تحفظ کے لئے قانون سازی اور فرقہ وارانہ کشیدگی کے خاتمہ کی تجاویز مرتب کرنے کے لئے ممتاز عالم دین اور اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سربراہی میں ایک دس رکنی کمیٹی وزیراعظم کی طرف سے قائم کردی گئی۔ اس کمیٹی میں سپاہ صحابہ سپریم کونسل کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب اور قائد سپاہ صحابہ علامہ علی شیر حیدری کو بھی لیا گیا۔ جو وزیراعظم کی زیر صدارت ہونے والے اس اجلاس میں شریک تھے اسی طرح تحریک جعفریہ کی طرف سے ساجد نقوی اور دوسرے لیڈر اس کے رکن بنائے گئے اور علاوہ ازیں مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مہتمم دارالعلوم کراچی مولانا عبدالرحمان اشرفی صاحب' مولانا سرفراز نعیمی صاحب مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور' علامہ ساجد میر صاحبزادہ فضل کریم صوبائی وزیر اوقاف بھی کمیٹی کے رکن بنائے گئے۔

اس خبر سے معلوم ہوا کہ گزشتہ روز رہائی نہ ہونے کا سبب سپاہ صحابہ کی

قیادت کا اس اہم اجلاس میں شریک ہونا ہی تھا اور اب اطمینان بخش پیش رفت کا امکان ہے۔

اہل خانہ سے ملاقات' تازہ حالات سے آگاہی اور احتجاج کا اعلان

۲۔ اپریل دن گیارہ بجے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سینٹرل جیل رانا منور صاحب نے آکر بتایا کہ آپ کے بچے ملاقات کے لئے آرہے ہیں۔ بچوں کی یہ ملاقات ساڑھے پانچ ماہ بعد ہو رہی تھی اور درمیان میں دو عیدیں گزر چکی تھیں۔ اس اطلاع سے دل خوش بھی بہت ہوا مگر ساتھ ساتھ یہ سوچ کر رنج بھی ہوا کہ جو معصوم بچے کل شام تک میرا انتظار کرتے رہے اور بار بار اپنی والدہ اور جماعت کے ذمہ داران سے پوچھتے رہے کہ ہمارے ابو کب آرہے ہیں اور آج وہ میری رہائی سے مایوس ہو کر خود ہی ملاقات کو آرہے ہیں ویسے اب یہ بات میرے بچوں کے لئے اچنبھے کی نہیں ہے۔ نامعلوم انہیں کتنی مرتبہ ایسے اعصاب شکن اور مایوس کن حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے بعض ذمہ دار لوگ کئی مرتبہ مسجد حق نواز شہید میں یہ اعلان کر دیتے کہ بس اگلے جمعہ تک بس یہ چار پانچ روز تک "مولانا" رہا ہو کر آپکے درمیان تشریف فرما ہوں گے۔

عوام و خواص اس خوشخبری سے نہال ہو جاتے...... لیکن...... پھر وقت بھی ایسے ہی گزر جاتا تو بچوں کی مایوسی اور گھٹن میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

چونکہ ایسا بار ہا ہوا ہے اور مجھے نہیں معلوم کہ ایسا قصداً کیا گیا ہے یا بار بار کسی خوش فہمی کے باعث ہوا ہے یا اس کے مقاصد کچھ اور تھے تاہم ایسے اعلانات نے چھوٹوں اور بڑوں کو اس حد تک مایوسی کی گہرائیوں میں پہنچا دیا ہے کہ اب وہ کسی کی بات کو اس وقت تک تسلیم کرنے کو تیار نہیں جب تک اپنی آنکھوں سے وہ منظر نہیں دیکھ لیتے ہیں۔

ٹھیک سوا بارہ بجے دوپہر بچے سینٹرل جیل پہنچ گئے اور انہیں ڈیوڑھی کی بالائی منزل پر تعمیر شدہ ایک دفتر میں بٹھایا گیا جب میں اپنے سیل سے باہر نکلا تو بچے مجھے دور ہی سے کھڑکیوں سے ہاتھ لہرا کر سلام کرتے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت جو کیفیت ایک باپ کی ہو سکتی ہے اسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے۔

بچوں سے بہت خوشگوار ماحول میں ملاقات ہوئی اس موقعہ پر بعض کرم فرماؤں کے تعاون سے مجھے اپنے سیکرٹری راشد محمود اور مرکزی دفتر سپاہ صحابہ کے ناظم محمد ارشد صدیقی صاحب اور دیگر دو ساتھیوں سے ملنے کا موقع بھی میسر آگیا۔ ان سے تازہ حالات دریافت کئے تو علم ہوا کہ حکومت تمام تر مقدمات ختم ہو جانے کے باوجود بھی میری رہائی کے لئے سنجیدہ اور مخلص نہیں ہے۔ حکمرانوں کے اس امتیازی سلوک اور سراسر ظالمانہ رویہ سے سخت تکلیف ہوئی چنانچہ اس ملاقات کے دوران طے پایا کہ پھر مجھے اب احتجاجی قدم اٹھا لینا چاہئے' تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ حکومت کس قدر ناانصافی سے کام لے رہی ہے اور اب سراسر غیر قانونی انداز میں رہائی کا راستہ روکے ہوئے ہے۔

چنانچہ بچوں سے تفصیلی ملاقات سے فارغ ہو کر میں نے خفیہ ایجنسیوں کے اہلکاران کی موجودگی میں راشد محمود اور ارشد صدیقی کو بتایا کہ میں کل صبح سے نمک اور پانی کے ساتھ مسلسل روزوں کی شکل میں بھوک ہڑتال کا آغاز کرتے ہوئے احتجاجاً جیل کا کھانا لینے سے انکار کردوں گا۔ اب یہ احتجاج اس وقت تک جاری رہے گا جب تک حکومت انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتی۔ چنانچہ اگلے روز سے میں نے مذکورہ صورت میں بھوک ہڑتال شروع کر دی۔

تحریک جعفریہ کی مسلم لیگ سے علیحدگی

۳- اپریل کے اخبارات نے اس خبر کو کافی اہمیت سے شائع کیا کہ تحریک جعفریہ کے قائد ساجد علی نقوی نے گجرات میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ تحریک جعفریہ جس نے ۱۹۹۷ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کی حلیف بن کر حصہ لیا تھا (اور اس تعاون کے باعث پہلی مرتبہ اسے قومی اسمبلی میں ایک سیٹ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر حاصل ہوئی تھی) اب وہ اس تعاون کو واپس لیتے ہوئے مسلم لیگ سے علیحدگی کا اعلان کرتے ہیں۔

تحریک جعفریہ کی مسلم لیگ سے جدائی کا اصل سبب علماء کمیٹی کے قیام اور ناموس صحابہ کے تحفظ کے لئے وزیراعظم کی طرف سے قانون سازی کرانے کا عزم تھا۔ اگر یہ کام ہو جاتا تو یقیناً" گستاخان صحابہ کی ریشہ دوانیاں ختم ہو کر رہ جاتیں۔ تحریک جعفریہ کی لیڈر شپ اور دیگر شیعہ تنظیموں کے رہنما اگرچہ ملک بھر میں اتحاد بین المسلمین کے راگ الاپتے اور اٹھتے بیٹھتے اتحاد' اخوت' بھائی چارہ کی باتیں کرتے رہتے ہیں' مگر یہ حقیقت ہے کہ جب بھی شیعہ سنی فسادات و کشیدگی کا موجب بننے والے عوامل کا جائزہ لیا جاتا اور ان اسباب کو قانونی طریقہ سے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو فورا" یہ تمام تنظیمیں اور لیڈران کوششوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے سرگرم ہو جاتے ہیں۔

ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لئے قانون سازی کا تو نام سن کر ہی ان لوگوں کے اوسان خطاء ہو جاتے ہیں اور تقیہ کی چادر تار تار ہو جاتی ہے' پھر یہ لوگ چیخ چیخ کر کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم ایسے قانون کو تسلیم نہیں کریں گے جس کا واضح مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں گستاخی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ روکا جائے' لیکن جب

یہی لوگ میٹنگوں میں بیٹھتے ہیں تو پھر تقیہ کی چادر اوڑھ کر کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ماننے والے ہیں ہم تو کسی کی بھی توہین و گستاخی کا تصور بھی نہیں کرسکتے ہیں پھر ان سے اگر سوال کیا جائے کہ جب آپ چور نہیں ہیں' مجرم نہیں ہیں تو پھر چور اور مجرم کے لئے ہونے والی قانون سازی سے آپ کو کیا تکلیف ہے؟ تو اس پر "فبھت الذی کفر" والی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ دراصل ان کے پاس تقیہ کا ہتھیار ایسا ہے کہ وہ موقعہ محل کے مطابق اسے خوب استعمال کرنا جانتے ہیں تقیہ تو ان کے ایمان کا جزو اور ثواب عظیم کا باعث ہے۔ بقول شاعر

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا
تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

احتجاج کا انتہائی قدم اٹھانے کے اسباب

حکمرانوں نے چالیس سے زائد مقدمات ڈال کر یہ سمجھ لیا تھا کہ اب کئی سال تک بلکہ اپنے دور اقتدار کے خاتمہ تک اس شخص کو زندانوں کا مہمان رکھا جائے گا اور یوں اسمبلیوں میں اور آزاد دنیا میں ہماری مخالفت میں بولنے والی زبان خاموش رہے گی۔ ظلم بالائے ظلم یہ کہ تقاریر تک کے مقدمات کو انسداد دہشت گردی کی ان عدالتوں میں بھیج دیا گیا تھا جن میں جج ایسے "متوالے" یعنی خالص مسلم لیگی ذہن کے حکومتی ایماء پر عدل و انصاف کا خون کرنے والے بٹھائے گئے تھے اور ان کی نکیل ہوم سیکرٹری یعنی صوبائی و مرکزی حکومت کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسی نام نہاد عدالتوں میں بھی مجھے پیش نہ کرنے کی حکومت قسم کھائے بیٹھی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ حکمرانوں کے دو سالہ دور اسارت میں مجھے ایک مرتبہ بھی کسی جج کے سامنے پیش نہیں کیا گیا..... لیکن ...... ان تمام اوچھے ہتھکنڈوں کے باوجود حکومت ۔ کر

ہاتھ پاؤں اس وقت پھول گئے جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی طرف سے ڈالے گئے تمام مقدمات سے یا تو عدالتیں فارغ کر چکی ہیں یا ہائی کورٹ سے ضمانتیں ہو چکی ہیں۔ چند ۱۶ ایم پی او جیسے بوگس مقدمات کی چونکہ ضمانت لینا درجہ اول کے ایسے مجسٹریٹوں کے اختیار میں تھا جو ڈپٹی کمشنروں کے ماتحت تھے تو انہوں نے کئی مئی ماہ تک ہمارے ساتھیوں کو پریشان کئے رکھا نہ ضمانت لیتے تھے نہ ہی درخواست ضمانت مسترد کرتے کیونکہ پھر ایڈیشنل ججز آسانی سے ضمانتیں لے لیتے تھے۔

اب جب مظفرگڑھ، سرگودھا اور فیصل آباد سے ضمانتیں ہو گئیں تو پھر حکومت نے ایک نیا طریقہ واردات اپنایا کہ ضمانتوں کی روبکاروں کو اٹک جیل تک ہی نہ پہنچنے دیا جائے کسی بھی شخص کی ذاتی یا سرکاری ڈاک کو قصداً" راستہ میں روک لینے کا حق کسی بھی قانون میں حکومت کے پاس نہیں ہے مگر یہاں تو شروع سے ہی لاقانونیت کے پرستاروں سے واسطہ پڑا ہوا تھا۔ اب جب قائد سپاہ صحابہ کو راتوں رات رہا کر دیا گیا اور مجھے فیصل آباد لا کر ایسی جیل میں بٹھا دیا گیا جس میں سینکڑوں کی تعداد میں خطرناک ترین شیعہ مجرم موجود تھے تو پھر دو باتوں میں سے ایک کا اختیار کرنا ضروری تھا۔

(۱) حکمرانوں کے ظلم پر خاموشی اختیار کی جائے۔

(۲) احتجاج کیا جائے۔ پھر احتجاج باہر جماعت کرے یا میں خود کروں کافی سوچ و بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ باہر اگر احتجاج ہوا تو حالات کافی کشیدہ ہو سکتے ہیں۔ محرم کی آمد اور خاص طور پر ۱۱۔۱۲ اپریل کو سپاہ صحابہ کے مرکزی تربیتی کنونشن کا جھنگ میں انعقاد مشکل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مجھے ہی اب پرامن احتجاج کرنا چاہیے۔ احتجاج کا مقصد صرف رہائی ہی نہیں ہے بلکہ عوام کو اس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ تمام مقدمات و الزامات سے فارغ ہو جانے کے بعد مجھے غیر قانونی طور پر حراست میں رکھ کر ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر حکمران قانون و انصاف کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

بھوک ہڑتال کا آغاز...... نمک اور پانی سے مسلسل ایک ہفتہ روزے

جیل میں بھوک ہڑتال کا مطلب ہے لنگر سے ملنے والا کھانا احتجاجاً" واپس کر دینا بعض لوگ جیل کے کھانے کی بجائے دوران احتجاج اپنی چیزیں مثلاً" بسکٹ، بھنے ہوئے چنے یا فروٹ وغیرہ استعمال کرتے رہتے ہیں چونکہ بھوک ہڑتال شرعاً" جائز نہیں ہے اور شعار کفار ہے لہٰذا میں نے گزشتہ سال بھی اور اس سال بھی اس کا ایک دوسرا حل نکالا کہ جیل کا کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور مسلسل نمک اور پانی کے ساتھ سحری و افطاری کا سلسلہ شروع کیا۔ گزشتہ سال سحری و افطاری میں کھجوروں سے کام چلایا جاتا رہا مگر یہاں چونکہ بالکل نووارد اور تنہا تھا اس وجہ سے کھجور کے قائم مقام نمک ہی استعمال ہوتا رہا۔ نمک کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ میرا بلڈ پریشر نارمل رہا تاہم آٹھ دنوں میں وزن تیزی سے کم ہو کر ۱۳ کلو گھٹ گیا۔ جس سے زبردست نقاہت و کمزوری کے ساتھ ساتھ دو مرتبہ بے ہوشی بھی ہوئی ادھر حکام کا شرمناک رویہ بھی آپ ملاحظہ کریں...... کہ شروع کے تین ایام تک تو میری طرف سے وجوہات احتجاج سے آگاہ کئے جانے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئے۔ شاید وہ بھی میرے صبر و تحمل اور قوت برداشت کا امتحان لینا چاہتے تھے...... مگر جب پانچویں اور چھٹے روز ڈاکٹروں کی ٹیموں نے تشویشناک صورت حال اور بے ہوشی کے باعث گرنے کے واقعہ سے انہیں مطلع کیا تو پھر حکومتی مشینری حرکت میں آگئی دراصل اس طرح کا احتجاج ایک اعصابی جنگ کا دوسرا نام ہوتا ہے اگر احتجاج کنندہ ڈٹ جائے اور مضبوط ارادہ اور عزم کے ساتھ ہر صورت میں اپنے موقف پر قائم رہے تو پھر حکمرانوں کی مجال نہیں ہے کہ وہ

گھٹنے نہ ٹیکیں۔ لیکن یہ استقامت اور عزم و حوصلہ کی پختگی اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر صبح و شام بلکہ بار بار جیل حکام کی طرف سے پیش کردہ قسم قسم کے کھانوں (جو ان ایام میں خصوصی طور پر پیش کئے جاتے ہیں) سے منہ موڑے رکھنا مذاق نہیں ہے۔

ڈپٹی کمشنر فیصل آباد کی آمد اور تفصیلی گفتگو

۳۔ اپریل سے شروع ہونے والے احتجاج کا چھٹا روز تھا کہ صبح نو بجے جونہی میں چارپائی سے اٹھا تو چکرا کر گر پڑا موقع پر موجود ڈیوٹی ملازمین نے اٹھا کر چارپائی پر ڈالا تو ہوش آگیا۔ فوراً" اس واقعہ کی اطلاع پہنچتے ہی جیل کے ڈاکٹر صاحبان پہنچ گئے اور چیک اپ شروع کر دیا۔ میں نے ان سے کہا چیک اپ تو آپ تب کریں جب بیماری نامعلوم ہو۔ چکرا کر گرنے اور بے ہوشی کے اسباب تو تمہارے سامنے ہیں اور دوائی وغیرہ کے استعمال کی ضرورت ہی نہیں ہے ابھی اگر میں روزہ افطار کر کے کھانا پینا شروع کر دوں تو مسئلہ ختم ہو جائے گا یہ تو محض ایک احتجاج ہے آپ حکام کو تازہ صورت حال سے آگاہ کریں۔

• جونہی ڈاکٹر حضرات کی تشویشناک رپورٹ صوبائی گورنمنٹ کو پہنچی تو.....بس...... پھر پوری گورنمنٹ ہل کر رہ گئی اور انتظامیہ میں کھلبلی مچ گئی۔ ٹھیک چار گھنٹے بعد ڈی سی فیصل آباد ڈاکٹروں کی ٹیم لیکر پہنچ گئے مجھ سے انہوں نے آکر پوچھا...... مولانا کیا حال ہے؟ نقاہت سے میرا حال کافی خراب تھا اور میں لیٹا ہوا تھا میں نے اسی حالت میں جواب دیا کہ...... اگر جناب چھ دن بھوکے رہ کر گزار لیں تو پھر پوچھنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی کہ میرا کیا حال ہے؟

تاہم ڈپٹی کمشنر صاحب سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ انکا اخلاق، معاملہ فہمی اور انداز تکلم بے حد قابل تعریف تھا۔ ان کے مطالبہ پر میں نے تفصیل سے اپنے

موقف کو پیش کیا اور بتایا کہ اول تو گزشتہ چار سال سے اور موجودہ حکومت کے دور میں ٹھیک دو سال سے یکطرفہ طور پر حکومت کے انتقام کا نشانہ بن رہا ہوں۔ جس طرح کے مقدمات مجھ پر ڈالے گئے ہیں ان سے کئی گنا سنگین نوعیت کے قتل و دہشت گردی کے مقدمات تحریک جعفریہ کے لیڈروں پر ہیں..... مگر........ انہیں حکومت نے اپنی گود میں بٹھا رکھا ہے اور ہم پر عرصہ حیات تنگ کیا جاتا رہا۔ اب جبکہ عدالتوں سے ہم انصاف حاصل کر چکے ہیں تو پھر بلاوجہ ہمیں غیر قانونی طور پر جیل میں رکھنے کا کیا جواز ہے؟ اور ہم ملک کے دشمن یا صوبائیت و لسانیت کے بنیاد پر اس ملک کی تقسیم کے قائل تو نہیں ہیں۔ ہمارے مؤقف کو بارہا حکومت نے درست تسلیم کر کے غلط لٹریچر کے خلاف جو سات آٹھ سال قبل ہم نے احتجاجی تقریریں کی تھیں انکے مقدمات کے تحت جیل میں ٹھونسے ہوئے ہے لیکن اب وہ جواز بھی ختم ہو گیا۔

ڈپٹی کمشنر نے میرے موقف کو نہ صرف غور سے سنا بلکہ اسے بالکل درست تسلیم کیا پھر...... وعدہ کیا کہ وہ من وعن ابھی جا کر بالا حکام اور صوبائی گورنمنٹ کو مطلع کریں گے۔ ان کا اصرار تھا کہ محرم کے چند ایام آپ صبر کر لیں۔ محرم کے بعد آپ کی رہائی ہو جائے گی۔ میں اس کی ضمانت لے دیتا ہوں...... مگر میں نے کہا اگر اس طرح کی بھی کوئی پالیسی ہے تو پھر میرا احتجاج اس وقت تک ختم نہیں ہو گا جب تک میری جماعت کے قائدین مجھ سے نہیں مل لیتے ہیں۔ حکومت نے ان کی ملاقات پر ایک عرصہ سے پابندی لگائی ہوئی ہے۔ وہ جو بات بھی کرنا چاہتی ہے ان سے کرے اور پھر ان سے مل کر ہی میں کچھ فیصلہ کر سکتا ہوں۔ اس موقعہ پر سٹی مجسٹریٹ فیصل آباد بول پڑے کہ آپ کو ڈی سی صاحب پر اعتماد ہونا چاہئے یہ ضلع کے سربراہ ہیں تو میں نے ان سے کہا آپ معاملات کو خراب نہ کریں میرے لئے میری جماعت کے رہنماؤں کا مقام وزیر اعظم اور صدر پاکستان سے بھی زیادہ ہے میں جماعت کا ایک ادنیٰ سا ورکر

ہوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میرے لئے میری جماعت سے زیادہ اہمیت اس وقت کسی اور کی نہیں ہے۔

میری اس بات کو ڈی سی صاحب نے درست قرار دیا اور اگلے روز آنے کا وعدہ کرکے تشریف لے گئے۔ دوسرے روز صبح انہوں نے جیل حکام سے تازہ صورت حال معلوم کی تو انہوں نے بتایا کہ مولانا نے پھر روزہ رکھ لیا ہے تو وہ سمندری کے دورہ پر چلے گئے اور میرے پاس اے سی صدر اور مجسٹریٹ سٹی فیصل آباد کو بھیجا یوں جمعہ کی شام تین گھنٹے تک ان سے مشورے اور مذاکرات ہوتے رہے مگر میرا اصرار یہی تھا کہ میری جماعت کے ذمہ داران آئیں گے تو کوئی بات ہوگی۔

قائدین سپاہ صحابہ کی آمد اور احتجاج کا خاتمہ

۱۰۔ اپریل احتجاج کے آٹھویں روز بھی تہجد کی ادائیگی کے بعد روزہ رکھ لیا تھا طبیعت حد درجہ بگڑتی چلی جارہی تھی مگر عزم و ہمت و اور حوصلہ اس قدر تھا کہ میں یہ تہیہ کرچکا تھا اگر حکومت نے اب بھی میرے احتجاج کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے تو میں ایک ہفتہ اور اس طرح گزار لوں گا مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور فیصل آباد کے ڈپٹی کمشنر و دیگر حکام کے ہمدردانہ رویہ اور مصالحانہ کردار نے نئی صورت حال کو جنم دیا اور قائدین سپاہ صحابہ کو مجھ سے ملاقات کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ہر طرح کا پروٹوکول بھی دیا گیا۔ چنانچہ دن کے گیارہ بجے حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ، حضرت قائد محترم مولانا علی شیر حیدری صاحب، حضرت مولانا محمد احمد لدھیانوی صاحب مدظلہ اور عزیزم صاحبزادہ محمد زاہد قاسمی جیل کے اندر میرے سیل میں تشریف لائے، جہاں میں لیٹا ہوا تھا کمزوری کی شدت کے باعث ان حضرات کا اٹھ کر استقبال کرنا ممکن نہ تھا اس لئے لیٹے لیٹے ہی تمام حضرات سے گلے ملنا ہوا۔ خاص طور پر

حضرت قائد محترم کو رہائی کی مبارک باد دی اور جیل میں قرآن کریم حفظ کرنے پر خراج تحسین پیش کیا۔ یہ حضرات بھی میری اس کیفیت سے حد درجہ فکر مند ہوئے اور کافی پریشان دکھائی دیئے ادھران حضرات کے دائیں بائیں سپیشل برانچ انٹیلی جینس بیورو سی آئی اے وغیرہ خفیہ ایجنسیوں کے اہلکار بھی براجمان ہو گئے جو آج کل سایہ کی طرح سپاہ صحابہ کے قائدین کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔

حال احوال پوچھنے کے بعد حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ نے تفصیلا" گزشتہ دو سالوں کے حالات پر روشنی ڈالی۔ پیرانہ سالی اور آنکھوں کے آپریشن کے علاوہ دیگر کئی امراض کے لاحق ہونے کے باوجود آپ نے جس قدر ہماری رہائی کے لئے کوششیں کیں ان میں سے بعض کا علم تو ہو چکا تھا مگر حضرت نے اب اختصار کے ساتھ جن جن حوالوں سے اپنی کوششوں کا تذکرہ کیا اسے سن کر میں دنگ رہ گیا اور مجھے حیرانی ہوئی کہ کس طرح انہوں نے اپنی صحت اور زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہمارے لئے اور جماعت کے لئے مسلسل محنت کی اور کر رہے ہیں۔ اس کی جزاء انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی دے سکتی ہے کم از کم میرے بس میں تو ہرگز اتنا بھی ممکن نہیں کہ میں صحیح معنوں میں شکریہ کے الفاظ کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش کرنے کا حق ادا کر سکوں۔

حضرت مدظلہ نے بالتفصیل جن باتوں کا ذکر ایجنسیوں کے اہلکاران کی موجودگی میں مناسب تھا ان سے آگاہ کیا اور کچھ باتیں اشارتا" بھی ارشاد فرمائیں۔ خصوصا" قائد سپاہ صحابہ کی رہائی کے بعد میری رہائی کے لئے چند دنوں کی یقین دہانیوں کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت قائد محترم نے اپنی رہائی کے بعد وزیراعظم سے مل کر یکم اپریل کو ہونے والی میٹنگ اور اپنے موقف کے اظہار اور شیعہ لیڈران کی بے بسی کا خصوصی تذکرہ کیا اور بتایا کہ گزشتہ روز بھی لاہور میں ڈاکٹر اسرار صاحب کی صدارت

میں جو اجلاس ہوا ہے اس میں ہمارا مؤقف تسلیم کیا گیا ہے انہوں نے پیش گوئی کی کہ تحریک جعفریہ اس کمیٹی سے بالآخر راہ فرار اختیار کریگی۔

چنانچہ اگلے ہی روز ۱۱۔ اپریل کو تحریک جعفریہ کی طرف سے اس کمیٹی کا بائیکاٹ کرنے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوگئیں۔

ان تمام تر تفصیلات کی سماعت کے بعد اب میں نے قائدین کرام سے عرض کیا کہ آپ کی باتوں سے کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا ہے اور ایسے حالات علم میں آئے ہیں جن سے میں یکسر لاعلم تھا۔ بہرحال اب یہ فرمائیں آپ کا اور جماعت کا فیصلہ کیا ہے؟ جہاں تک میری بات ہے میں نے احتجاجی قدم جب اٹھایا تھا اس وقت یہ عزم کیا تھا کہ مطالبات تسلیم کیے جانے پر ہی احتجاج ختم کروں گا۔ مگر جماعت کے فیصلوں اور آپ کی آراء کے سامنے میں اپنی رائے اور ضد کو ہرگز فوقیت نہیں دے سکتا۔ اگر آپ حضرات چاہیں تو میں کچھ اور دن صبر کرلیتا ہوں۔ اس کے جواب میں ان سب حضرات نے اپنی رائے اور جماعت کے فیصلہ سے آگاہ کیا کہ آپ احتجاج ختم کردیں۔ اب ساری ذمہ داری جماعت اٹھاتی ہے۔ انشاء اللہ تمام معاملات خوش اسلوبی سے طے پائیں گے۔ چنانچہ قائدین کی رائے کا احترام کرتے ہوئے میں نے کہا آپ کے حکم پر سر تسلیم خم ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر صاحب کو بلوائیں وہ جس چیز سے افطاری کروانا چاہیں کرادیں۔ چنانچہ گرم دودھ لایا گیا جس سے چاروں علماء کرام و قائدین نے میری خواہش پر ایک ایک گھونٹ پیا اور پھر میں نے دو گلاس پی کر احتجاج کا سلسلہ ختم کردیا اور قائدین کرام دعائیں دیتے۔اور پرتپاک انداز میں الوداع کہتے ہوئے تشریف لے گئے۔

وزیراعظم کی قائم کردہ علماء کمیٹی کا پس منظر اور تحریک جعفریہ

کے بائیکاٹ کی وجوہات

گزشتہ صفحات میں اخبارات میں شہ سرخیوں سے شائع ہونے والی خبروں کے حوالہ سے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کی طرف سے قائم کردہ دس رکنی کمیٹی کا تذکرہ ہوچکا ہے۔ تاہم حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ نے اس کمیٹی کے قیام کے پس منظر کو جس طرح بیان فرمایا اس کا ذکر اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ بات ریکارڈ پر آجائے کہ یہ اتنا بڑا قدم حکومت سپاہ صحابہ کی کوششوں اور کاوش کے نتیجے و اسیران کی قربانیوں کی بدولت اٹھانے پر مجبور ہوئی تھی۔ حضرت قاسمی صاحب مدظلہ کے بیان کے مطابق جب قائدین سپاہ صحابہ کی رہائی کے لئے ہر دروازہ کھٹکھٹانے پر انہیں مسلسل مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تو پھر ایک طرف تو ان سمیت تمام درد مند دل والے حضرات خشوع و خضوع کے ساتھ بارگاہ ایزدی میں گڑگڑانے لگے دوسری طرف علماء کرام مشائخ اور دینی و سیاسی جماعتوں کے ذمہ داران سے رابطہ شروع کیا گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب فیصل آباد میں تنظیمی و تبلیغی دورہ پر تشریف لائے تو ان کے سامنے بھی حضرت قاسمی صاحب نے سپاہ صحابہ کی مظلومیت کو بیان کیا۔ وہ اس سلسلہ میں سوچنے کا وعدہ کرکے تشریف لے گئے۔ پھر اپنی جماعت کی شوریٰ میں اس بات کو پیش کیا تو تنظیم اسلامی کی شوریٰ نے انہیں اجازت دی کہ وہ اس مسئلہ کا حل نکالیں۔ تب انہوں نے میاں محمد شریف صاحب کو خط کے ذریعے آگاہ کیا کہ سپاہ صحابہ کے ساتھ اگر آپ حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب کی وساطت سے کسی افہام و تفہیم کا راستہ اختیار کریں تو موجودہ امن و امان کی صورت حال کو کنٹرول کرنے اور محرم میں قیام امن کی کوششوں کو یقینی کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ خط پڑھنے کے بعد میاں محمد شریف صاحب اپنے دونوں بیٹوں یعنی وزیراعظم میاں

نواز شریف صاحب اور وزیراعلیٰ میاں شہباز شریف کے ہمراہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ان کی اکیڈمی میں تشریف لائے اور پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا یہاں تک کہ عیدالاضحیٰ کے دوسرے روز ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی معیت میں قائدین سپاہ صحابہ کی رائیونڈ فارم میں میاں شریف صاحب اور وزیراعظم اور وزیراعلیٰ اور صوبہ پنجاب کی انتظامیہ و پولیس کے بالا حکام سے ملاقات ہوئی۔ میاں محمد شریف صاحب نے قائدین سپاہ صحابہ کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے۔ حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب مدظلہ نے سپاہ صحابہ کے اغراض و مقاصد بیان کئے اور اس پر لگائے جانے والے الزامات کو دلائل سے غلط ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ناموس صحابہ کے تحفظ کے لئے قانون سازی پر زور دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مدظلہ کو گفتگو اور خطابت کا جو خاص ملکہ نصیب فرمایا ہے اس کے سو فیصد اثرات مرتب ہوئے اور میاں شریف صاحب نے ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے تحفظ کے لئے قانون سازی کی پر زور حمایت ہی نہیں بلکہ فوری ضرورت پر زور دیا جسے وزیراعظم نے پورا کرنے کا یقین دلایا اور دو دن بعد ہی اسلام آباد میں سپاہ صحابہ و تحریک جعفریہ کے لیڈران اور دیگر مکاتب فکر کے جید علماء کرام کا اجلاس طلب کر لیا۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ علی شیر حیدری کی فوری رہائی اور کچھ دن بعد میری رہائی کا وعدہ کیا اور قائدین کے اصرار پر مجھے فیصل آباد جیل لانے کے احکامات جاری کر دیئے۔ چنانچہ اگلے روز جب رہائی پا کر قائد سپاہ صحابہ حضرت علامہ علی شیر حیدری صاحب مدظلہ' حضرت قاسی صاحب مدظلہ کے ہمراہ اسلام آباد کے اجلاس میں شریک ہوئے تو تحریک جعفریہ کے لیڈران کو اپنی آنکھوں کے سامنے موجود منظر پر یقین نہیں آرہا تھا ادھر حکومت کی طرف سے ناموس صحابہ کے لئے قانون سازی کا خود مطالبہ کرنا اور علماء سے دس روز میں تجاویز لینے کا اصرار بھی تحریک جعفریہ کے لئے بڑے صدمہ سے کم نہ تھا۔ اس لئے دوسرے ہی روز ساجد نقوی صاحب نے

مسلم لیگ سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اب جب آٹھ روز بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی زیر صدارت علماء کمیٹی کے اجلاس میں تحریک جعفریہ کو سپاہ صحابہ کا موقف علماء کرام میں پذیرائی حاصل کرتا ہوا نظر آیا تو وہ اگلے ہی روز یہ کہہ کر کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے بیٹے کا نکاح چونکہ اٹھارہ سال قبل محرم میں کیا تھا لہٰذا وہ ان کی صدارت میں قائم کمیٹی کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر محرم میں کسی شخص کا اپنے بھائی یا بیٹے کا نکاح اتنا ہی بڑا جرم ہے کہ پھر اس شخص کے ساتھ تحریک جعفریہ مل کر نہیں بیٹھ سکتی ہے تو......... میرا تحریک جعفریہ کے قائدین کے نام یہ پیغام ہے کہ خود کربلا میں ساتویں محرم کو حضرت قاسم کے نکاح کی تقریب کا تذکرہ شیعہ کی کتب ہی میں نہیں بلکہ حضرت قاسم کی مہندی کی یاد تو آج تک شیعہ کی محرم کی رسومات کی جان ہے۔ اس لئے تحریک جعفریہ کو محرم کے احترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھنے والے کربلاء کے مسافروں اور شہیدوں سے بھی لاتعلقی کا اعلان کر دینا چاہیے' ورنہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سنت پر عمل کرنے والوں سے بے زاری کا اظہار عملی تضاد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایام احتجاج میں ریکارڈ مطالعہ

۳۔ اپریل کو ایکطرف احتجاج کا آغاز کیا تو دوسری طرف جیل کی لائبریری کا رجسٹر منگوا کر حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ کی چار جلدوں پر مشتمل "تاریخ دعوت و عزیمت" حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی "مقام صحابہ" اخوان المسلمین پر ہونے والی زیادتیوں پر مشتمل "روداد ابتلاء" علامہ طاہر القادری صاحب کی "فرقہ واریت" اور کئی دیگر کتب کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے کا موقع ملا جیسا کہ مثال مشہور ہے کہ "بھوکا بٹیرا زیادہ لڑتا ہے" بالکل ان ایام میں اس قدر مطالعہ کیا کہ شاید عام

حالات میں سالوں میں اس قدر مطالعہ نہ ہو سکتا تھا۔ تاریخ دعوت و عزیمت میں حضرت امام احمد بن حنبل ؒ، حضرت امام ابن تیمیہ ؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ؒ ان کے خلفاء حضرت سید احمد شہید اور انکے رفقاء کے حالات پڑھ کر مجھے ایک نئی توانائی اور روحانی قوت سے آشنائی نصیب ہوئی۔ اور احتجاج کے ان ایام میں صبر و استقامت حوصلوں اور جذبوں کو مزید جلا نصیب ہوئی۔ بعض کتب دل لگی کے طور پر پڑھیں اور ان کے زندہ مؤلفین لیڈران کے مبلغ علم سے شناسائی کے ساتھ ساتھ بہت سی مبالغہ آرائیوں پر مبنی معلومات سے بھی شناسائی...... نصیب ہوئی۔

پاکستان کی بجلی چور وفاقی وزیر عابدہ حسین کی وزارت سے برطرفی

پاکستان کی سرزمین پر ایسے لوگوں کی اب تو ایک بڑی تعداد ہے جو سرکاری خزانے پر ڈاکہ ڈال کر راتوں رات ''سرمایہ دار'' ''صنعت کار'' اور ''جاگیردار'' بن کر وطن عزیز کی تقدیر کے بھی مالک بنے ہوئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف وہ غریب کسان جس نے زرعی بینک سے صرف دس ہزار کا قرضہ لیا ہوتا ہے بروقت قسط ادا نہ کرنے کے باعث کئی کئی ماہ جیل کاٹتا ہے اور دوسری طرف کروڑوں اور اربوں روپے قرضہ لیکر ایک پائی بھی واپس نہ کرنے والے ایوان اقتدار کے مزے لوٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اب تو حالت یہ ہے کہ ایک طرف پیپلزپارٹی کی دو مرتبہ وزیراعظم بننے والی محترمہ اور ان کے شوہر نامدار اربوں ڈالر لوٹ کر سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع کرانے اور عدالتوں سے مجرم قرار پانے کے باوجود بھی اس ملک پر تیسری مرتبہ وزیراعظم کی شکل میں مسلط ہونے کے خواب دیکھ رہی ہیں اور دسری طرف مسلم لیگ کے موجودہ حکمران تسلیم بھی کرتے ہیں کہ ہم پر بینکوں کے دس ارب روپے واجب الاداء ہیں مگر پھر خود کو نادہندہ سمجھنے اور قومی خزانہ کو لوٹنے والا قرار دینے کی

بجائے حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار کرپشن سے پاک اور ملک و قوم کا خادم ثابت کرنے پر مصر ہیں۔

۲۳۔ اپریل ۱۹۹۹ء کو ایوان بالا سینٹ میں ۱۴۹ ارکان اسمبلی کی لسٹ پیش کی گئی کہ وہ بجلی چور ہیں اور واپڈا نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان میں وفاقی وزیر داخلہ کا اسم گرامی بھی شامل ہے اور خود وزیر بجلی گوہر ایوب صاحب کے داماد کا نام بھی ہے۔

اس فہرست کے پیش کئے جانے کے بعد اب ملک بھر میں شور برپا ہے کہ واپڈا کے چیئرمین فوجی جنرل نے ہم "شریف لوگوں" کو بدنام کیا ہے اور چند ماہ قبل جب واپڈا کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے فوج کو خود حکومت نے اس ادارہ میں بھیجا اور انہوں نے ارکان اسمبلی کی چوریاں پکڑنا شروع کیں تو پنجاب اسمبلی میں فوج جیسے حساس اور غیر متنازعہ ادارہ کے خلاف حکمران طبقہ کے ممبران نے جس انداز میں گھٹیہ زبان استعمال کی وہ ایک شرمناک حقیقت ہے۔

ویسے تو بجلی چوروں کی لسٹ کافی طویل ہے...... لیکن........ جس قدر "چوری اور سینہ زوری" کا انداز وفاقی وزیرنی عابدہ حسین نے اپنایا تھا اس پر تو پوری قوم حیران تھی۔ وزیراعظم نے ان کے مطالبہ پر بار بار تحقیقات کرائیں ہر ہر تحقیق و تفتیش میں چوری ثابت ہونے کے باوجود جھنگ کے جاگیردار اور انگریز کی وفاداری میں کرنل کا خطاب حاصل کرنے والے کرنل عابد کی اکلوتی بیٹی نے پاؤں پر پانی نہ پڑنے دیا اور خفیہ طور پر اس الزام سے بچنے اور اخبارات میں چیخ چیخ کر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی ہزار کوششیں کیں..... مگر..... بالآخر وہ وقت آگیا جب ۱۱۔ اپریل کو وزیراعظم کی طرف سے بار بار اصرار پر وزارت سے استعفیٰ دے کر....... کوچہ اقتدار سے بے آبرو ہو کر نکلنا پڑا۔ بیگم عابدہ حسین کے استعفیٰ کے واقعہ کو اس کتاب میں ذکر

کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے دن سے پارسائی اور حب الوطنی کے نعروں کے ساتھ ساتھ سپاہ صحابہ کو راء کا ایجنٹ' ملک کا دشمن تخریب کار اور دہشت گرد قرار دینے کا راگ الاپتے رہے ہیں۔ حالانکہ آج تک نہ کسی حکومت اور ادارہ کو سپاہ صحابہ کی قیادت پر ایک پائی کی کرپشن اور لوٹ مار کا کوئی الزام لگانے کی جرات ہوئی ہے اور نہ ہی کسی تخریب کاری یا دہشت گردی کا کسی عدالت میں ان پر الزام ثابت کیا جاسکا ہے۔

ریاض بسرا کے نام پر سپاہ صحابہ کے دو کارکنوں کی سرگودھا میں پولیس کمانڈوز کے ہاتھوں شہادت

لشکر جھنگوی کے قیام کے اسباب و سپاہ صحابہ سے اس کی لاتعلقی کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہوں گے کہ کس طرح پنجاب پولیس لشکر جھنگوی کی آڑ میں بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے...... تاہم ۶۔ اپریل ۱۹۹۹ء کے تمام اردو انگلش اخبارات کی شہ سرخیاں جس اہم خبر پر مبنی تھیں وہ یہ تھی کہ افسانوی انداز میں شہرت پانے والا دہشت و تخریب کاری کی علامت لشکر جھنگوی کا سالار ریاض بسرا ایک پولیس مقابلہ میں ہلاک کردیا گیا ہے اور اس آپریشن میں حصہ لیکر بہادری اور جرات کی حیرت انگیز داستان ثبت کرنے والے پولیس افسران کی ایک طویل لسٹ بھی اخبارات میں شائع ہوئی اور اس آپریشن کی سب سے بڑی کامیابی یہ قرار دی گئی کہ پولیس کو اتنے بڑے دہشت گرد کے مقابلہ میں معمولی سا زخم بھی نہیں لگا ہے جبکہ ریاض بسرا اور اس کا دوسرا ساتھی خطرناک اسلحہ سے مقابلہ کرکے بھی بچ نہ پائے یقیناً" یہ بہت بڑا کارنامہ تھا جس پر وزیراعظم' وزیراعلیٰ اور حکام بالا نے دل کھول کر

پولیس کے جوانوں کو شاباش دی اور ایک دوسرے کو مبارک بادیں دیتے رہے۔ اس خبر کو مزید مصدقہ بنانے کے لئے یہ بھی اخبارات میں شائع کردیا گیا کہ ریاض بسرا کی والدہ نے اس کی نعش شناخت کرکے بے خود ہوکر رونا شروع کردیا تھا۔ ادھر اخبارات کی زینت بن کر یہ خبر پورے ملک میں حیرت و تعجب کی فضاء قائم کرچکی تھی تو دوسری طرف عین اس وقت سرگودھا پولیس کے افسران سے لیکر ایوان اقتدار میں بیٹھے ہوئے حکمرانوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ہر بالا اپنے ماتحت کو ناقابل بیان "کوسنے" دینے میں مصروف تھا۔ کیونکہ اس واقعہ کے بیس گھنٹے بعد یہ حقیقت منظر عام پر آگئی تھی کہ ریاض بسرا زندہ ہے اور کمانڈوز نے جن دو افراد کو گولیوں سے چھلنی کیا ہے ان میں سے ایک قاری عزیز الرحمان اس الرجی سنٹر کا مالک تھا جس میں کمانڈوز نے داخل ہوکر کاروائی کی تھی دوسرا نوجوان شہزاد احمد اس کا دوست تھا۔ ہر دو نوجوانوں کا تعلق سپاہ صحابہ سے تھا۔ اس واقعہ کے بعد حکومت کی جس قدر بدنامی ہوئی اور سرگودھا پولیس کے افسران اب تک جس طرح خود کو اس واقعہ سے بے خبر اور لاتعلق ثابت کرنے کے لئے حلف اٹھا رہے ہیں اس پر پوری قوم حیران و پریشان ہے۔ اس واقعہ کی ذمہ داری تو کسی نے قبول نہیں کی ہے مگر یہ کہا جا رہا ہے کہ ہلاک ہونے والوں کی شکلیں ریاض بسرا سے چونکہ ملتی تھیں اس لئے یہ واقعہ رونما ہوگیا........ اس عذر لنگ پر اخبارات میں سیاستدانوں اور صحافیوں نے جو ریمارکس دیئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔

سابق وزیراعظم اور اس کے شوہر پر کرپشن ثابت..... عدالت کی طرف سے پانچ سال قید اور اربوں روپے جرمانہ

اقتدار کا نشہ حکمرانوں کو کچھ ایسے انداز میں پاگل کرتا ہے کہ وہ اولاً تو یہ بات تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہوتے ہیں کہ کبھی بھی اقتدار کی کرسی سے انہیں الگ ہونا پڑے گا اور دونوں ہاتھوں سے لوٹ مار کرتے ہوئے ان کی حالت اس عاشق زار کی سی ہوتی ہے جو چوک میں کھڑا ہو کر اپنے محبوب کے گھر کا دیدار کر رہا ہوتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اسے کوئی بھی دیکھنے والی آنکھ نہیں ہے۔ ظلم و جبر' تشدد و بربریت کا گھناؤنا کھیل اس بے شرمی کے ساتھ کھیلا جاتا ہے کہ وہ مکافات عمل کے اصول کو فراموش کر کے اپنے راستہ میں کانٹے بونے کو کامیابی یقین کرتے ہیں۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے دوسرے دور اقتدار میں اپنے شوہر نامدار کو "مال بنانے" کا لائسنس کچھ اس انداز میں دیا کہ اس نے ایک ہزار سے لیکر کروڑوں اور اربوں روپے لوٹنے کے لئے اس فقیر کا انداز اپنایا جس کا اصول یہ ہے کہ "ہر وقت مانگو.... ہر ایک سے مانگو.... ہر چیز مانگو۔" یا بالفاظ دیگر "ہر ایک کو لوٹو...... ہر وقت لوٹو........ ہر چیز لوٹو"۔

لوٹ مار کا یہ عالم تھا کہ اگر سالانہ بجٹ میں کسی ادارہ پر کوئی نیا ٹیکس لگا دیا گیا ہے اور اس ادارہ نے زرداری صاحب سے رابطہ کر کے بھاری نذرانہ پیش کر دیا تو پھر اس ٹیکس کا نوٹیفکیشن ہی رکوا لیا جاتا خود میں نے اپنی گنہگار آنکھوں سے بڑے بڑے ٹھیکیداروں اور سرمایہ داروں کو زرداری صاحب کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہوئے بارہا دیکھا۔

بالاخر مرد اول پر وہ وقت آن پہنچا جب اسلام آباد میں ان کی اہلیہ وزیر اعظم ہاؤس میں آنسو بہاتے ہوئے اپنی ہی پارٹی کے جیالے صدر فاروق لغاری کو غلیظ گالیوں سے نواز رہی تھیں اور خود زرداری صاحب گورنر ہاؤس پنجاب میں روپیوں کی بھری ہوئی بوریوں کو حسرت و یاس سے دیکھتے ہوئی فوجی جوانوں کے ہمراہ اترے ہوئے

چہرے اور شکست خوردہ جواری کی طرح نظریں جھکائے گورنر ہاؤس سے باہر آرہے تھے۔ نگران حکومت کے دیئے ہوئے احتساب کے نعرے کو مخصوص شکل میں قانون کا رنگ دیکر وزیراعظم میاں نواز شریف نے سابق حکمرانوں پر آزمانے کی کوششیں شروع کردیں اور سوئٹزرلینڈ میں ان کے خفیہ اکاؤنٹ کا پتہ چلانے کے ساتھ ساتھ اسے عدالت عالیہ میں ثابت بھی کردیا کہ صرف ایس جی ایس (غیر ملکی کمپنی) کو ٹھیکہ دینے کے عوض اربوں روپے کمیشن وصول کیا گیا ہے۔ صرف اس ایک کیس کے تمام شواہد و حقائق کے سامنے آجانے کے بعد ہائی کورٹ کے دو ججوں پر مشتمل احتساب بنچ نے مورخہ ۱۵۔ اپریل ۱۹۹۹ء کو یہ فیصلہ سنایا کہ بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کو پانچ سال قید اور چھیاسی لاکھ ڈالر یعنی ایک ارب روپے کے لگ بھگ) جرمانہ اور ان کے اربوں روپے کی املاک و جائیداد ضبط کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ فیصلہ سنانے کے موقعہ پر چونکہ بے نظیر صاحبہ ملک سے باہر تھیں (غالباً" وہ متوقع فیصلہ سے ڈر کر بھاگ گئی تھیں) تو انہوں نے اسی روز بی بی سی کے ٹیلی ویژن سے ایک انٹرویو میں نہ صرف اس فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا بلکہ اس کے خلاف احتجاج کرنے کا بھی اعلان کردیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک غریب اور شریف آدمی کے لئے تو پنچائت کے فیصلہ پر تنقید کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا ہے اور ہمارے سیاستدان اپنے خلاف صادر ہونے والے فیصلوں کو ایسے شرمناک الفاظ سے مسترد کرتے ہیں کہ جس پر عقل و دانش آنسو بہاکر رہ جاتی ہے۔

میرے نزدیک یہ فیصلہ اس لحاظ سے خوش آئند ہے کہ اس ملک میں اب ایک "اچھی ریت" پڑگئی ہے جس پر اب کسی نہ کسی شکل میں عمل ہوتا رہے گا اور ہر حکمران کو احتساب کی اس چھلنی سے بعد از اقتدار واسطہ پڑتا رہے گا۔

سنٹرل جیل سے ڈسٹرکٹ جیل آمد اور اسیر کارکنوں سے ملاقات پر پابندی

۱۰۔ اپریل کو قائدین سپاہ صحابہ کی آمد پر احتجاج ختم کرتے ہوئے میں نے ان کی توجہ اس طرف دلائی کہ اس جیل میں اول تو شیعہ دہشت گردوں کی موجودگی کے باعث میرا رہنا مناسب نہیں ہے محرم کی آمد آمد ہے یہاں پر سابقہ روایات کے مطابق شیعہ جلوس وغیرہ اور ماتمی مجلسوں کا اہتمام کیا جائے گا۔ لہٰذا کسی ناخوش گوار واقعہ پیش آنے سے قبل ہی مجھے ڈسٹرکٹ جیل میں منتقل کرانے کی کوشش کی جائے تاکہ وہاں اپنے دو درجن سے زائد اسیران کے ساتھ مل کر محرم کے باقی ایام بے فکری کے ساتھ گزار سکوں۔

چنانچہ ان حضرات نے اس مسئلہ پر خاص توجہ دی.... ۱۲۔ اپریل کی شام کو حسب معمول قبل از مغرب میں اپنے سیل میں بند ہو چکا تھا اور عشاء سے قبل کھانا کھانے سے فارغ ہو کر مطالعہ میں مصروف تھا.......... کہ اچانک "چار چکیاں" نامی اس وارڈ کے باہر کا گیٹ کھلنے کی آواز آئی اور اگلے ہی لمحے چیف چکر اللہ داد صاحب میرے سیل کے سامنے آکر گویا ہوئے........ مولانا! تیاری کریں ڈسٹرکٹ جیل کے آرڈر آگئے ہیں۔ ڈسٹرکٹ جیل منتقلی کا پیغام میرے لئے رہائی کی خوشی سے کم نہ تھا........ سامان تو سوائے بریف کیس اور کمبل کے کچھ نہ تھا جیل لائبریری کی کتب واپس کر کے ڈیوڑھی آیا جہاں سے اے ایس پی صدر کی رفاقت میں دو بڑی جیل بسوں اور پولیس کی چار ڈبل کیبن گاڑیوں کے جلوس میں فیصل آباد شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ عرصہ پانچ سال بعد رات کے وقت جگمگ کرتے ہوئے شہر کی طرف آنا عجیب سکون و فرحت کا باعث تھا۔ فیصل آباد ان سالوں میں واقعی کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔

ترقیاتی پروگرام جاری ہیں اور شہر تیزی سے چاروں اطراف پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

رات دس بجے ڈسٹرکٹ جیل کے سامنے گاڑیاں رکیں تو ڈیوڑھی میں داخل ہو کر سپرنٹنڈنٹ صاحب کے دفتر میں آیا جہاں ناصر وڑائچ صاحب سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب منتظر پائے۔

ناصر وڑائچ صاحب ایک نہایت ہی خوش طبع اور محبت کرنے والے زندہ دل انسان ہیں ان سے مختلف اوقات میں ملاقاتیں ہوتی رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ لیکن اب جو ناصر وڑائچ میرے سامنے تھے وہ بالکل بدلے ہوئے انسان تھے۔ چہرہ پژمردہ' خاموش شخصیت اور گہری سوچ میں مبتلا' تب مجھے یاد آیا کہ ان کے ساتھ دو ماہ قبل عظیم حادثہ پیش آچکا ہے کہ انکا جواں سال بیٹا ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر جہاں فانی سے رخصت ہو گیا۔ جوان بیٹے کی موت تو والدین کی کمر توڑ دیتی ہے...... ان سے تعزیت کی اور ادھر وقت و حالات کی مناسبت سے یہ بھی دریافت کیا کہ مجھے کہاں رکھا جائے گا......تو .... انہوں نے بتایا کہ ہمیں جو احکامات دیئے گئے ہیں ان کے مطابق آپ کی حفاظت کے نقطہ نظر سے آپ کو آپ کی جماعت کے اسیران سے الگ رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ اس بات سے میرے دل پر سخت چوٹ پڑی۔ میں نے انہیں قائل کرتے ہوئے کہا کہ میری سیکورٹی کے لحاظ سے بھی میرا اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رہنا ضروری ہے۔ مگر وہ بار بار اپنی مجبوری کا اظہار کرتے رہے اور پھر یہ طے پایا کہ اس سلسلہ میں مزید گفتگو کل کریں گے۔ ابھی رات تو گزاریں میں نے بھی ان سے عرصہ کے بعد ملاقات اور موجودہ کیفیت میں بحث و مباحثہ مناسب نہ سمجھا اور اٹھ کر ساتھ چل پڑا۔ مجھے اپنے ہمراہ لیکر دس چکیوں پر مشتمل سیکورٹی وارڈ کی ایک چکی میں بند کر دیا گیا۔ چونکہ جولائی' اگست ۱۹۹۱ء میں اس جیل میں مجھے ایک مہینہ گزارنے کا موقع ملا تھا۔ مگر میری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ سیکورٹی وارڈ کی یہ بالکل خالی اور خستہ حالت پہ

اینٹوں اور گارا مٹی پر مشتمل سو سالہ چکیاں تو وہ ہیں جہاں جیل کے اندر کسی قیدی سے اگر کوئی غلطی یا قصور ہو جائے تو سزا کے طور پر اسے ان قصوری چکیوں میں بند کیا جاتا ہے مجھے عشاء کی نماز ادا کرنا تھی جب میں نے استنجا اور وضو کرنے کا ارادہ کیا تو مجھے اور زیادہ تعجب ہوا کہ دو دو فٹ کی سہ دیواری کے اندر جو فلش لگا ہوا ہے وہی ایک جگہ ہے جہاں استنجا بھی کرنا ہے اور وضو بھی کرنا ہے عشاء اور تہجد کے لئے جیسے کیسے گزارا کرنا پڑا سو کیا ادھر بستر پر پرانی خستہ چھت سے چیونٹیوں سے بھی چھوٹے کیڑے مکوڑے گر رہے تھے جو ساری رات جسم پر رینگتے رہے۔ صبح کو جب سورج کے طلوع کے وقت دروازہ کھلا تو چھوٹے سے صحن میں پیدل چکر لگا کر جسم کو کچھ گرم کیا۔

وقت بالکل فارغ تھا تو احباب کے درجنوں خطوط کے (جو گزشتہ کئی دنوں سے آئے ہوئے تھے) جوابات لکھے۔ ڈیوٹی پر موجود چھوٹے عملہ کی وساطت سے ناشتہ مل گیا۔ مگر دوپہر تک کسی ذمہ دار افسر نے ادھر کا رخ نہ کیا تب مجھے کہنا پڑا کہ اب کھانا اس وقت کھایا جائے گا جب سپرنٹنڈنٹ صاحب آئیں گے چنانچہ سہ پہر تین بجے سپرنٹنڈنٹ صاحب آئے تو میں نے رات والا مطالبہ انکے سامنے رکھا اور اس وارڈ میں کسی صورت بھی رہائش رکھنے سے انکار کردیا۔ تب انہوں نے اگلے روز مناسب جگہ رہائش کا وعدہ تو کرلیا مگر ساتھیوں سے ملاقات کے بارے میں حکام بالا سے اجازت لینے کی کوشش کرنے کی حامی بھری۔ اگلے روز نیو سیل کے دوسرے وارڈ کی ۱۶ چکیوں میں مجھ اکیلے کو ایک چکی کا مہمان بنا دیا گیا اور ساتھیوں سے ملاقات کے بارے میں میرے ساتھ سات روز تک مسلسل وعدہ اور افسران بالا سے اجازت لینے کی حامی بھری جاتی رہی۔

اسیران ناموس صحابہؓ سے ملاقات کی بے قراری اور ایک ہفتہ تک باہم پیغام رسانی کا انوکھا سلسلہ

ایک عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ اگر رہائی نہیں ہوتی ہے تو چلو اسیری کے ایام اٹک جیسی دور دراز کی جیل میں قید تنہائی میں کٹنے کی بجائے اگر کم از کم فیصل آباد ڈسٹرکٹ جیل ہی میں جھنگ کے اسیر ساتھیوں کے ہمراہ کٹ جائیں تو اچھا ہے......... لیکن ..... اب اس قدر قریب آکر یعنی صرف ایک دیوار کا درمیان میں فاصلہ رہ جانے کے باوجود صورت حال یہ تھی کہ ایک دوسرے کو دیکھنے کو ترس رہے تھے اور ملاقاتوں کی خواہش شدید سے شدید تر ہوتی جارہی تھی۔ مگر جیل حکام اپنی جگہ پر واقعی مجبور تھے انہی نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کسی طرف سے بھی مثبت جواب نہ ملا۔ ادھر خفیہ ایجنسیوں کے اہل کار جیل کی بیرونی دیواروں کے برجوں پر کھڑے ہوئے مستعدی کے ساتھ نگرانی کر رہے تھے اور میرے اس جیل میں آنے سے تین چار روز قبل ہی سپاہ صحابہ کے ۲۷ اسیروں کو اپنی اپنی چکی (سیل) میں مستقل بند کر دیا گیا تھا اور ایک منٹ کے لئے بھی انہیں باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی جس کی وجہ سے اب کوئی راستہ نہ تھا کہ ان سے سلام و کلام یا دیوار کی اوٹ سے گفتگو ہو۔ کافی سوچ و بچار کے بعد یہ صورت نکالی گئی کہ انکی خدمت پر مامور قیدی دھلے کپڑے یا بستر وغیرہ دھوپ میں ڈالنے کے بہانے چھت پر چڑھ کر ان کے رقعہ جات کسی پتھر کے ساتھ باندھ کر ادھر پھینک دیتے اور میں ان کے جوابات لکھ کر اس طرف پھینک دیتا۔ باہم رابطہ کا یہ سلسلہ مسلسل پانچ روز تک جاری رہا اور میں ساتھیوں کو تازہ صورت حال سے آگاہ کرتا رہا وہ مجھے تجاویز بھجواتے رہے اور اس جیل کے حالات و افسران کے مزاج اور پالیسی سے آگاہ کرتے رہے۔

مولانا ضیاء القاسمی صاحب اور شیخ حاکم صاحب کی آمد

۲۲۔ اپریل کو سپاہ صحابہ سپریم کونسل کے چیئرمین حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی مدظلہ و مرکزی صدر شیخ حاکم علی صاحب' مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب ملاقات کے لئے تشریف لے آئے ان حضرات نے وزیراعظم کی قائم کردہ دس رکنی کمیٹی کے قیام کے بعد کے حالات اور تحریک جعفریہ و بریلوی مسلک کے بعض ارکان کمیٹی کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراض سے دلبرداشتہ ہوکر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مستعفی ہونے کا پس منظر بیان کیا۔ اور آئندہ کے لائحہ عمل پر مشورہ کیا خصوصا" اس وقت یہ بات اہم تھی کہ ناموس صحابہ کے عنوان پر قانون سازی کی اہمیت سے تو اب علماء و خواص وعوام میں بیداری پائی جاتی ہے لیکن حکومت سزائے موت کے لئے قطعا" تیار نہیں ہے جو کہ سپاہ صحابہ کا دلائل کی بنیاد پر مطالبہ ہے تاہم علماء کرام اور حکومت چودہ سال تک سزا کا قانون بنانے پر متفق ہیں میں نے اس سلسلہ میں مشورہ دیا کہ ایک تو جماعت کی مجلس شوریٰ اور عاملہ کا اجلاس بلا کر اس میں ساری صورتحال رکھی جائے دوسرے اگر چودہ سال سزا پر حکومت تیار ہے تو یہ چودہ سال سزا محض تبرا اور سب کی مقرر کرالی جائے جہاں تک تکفیر صحابہ کا مسئلہ ہے تو قانون میں اس کی یہ وضاحت کرادی جائے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام و اہل بیت عظام کو کافر و زندیق کہنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے ایسے جرم کے مرتکب کو عدالت اپنی صوابدید پر سب کی سزاء سے زیادہ سزا سنانے کی مجاز ہے۔

شیخ حاکم علی صاحب نے مرکزی سیکرٹریٹ کے سنگ بنیاد اور تعمیرات کے کام سے تفصیلا" آگاہ کیا۔ حضرت مولانا محمد الیاس بالاکوٹی صاحب مدظلہ نے بلدیاتی الیکشن اور چیئرمین کے انتخاب اور مقامی حالات پر روشنی ڈالی میں نے ایجنسیوں کے اہلکاروں

اور جیل حکام کے سامنے ان حضرات کو بتایا کہ "مجھے اس جیل میں سخت ترین محاصرہ میں رکھ کر قید تنہائی کی اذیت کے ساتھ سب سے بڑی اس اذیت سے دو چار کیا جارہا ہے کہ صرف ایک دیوار کی دوسری جانب اسیران ناموس صحابہ سے ملاقات کی اجازت نہیں ہے۔ ان حضرات نے جیل حکام سے جب اس کی وضاحت چاہی تو انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اور میری تائید کرتے ہوئے بتایا کہ......... ہمیں اوپر سے ایسے ہی احکامات ملے ہیں اس موقعہ پر میں نے سپاہ صحابہ کی مذاکراتی ٹیم پر مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پیڈ پر مذاکراتی کمیٹی کو خراج تحسین پیش کیا اور ساتھ ساتھ وزیراعظم کی طرف سے علماء کمیٹی کے قیام کے فیصلہ کو سراہا اور الگ سے سپاہ صحابہ کے کارکنوں و عہدیداران کو ہدایت نامہ تحریر کیا کہ وہ محرم میں قیام امن کے لئے حکومت و انتظامیہ سے تعاون کریں تاکہ وطن عزیز کو تخریب کاری سے پاک رکھا جاسکے۔

اسیران ناموس صحابہ سے ملاقات اور ان کے باہمی اختلافات کو ختم کرا کے متفقہ طور پر امیر کی نامزدگی

جیل حکام مسلسل آٹھ دس روز تک "ٹرخاؤ" اور "وقت گزارو" پالیسی پر عمل پیرا رہے ہر صبح سے شام تک طفل تسلیوں اور وعدہ فردا سے کام چلاتے رہے....... لیکن....... ادھر میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا اور میں نے احتجاج کا معمولی سا قدم ہی اٹھایا...... کہ.......... اکثر پابندیاں کچے دھاگے کی طرح ٹوٹ گئیں۔ اسیر کارکنوں سے صرف ایک گھنٹہ ملاقات کا موقع بھی اس حالت میں ملا کہ وہ اپنے سیلوں میں بند رہیں گے اور ہر ایک سے بغل گیر ہوتے وقت دروازے کی سلاخیں

دونوں ملنے والوں کے سینے کے مابین حائل رہیں گی۔ مگر اگلے روز کھلے بندوں ملاقات ہوئی ایک اور ملاقات میں سب اسیران کو یکجا بٹھا کر خطاب کرنے کا موقع ملا چونکہ اسیران کے مابین اختلافات حد سے بڑھ چکے تھے جنہیں ختم کرانے کے لئے ایک ایسے خطاب کی ضرورت تھی جو دلوں سے کدورتوں' نفرتوں' حسد' بغض اور کینہ کا زنگ اتار دے۔ الحمدللہ ایک الہامی اور تاریخی خطاب سے تمام اسیران ایسے متاثر ہوئے کہ خطاب کے اختتام پر ہر اسیر ساتھی کھڑے ہوکر دوسرے ساتھیوں سے اپنی زیادتیوں پر معافی مانگنے اور آئندہ ہر قسم کے اختلاف سے دور رہنے کا عزم کرنے لگا۔ بفضل اللہ تعالیٰ دلوں کی صفائی کچھ اس انداز سے ہوئی کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن نظر آنے والے اب آگے بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے کو فرط محبت سے بے خودی کے عالم میں سینے سے لگا رہے تھے۔ اگلے چند دنوں میں مشورہ کے ساتھ محمد اکرم قریشی صاحب کو ان کا امیر اور ملک محمد ابراہیم کو ناظم مطبخ نامزد کردیا گیا۔ اس باہمی اتحاد کی برکت سے دس محرم الحرام کو شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا کے پس منظر پر ڈیڑھ گھنٹہ کا ایسا مفصل خطاب ہوا جس نے احرار پارک جھنگ میں ہونے والی سالانہ کانفرنس کی یادیں تازہ کردیں۔

اس جیل میں مندرجہ ذیل نوجوان ساتھی وقت اسیری گزار رہے ہیں۔

حاجی منیر احمد شاہد سابق چیئرمین بلدیہ جھنگ و موجودہ کونسلر بلدیہ جھنگ' محمد اکرم قریشی' ملک محمد ابراہیم' رانا عبدالمالک' محمد اسلم' نسیم صدیقی' عبداللطیف عرف خانو گادھی' طالب حسین قیامت' محمد سرور زمان' محمد خلیل' محمد الطاف' محمد دلشاد' محمد رمضان اظہر بشیر' حفیظ اللہ' محمد مظہر بھٹی' طارے خان' محمد رمضان عرف مان اور درج ذیل چار حضرات نظر بند تھے جو رہا ہو چکے ہیں۔ مولانا فیض اللہ' مشتاق احمد' چاچا مہر اقبال' حافظ محمد بابر' ان اسیران کی خدمت پر مامور محمد مبشر' محمد علی' محمد اعظم' حافظ

طالب حسین ہیں۔ اور خود میری خدمت پر ذوالفقار عرف ٹینی مامور ہے۔

تازہ ترین صورت حال

اس جیل میں آمد پر مجھے اور افسران بالا کو یہی گمان تھا کہ جونہی عاشورہ محرم ختم ہو گا رہائی کا پروانہ آجائے گا۔ کیونکہ آٹھ محرم کو وزیر اعلیٰ پنجاب نے قائدین سپاہ صحابہ سے ملاقات کرکے امن و امان کے قیام کے لئے بھرپور تعاون کی درخواست کرتے ہوئے یہاں تک کہا کہ "اگر عاشورہ کا دن بخیریت گزر گیا تو میں آپکا غلام بن کر آپکی خدمت کروں گا" پھر سب نے دیکھا کہ سپاہ صحابہ کے بھرپور تعاون سے یہ ایام پر امن فضاء میں گزر گئے۔ اب قائدین سپاہ صحابہ اور ساری دنیا اس انتظار میں تھی کہ کسی وقت بھی حکمران میری رہائی کا اعلان کریں گے۔ مگر

وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہوگیا

کے مصداق اس وقت محرم کو گزرے بھی تین ماہ ہونے کو ہیں حکمران نہ صرف یہ کہ میری رہائی کی بات تک سننے کو تیار نہیں بلکہ ان طوطا چشموں نے ایک مرتبہ پھر انتقام پر مبنی اوچھے ہتھکنڈوں کا استعمال شروع کردیا ہے۔ کہیں مجھ پر سنگین نوعیت کے مزید جھوٹے مقدمات ڈالنے کے منصوبے بنائے جارہے ہیں تو کہیں ایسے ایسے معمولی نوعیت کے مقدمات کی سماعت کا ڈھونگ رچایا جارہا ہے جن کی کل سزا بھی اگر سنائی جائے تو ایک ماہ کی قید سے زیادہ نہ ہوگی۔

ادھر جیل حکام کو خصوصی ہدایات دیکر قید تنہائی کے حکم پر سختی سے عمل درآمد کراکر باقی اسیران سے دور رکھنے اور بچوں تک سے ملاقات میں روڑے اٹکانے کا شرمناک سلسلہ شروع کردیا گیا ہے۔

مجھ پر ڈالے گئے مقدمات کی تفصیل اور تازہ صورتحال

نمبر شمار	تفصیل مقدمہ	کیفیت
1	مقدمہ نمبر 158/95 بجرم 148/149' 302/324 قائم پور تھانہ ضلع بہاولپور	ہائی کورٹ سے ضمانت ہو گئی
2	مقدمہ نمبر 29/95 بجرم 109/34' 302/324 تھانہ دانیال وہاڑی	ہائی کورٹ سے ضمانت ہو گئی
3	مقدہ 431/94 بجرم 149/109' 436/148' 302/324 سرائے عالم گیر جہلم	ایڈیشنل سیشن جج خالد میاں نے ضمانت لے لی
4	مقدمہ 246/92 بجرم 295/A 16 MPO ڈیرہ غازی خان	" " "
5	مقدمہ 209/94 بجرم 295/A 16 MPO سٹی سرگودھا	" " "
6	مقدمہ نمبر 128/95 بجرم 295/A 16 MPO نور پور خوشاب	" " "
7	مقدمہ نمبر 305/92 بجرم 295/A 16 MPO لوہاری گیٹ ملتان	" " "

8	مقدمہ نمبر 237/91 بجرم 16MPO/188 سٹی کبیر والا ضلع خانیوال	ہوم سیکرٹری پنجاب نے میرے زخمی ہونے اور ایم پی اے منتخب ہونے کے بعد واپس لے لیا۔
9	مقدمہ نمبر 197/92 بجرم " " " کبیروالہ ضلع خانیوال	مندرجہ ذیل تمام مقدمات کی ضمانتیں ایڈیشنل جج میاں خالد نے لے لی تھیں
10	مقدمہ نمبر 352/94 بجرم " "حاصل پور ضلع بہاولپور	" " " "
11	مقدمہ نمبر 504 بجرم " " " حاصل پور	" " " "
12	مقدمہ نمبر 246/91 بجرم 16MPO صدر رحیم یار خان	" " " "
13	مقدمہ نمبر331/91 بجرم " " "فیکٹری ایریا سرگودھا	" " " "

پندرہ ماہ کی طویل اسیری اور حضرت فاروقی شہیدؒ کے ہمراہ بم دھماکہ میں زخمی ہونے کے بعد اسیری کی حالت میں ایم پی اے منتخب ہو کر حلف اٹھانے کے بعد مندرجہ بالا تیرہ مقدمات سے فارغ ہو کر 23 فروری 1997ء کو رہا ہو کر جھنگ پہنچا۔

6 مئی 1997ء کو دوبارہ گرفتار کر کے تین ماہ کی نظر بندی کے آرڈروں کے تحت مجھے چوہنگ کے ٹارچر سیلوں میں بند کر کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ 5/ اگست

1997ء کو تین ماہ کی نظر بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد مندرجہ ذیل مقدمات ڈال دیئے گئے۔

نمبر شمار	تفصیل مقدمہ	کیفیت
1	مقدمہ 55/5-2-91 بجرم 149/148، 302/436 ت پ /109 تھانہ سٹی جھنگ	عدالت نے باعزت بری کر دیا
2	مقدمہ 85/5-4-95 بجرم 302/324، 337A/11.B، 109/34 تھانہ سٹی جھنگ	ضمانت ہوگئی
3	مقدمہ 233/4-9-94 بجرم 188/ ت پ تھانہ سول لائن لاہور	ضمانت ہوگئی
4	مقدمہ 55/2-2-93 بجرم 153/A، 16/MPO تھانہ سٹی شیخوپورہ	ضمانت ہوگئی
5	مقدمہ 158/23-2-95 بجرم 13/20/65 A --11.B تھانہ کوتوالی جھنگ صدر	ضمانت ہوگئی
6	مقدمہ 233/8-2-94 بجرم 295/A، 16/MPO ت پ تھانہ کوتوالی جھنگ صدر	ضمانت ہوگئی

7	مقدمہ 726/28-9-95 بجرم 295/A، 337H/11-B، 16/MPO تھانہ کوتوالی جھنگ صدر	ضمانت ہوگئی
8	مقدمہ 716/27-9-95 بجرم 295/A، 16/MPO تھانہ کوتوالی جھنگ صدر	ضمانت ہوگئی
9	مقدمہ 702/12-9-95 بجرم 337H/11.B، 16/MPO، 188 تھانہ کوتوالی جھنگ صدر	ضمانت ہوگئی
10	مقدمہ 164/25-2-95 بجرم 3-AF/188 " " "	عدالت نے بری کردیا
11	مقدمہ 739/14-10-95 بجرم 188 " " "	ضمانت ہوگئی
12	مقدمہ 265/7-10-91 بجرم 295/188، 16/MPO تھانہ سٹی کمالیہ	ضمانت ہوگئی
13	مقدمہ 171/30-3-94 بجرم 16/MPO تھانہ سٹی مظفرگڑھ	ضمانت ہوگئی
14	مقدمہ 96/25-4-94 بجرم 295/A، 188، 6/MPO تھانہ	

	فاضل پور ضلع راجن پور	ضمانت ہوگئی
15	مقدمہ 293/2-10-91 بجرم 16/MPO تھانہ کوٹ مومن سرگودھا	ڈسچارج ہوگیا
16	مقدمہ 79/25-5-91 بجرم 295/A تھانہ سٹی علی پور ضلع مظفرگڑھ	ضمانت ہوگئی
17	مقدمہ 89/2-5-91 بجرم 16/MPO‘188‘153-A تھانہ کینال خوشاب	ضمانت ہوگئی
18	مقدمہ 163/16-8-92 بجرم 16/MPO ‘295/A ‘153/A تھانہ سٹی بھکر	ضمانت ہوگئی
19	مقدمہ 407/5-10-95 بجرم 13-20/65 ‘ 16-20/65 ‘ 11-B.A تھانہ گلبرگ فیصل آباد	ڈسچارج ہوگیا
20	مقدمہ 67/8-6-93 بجرم A 188/298 تھانہ رنگوائک	ضمانت ہوگئی
21	مقدمہ 226/10-9-94 بجرم 506-188 ‘ 16/MPO تھانہ قریشی مظفرگڑھ	ضمانت ہوگئی

(نوٹ) اس آخری مقدمہ کی ضمانت مورخہ 11 مارچ کو ہوگئی تھی لیکن رہائی روکنے کے لئے روبکار کو راستہ میں روک لیا گیا اور ڈیڑھ ماہ گزرنے کے باوجود تاحال وہ روبکار نہیں پہنچی ہے۔

فیصل آباد سنٹرل جیل میں منتقل کئے جانے کے بعد مندرجہ ذیل مقدمات بھی ڈال دیئے گئے۔

22 مقدمہ 60/93 بجرم 188/151، 149/148، 16/MPO

20/65-13 تھانہ صدر گجرات

23 مقدمہ 165/92 بجرم 295/16/MPO تھانہ سٹی چکوال

یہ مقدمات محض اس وجہ سے مجھ پر ڈالے گئے کہ مجھے جیل رکھے جانے کا جواز ثابت کیا جاسکے ورنہ 16MPO جیسے مقدمات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

دوران اسیری ساڑھے پندرہ ہزار خطوط کے جوابات تحریر کئے

چار سال کے عرصہ اسیری میں میری مصروفیات کا ایک بڑا حصہ اندرون اور بیرون ملک سے آنے والے خطوط کا پابندی سے جواب لکھنے میں صرف ہوتا رہا۔ جتنا عرصہ حضرت قائد کے ساتھ رہا اس وقت اپنے نام آمدہ خطوط کے علاوہ بعض اوقات حضرت قائد شہید کے نام آمدہ خطوط کے جوابات لکھنا بھی میری ذمہ داری میں شامل تھا پھر جب دوبارہ گرفتاری ہوئی اور ملاقات پر بالکل ہی پابندی لگ گئی تو باہر کی دنیا سے رابطہ صرف اور صرف خط و کتابت کے ذریعے رہ گیا یہ بات تحدیث بالنعمتہ

کے طور لکھتا ہوں کہ اگر کسی بچے نے بھی مجھے لکھا ہے تو میں نے اس کا جواب ضرور لکھا ہے۔ پانچ یا اس سے کچھ زائد تعداد ان خطوط کی ہے جن کا میں نے قصدا" جواب نہیں دیا کیونکہ میرے دو جملوں پر مشتمل جواب سے بھی جماعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ یا ان خطوط کا جواب نہ دیا جاسکتا تھا جن پر واپسی کا ایڈریس تحریر نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اوسطا" روزانہ بیس سے پچیس خطوط تک موصول ہوتے رہے اور ان کا جواب بھی اگلے روز پوسٹ کردیا جاتا تھا۔ اس طرح کافی محتاط اندازہ کے مطابق میں نے اس وقت تک قریبا" ساڑھے پندرہ ہزار خطوط کے جوابات تحریر کئے ہیں۔

اگرچہ میں اس موقع پر ایسے مشائخ عظام علماء کرام اسیران ناموس صحابہ محسنین و معاونین سپاہ صحابہ اور مدارس عربیہ کے سینکڑوں طلباء و سکول کالج کے سٹوڈنٹس کے اسماء گرامی کا مکمل ریکارڈ اپنے پاس رکھتا ہوں لیکن طوالت کے ساتھ ساتھ اس خدشہ کے پیش نظر اسے کتاب کا حصہ نہیں بنا رہا ہوں کہ اگر چند احباب کے اسماء گرامی فروگزاشت کا شکار ہو گئے تو انہیں شکایت ہو گی اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کتاب شائع ہونے کے بعد دشمنوں کے علاوہ ایجنسیوں کے اہلکاروں کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے تو ایسے مخلص احباب خواہ مخواہ نشانہ بن جائیں گے۔

قائد سپاہ صحابہ علامہ علی شیر حیدری شخصیت و کردار

بانی سپاہ صحابہ امیر عزیمت مولانا حق نواز شہیدؒ کی جدائی کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ بس اب سپاہ صحابہ کا وجود چند دنوں کا مہمان ہے جس طرح تاریخ کی کتب سے ثابت ہے کہ بڑی بڑی تحریکوں کے بانیوں کی رحلت کے بعد ان کے احباب و رفقاء اپنی قیادت و سیادت کی جانشینی سے قاصر رہے اور میرکارواں کی خصوصیات سے تہی دامن ہونے کے باعث قافلہ حق و صداقت کو منزل کی طرف بڑھانے میں کامیاب نہ

ہوئے اسی طرح سپاہ صحابہ بھی حوادث و مشکلات کی وادیوں میں کھو کر رہ جائے گی لیکن نصرت الہی اس جماعت پر سایہ فگن تھی اور سپاہ صحابہ سے قدرت عظیم مشن کی تکمیل کا فیصلہ کئے ہوئے تھی اس لئے امیر عزیمت کی شہادت کے بعد قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا ضیاء الرحمان فاروقی شہیدؒ کی امارت و قیادت اسے نصیب ہو گئی۔

حضرت فاروقی شہیدؒ گوناں گوں خوبیوں کا مجسم پیکر اور خطابت وادب کی دنیا کے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک تھے اور کارکنوں کے دکھ درد میں ہر لمحہ شریک ہونے اور "باخبر رہنے باخبر رکھنے" کے اصول پہ کاربند ہونے کے باعث بہت جلد مشن حق کو اقصائے عالم میں پھیلانے اور حکومت کے ایوانوں و افسر شاہی کے حلقوں میں اپنا مئوقف' نصب العین منوانے میں کامیاب ہو گئے وہ جس میدان میں بھی اترے کامیابی انکا مقدر رہی۔ جس مباحثہ یا مکالمہ میں شریک ہوئے شرکاء محفل ان کے پرستار بن گئے جس سٹیج پر کھڑے ہوئے سامعین ان کے گرویدہ ہوتے چلے گئے۔ جب تک آزاد فضاؤں میں سانس لیتے رہے محراب و منبر سے لیکر ایوان بالا تک ان کی صدا گونجتی رہی اور جب وہ پابند سلاسل کردیئے گئے۔ تو ان کے قلم نے تالیف و تصنیف کے میدان میں اس طرح دوڑنا شروع کیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ صرف چودہ ماہ میں ہی دو درجن سے زائد ضخیم کتب و تنظیمی لٹریچر کا انبار لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ چونکہ علم الہی میں یہ بات تھی کہ اب جانشین امیر عزیمت کی زندگی کے لمحات بہت کم باقی رہ گئے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اسیری کی شکل میں یہ توفیق بخشی کہ وہ قلیل مدت میں اتنا بڑا کام کرجائیں۔ جس سے صدیوں تک امت مستفید ہوتی رہے۔

قائد ملت اسلامیہ حضرت فاروقی شہیدؒ کے بعد ایک مرتبہ پھر قیادت کا ایسا خلا پیدا ہو گیا جسے پر کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔

جب سپاہ صحابہ کی مجلس شوریٰ نے جماعت کی قیادت و امارت کا تاج مناظر اہل سنت نمونہ اسلاف، مرد درویش، خزینہ علم و عرفان، حضرت مولانا علی شیر حیدری کے سر پر رکھا تو ہر شخص کی زبان سے بے ساختہ "حق بہ حق دار رسید" کا جملہ برآمد ہوا۔

جماعت کے سرپرست منتخب ہونے کے بعد آپ نے مشائخ عظام، دینی، مذہبی و سیاسی شخصیات سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر کے انہیں سپاہ لی سرپرستی پر آمادہ کرنے اور بعض وجوہات کے باعث سپاہ صحابہ اور ان علمی و دینی شخصیات اور عزت ماب بزرگوں کے مابین جو بعد پیدا ہوتا چلا جارہا تھا۔ اسے قربت اور محبت میں تبدیل کردیا س کے بعد انہوں نے سپاہ صحابہ کی نمائندگی ایسے اہم اجلاس میں کی جس میں وزیراعظم، وزیراعلیٰ اور انتظامیہ و پولیس کے بالاحکام موجود ہوتے تھے۔ بحمد للہ تعالیٰ وہ اپنا مؤقف صرف بیان کرنے ہی نہیں بلکہ تسلیم کرانے میں بھی کامیاب ہوئے یہاں تک کہ سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ سید سجاد علی شاہ کے سامنے کھل کر سپاہ صحابہ کے اغراض و مقاصد کو مؤثر انداز میں بیان کیا اور پھر علماء بورڈ کے اجلاس میں شریک ہو کر شیعہ کی بیسیوں کتب پر پابندی عائد کرانے کا سہرا ان کے سر ہے۔ جب ہر میدان میں رافضیت ناکام ہوتی چلی گئی تو جنوری ۹۸ء میں لاہور کے مومن پورہ سانحہ میں ان کا نام ایف آئی آر میں درج کرا کر واویلا کرنے لگ گئی کہ انہیں گرفتار کیا جائے اور حکومت پنجاب بھی شاید غیر ملکی دباؤ میں حد سے زیادہ آجانے کے بعد میری اسیری کے باوجود انہیں گرفتار کرنے کو تیار ہوگئی۔ کئی ماہ تک چوہنگ جیسے بدنام زمانہ ٹارچر سیل میں انہیں بیڑیاں پہنا کر تفتیش کے مراحل سے گزارا گیا۔ جب کوئی الزام بھی ثابت نہ ہوا تو گوجرانوالہ کی جیل میں بھیج کر ایک لایعنی مقدمے میں تین سال قید کا فیصلہ سنا کر اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی کوشش کی۔

قید و بند کے یہ ایام قائد سپاہ صحابہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئے اور

انہوں نے صرف ساڑھے تین ماہ میں قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب اللہ کو حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر کے اکابر کی یاد تازہ اور ایک نئی تاریخ رقم کر دی پھر انہیں میانوالی جیل میں منتقل کر کے قید تنہائی کی اذیتوں سے گزارا گیا۔ لیکن ان کے پایہ ء استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ 31 مارچ 1999ء کو تیرہ ماہ کی قید و بند کے بعد وہ رہا ہو کر گھر جانے کی بجائے وزیر اعظم کے طلب کردہ اجلاس میں شریک ہوئے اور دس رکنی علماء کمیٹی کے رکن نامزد ہو گئے۔ 8/ اپریل کو انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کی سربراہی میں منعقدہ اجلاس میں شرکت کر کے اپنا مؤقف اس انداز سے پیش کیا کہ اگلے ہی روز دشمن حواس باختہ ہو کر اس کمیٹی کو چھوڑ بھاگا۔

سپاہ صحابہ کو اپنی قیادت کے کردار، علم و عمل، تقویٰ و للہیت اور جرات و بہادری پر ناز ہے اور اسیران ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی قیادت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کی درازی عمر کے لئے دعا گو ہیں۔

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے........

ویسے تو جیل میں خواہ قیدی کو صبح و شام دنیا بھر کی سہولتوں اور ہمہ قسم کی آسائشوں، راحتوں اور طرح طرح کے سامان تعیش سے مالا مال کر دیا جائے تو پھر بھی جیل جیل ہوتی ہے۔ بقول شاعر

آسائش لاکھ میسر ہو اسیری پھر اسیری ہے
چمن میں آ ہی جاتا ہے خیال آشیانہ بھی

غربت و افلاس، تنگ دستی اور ہزاروں مشکلات کے باوجود آزادی کا ایک لمحہ جیل کی پر عیش زندگی سے بہتر ہے۔ تاہم پھر بھی جیل کے اندر قیدیوں کے تین درجے ہوتے ہیں۔

(۱) C سی کلاس:۔ ہر ہر قیدی کا حق ہے یعنی زمین کا فرش اور لنگر کا کھانا۔ اگر کسی مقدمہ میں سزا ہو گئی ہے تو جیل کا مخصوص لباس پہننا اور مشقت کرنا یعنی جو کام ذمہ لگا دیا گیا ہے اسے سرانجام دینا۔

(۲) B بی کلاس:۔ یعنی چارپائی کی سہولت اور خدمت کے لئے ایک مشقتی کا ملنا جو کھانا وغیرہ تیار کر دے اور کپڑے وغیرہ دھو دے' صفائی کر دے' ملاقات کا ڈیوڑھی میں آمنے سامنے بیٹھ کر ہونا۔

(۳) A اے کلاس:۔ یعنی اعلیٰ رہائشی جگہ' کھانے پینے کی عمدہ سہولیات چارپائی اور ملاقات وغیرہ کی خاص سہولت۔

جیل قوانین کے مطابق گریجوایٹ تعلیم یافتہ یا زرعی زمین ایک مربع تک رکھنے والا یا انکم ٹیکس پابندی سے ادا کرنے والا شخص بھی B کلاس کا مستحق ہے۔ آج کل تو لوگ ہزار دو ہزار روپے خرچ کرکے ہوم سیکرٹری سے B کلاس منظور کرا لیتے ہیں۔ منتخب رکن اسمبلی کو اے کلاس دینا حکومت کی قانونی ذمہ داری ہے۔

لیکن آپ حیران ہوں گے کہ مجھے گزشتہ دو سال میں B کلاس دینے سے حکومت نے قصداً" انکار کیا۔ مجھے کہا جاتا رہا کہ آپ تحریراً" حکومت سے درخواست کریں۔۔۔۔ کہ مجھے B کلاس دی جائے..... میں نے ہمیشہ کہا...... کہ جسے کھڑا شخص نظر نہیں آتا اسے بیٹھا کیا نظر آئے گا۔ اگر حکومت کو خود احساس نہیں ہے تو الحمدللہ جس حالت میں جیل کاٹ رہا ہوں ایسی بے نیازی اور بے فکری سے تو اے کلاس والا شخص بھی نہیں کاٹتا ہے۔ لہٰذا میں حکمرانوں سے بھیک مانگنے کو تیار نہیں ہوں۔

22/ اپریل 1999ء کو حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی صاحب اور شیخ حاکم علی صاحب ملاقات پر آئے تو باتوں باتوں میں جب انہیں معلوم ہوا کہ مجھے B کلاس نہیں

دی گئی ہے تو وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ انہوں نے جیل حکام سے معلومات کیں تو جواب ملا کہ واقعی ایسا ہی ہے۔

اب جب ان حضرات کی 25/ اپریل 8 محرم کو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف صاحب سے ملاقات ہوئی تو ان حضرات نے وہاں مسئلہ اٹھایا چنانچہ اگلے ہی روز مجھے سپرنٹنڈنٹ صاحب نے خود میرے پاس آکر بتایا کہ آپ کی B کلاس آگئی ہے میں نے ازراہ تفنن پوچھا کہ آپ مجھے تحریراً بتائیں کہ اب مجھے کیا سہولتیں میسر ہوں گی۔ جیل انتظامیہ نے جو سہولتیں تحریر کرکے بھیجیں وہ نذر قارئین کرتا ہوں۔

(1) گھی 29 گرام (2) چینی 58 گرام (3) نمک 15 گرام (4) مرچ 6 گرام (5) پیاز 6 گرام (6) پتی 7 گرام (7) دال 117 گرام (8) گوشت بکرا 175 گرام (9) دودھ 350 گرام منگل اور بدھ گوشت کی جگہ تین تین انڈے۔

قارئین کرام! ایک بار پھر اس لسٹ کو پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ حکومت نے دو سال بعد کتنا بڑا احسان فرمایا ہے جبکہ میرا یومیہ خرچہ روزانہ اس سے پانچ گنا زیادہ ہے اور صرف میں ایک ہی نہیں ڈیوٹی پر ہر وقت چھ سات ملازم موجود ہوتے ہیں ان سب کو کھانا چائے وغیرہ ساتھ کھلانے کی عادت ہے۔ حکومت کی اس نوازش پر یہی کہہ سکتا ہوں۔

بڑی دیر کی مہرباں آتے آتے

ایڈیشنل آئی جی اسپیشل برانچ کی آمد

مئی کے شروع میں ایڈیشنل آئی جی اسپیشل برانچ کرنل جاوید صاحب کو وزیر اعلیٰ پنجاب مسٹر شہباز شریف نے میرے خیالات اور احساسات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ میرے ساتھ چار گھنٹے محو گفتگو رہے اور مجھے کریدتے رہے کہ میں رہائی

کی صورت میں باہر جا کر کیا کروں گا۔ نیز یہ کہ لشکر جھنگوی کے بارے میں میں حکومت کے ساتھ کیا تعاون کر سکتا ہوں۔

میں نے انہیں بتایا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ جن الزمات کے تحت اور جتنا عرصہ مجھے جیل میں رکھا جا رہا ہے ان الزمات کی کوئی حیثیت نہیں مجھے منتخب ممبر صوبائی اسمبلی ہونے کے باوجود 16 ایم پی او جیسے مقدمات میں جیل میں دھکیلا گیا اور صوبائی اسمبلی کے اجلاسات میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی گئی اور نہ ہی صدارتی الیکشن میں ووٹ کاسٹ کرنے کا حق دیا گیا۔ جیل قوانین کے مطابق عام قیدیوں کے علاوہ چوروں ڈکیتوں اور قاتلوں کو بھی جیل میں کچھ نہ کچھ حقوق حاصل ہیں جبکہ مجھے جائز حقوق اور مراعات سے بھی محروم رکھا گیا۔ مجھے تنظیمی احباب سے تو درکنار اہل خانہ اور معصوم بچوں سے بھی ملاقات کا حق حاصل نہیں کسی دوسرے قیدی کو ساتھ ملا کر نماز باجماعت کی ادائیگی سے بھی میں محروم ہوں۔ جہاں تک لشکر جھنگوی کی بات ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میرے بارے میں آپ کے پاس کوئی دلیل یا ثبوت موجود نہیں جس سے یہ ثابت کر دیں کہ میں نے کسی کو کسی کے قتل کی ترغیب دی ہے اگر آپ مجھے جھوٹا ثابت کر دیں تو میں آپ سے رہائی نہیں مانگوں گا۔ آپ کے پاس جیلوں میں ہمارے سینکڑوں ساتھی موجود ہیں اور ٹارچر سیلوں میں انہیں اذیت ناک مراحل سے گزارا جا رہا ہے کوئی ایک آدمی آپ ایسا لے آئیں۔ جو یہ کہہ دے کہ میں نے اسے کسی کے قتل کا حکم دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر میری بے گناہی اور کیا ہوگی؟ آپ روزانہ ٹی وی پر دکھاتے ہیں کہ فلاں آدمی پکڑا گیا اور اس نے بیان دیا کہ الطاف حسین کے کہنے پر اس نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے۔ اور الذوالفقار والے پکڑے گئے تو انہوں نے کہا کہ انہیں مرتضیٰ بھٹو نے فلاں شخص کے قتل کا حکم دیا تھا۔ تو کیا سپاہ صحابہ کا کوئی ایسا آدمی آپ کے پاس ہے جسے آپ پیش کریں اور وہ کہے کہ اسے مولانا

اعظم طارق نے فلاں موقع پر فلاں شخص کے سامنے یا تنہائی میں کسی شخص کے قتل کا حکم دیا۔ میرے یا میری تنظیم کے دیگر قائدین کے خلاف بھی آپ ایسا کوئی شخص سامنے نہیں لا سکتے۔ ہماری صوبائی لیڈر شپ کے خلاف بھی آپ کے پاس ایسا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ ہم تو آئینی جدوجہد کے قائل ہیں۔ (ایڈیشنل آئی جی کرنل جاوید صاحب اس دلیل سے بہت متاثر ہوئے۔ اور بعد میں انہوں نے کہا مولانا کی اس دلیل کا واقعی ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔)

باقی رہا یہ الزام کہ مولانا اعظم طارق لشکر جھنگوی کو چلاتے ہیں۔ تو لشکر جھنگوی کے امیر ملک محمد اسحاق اور غلام رسول شاہ سمیت ایک سو سے زائد کارکن آپ کی گرفت میں آ چکے ہیں' آپ نے ان پر خوفناک تشدد کیا۔ تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ان میں سے کسی نے مجھ پر اس طرح کا الزام عائد کیا ہو؟ اور میرا نام لیا ہو کہنے لگے جی نہیں! ان میں سے بھی کسی نے آپ کا نام نہیں لیا۔۔۔۔ میں نے کہا تو پھر ٹھیک ہے لشکر جھنگوی کے بارے میں اگر آپ مجھ سے تعاون چاہتے ہیں' تو مجھے رہا کر دیں اور میری رہائی کے بعد اگر میاں نواز شریف' شہباز شریف یا ان کے والد میاں محمد شریف سے آپ کی ملاقات ہو تو ایک کام یہ ضرور کریں کہ ان کی طرف سے ٹی وی' اخبارات وغیرہ کے ذریعے یہ اعلان کرائیں کہ سپاہ صحابہ کی پالیسی یا لیڈر شپ کا کسی قسم کی دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم نے تحقیق اور تفتیش کی ہے ہماری سالہا سال کی محنت کا نچوڑ یہ ہے کہ اگر سپاہ صحابہ کے بعض کارکنوں کی طرف سے کہیں کوئی واقعات پیش آئے ہیں تو وہ ان کا انفرادی فعل ہے۔ جماعتی نہیں! اگر وہ (شریف برادران یا ان کے والد) یہ کام کر دیں' اس کے بعد اگر آپ مجھ سے یہ کام لینا چاہیں کہ میں لشکر جھنگوی کو روکوں' ان کے لیڈروں کو تلاش کروں تو آپ یا حکومت تحریراً مجھے درخواست کریں۔ کہ "آپ مہربانی کریں' ملک و قوم کے مفاد کے لئے حکومت

اور لشکر جھنگوی کے درمیان رابطے کا کام دیں اور مفاہمت کرائیں' ان کے جائز مسائل ہم حل کرتے ہیں تاکہ ملک میں مستقل امن قائم ہو"۔

حکومت مجھ سے تحریری طور پر درخواست کرے تو میں لشکر جھنگوی کے قائدین سے رابطہ کر کے انہیں اعتماد میں لے کر آپ کے درمیان مفاہمت کرا سکتا ہوں تحریری درخواست اس لئے ضروری ہے کہ کل کلاں آپ کے کہنے پر ہم لشکر والوں سے ملنے کی کوشش کریں تو آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ "دیکھا ہم نے نہ کہا تھا کہ ان کا آپس میں تعلق ہے"۔

ایڈیشنل آئی جی صاحب چلے گئے ان کے جانے کے بعد یوں محسوس ہوتا تھا کہ بس اب پانچ سات دن میں رہائی ہو جائے گی لیکن اس واقعہ کے بعد بھی دو ماہ گزر گئے اور رہائی کے کوئی آثار بھی نظر نہ آتے تھے اس دوران مولانا ضیاء القاسمی صاحب کو ماہ صفر کے پہلے عشرے میں ٹیلی فون کے ذریعے حکمرانوں کا پیغام ملا کہ اتوار کے روز مذاکرات کریں مولانا نے کہا کہ میں سالانہ اعتکاف کی وجہ سے مصروف ہوں۔ اس اتوار کو نہیں آسکوں گا انہوں نے کہا چلو اگلے اتوار کو آجائیں چنانچہ پروگرام طے ہو گیا لیکن اتوار سے دو دن قبل شریف زادوں نے پھر ملتوی کر دیا اس کے بعد ہماری طرف سے مسلسل رابطہ کی کوششیں ہوتی رہیں۔ اور پیغام دئے جاتے رہے۔ کہ ملاقات کا وقت دیں آپ نے تفتیش مکمل کرلی ہے لیکن اس طرف مکمل خاموشی اور گہرا سکوت چھا گیا۔

یہی انصاف روا ہے تیری عدالت میں؟

سپاہ صحابہ کے قائدین حکمرانوں سے ملاقات کا وقت مانگتے تھے' جواب میں انہیں ٹرخا دیا جاتا تھا ملاقات کی خواہش کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میری رہائی کی بھیک

مانگی جاتی۔ مجھے بے گناہ جیل میں رکھا جارہا تھا میرا کوئی قصور نہیں تھا کوئی جرم نہیں تھا عدالتیں بار بار مجھے ضمانت پر رہا کرنا چاہتی تھیں لیکن ایسا نہیں ہونے دیا جارہا تھا۔ یہ میرے ساتھ........ ایک منتخب قومی نمائندے کے ساتھ مسلسل زیادتی تھی کئی مرتبہ تو ہمارے قائدین کو یہ جواب ملا کہ جناب وزیر اعظم بے حد مصروف ہیں ان کے پاس وقت نہیں ہے کہ وہ آپ سے ملاقات کریں تب ہمارے احباب میں مایوسی پھیل گئی اور بعد میں تو اتنی مایوسی ہوئی کہ ساتھی کئی کئی دن تک روتے رہے۔ اگرچہ کوششیں اب بھی جاری تھیں، وزیر اعظم اور وزیر اعلیٰ کو مسلسل ٹیلی گرام بھیجے جارہے تھے اخبارات اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو متوجہ کرنے کا سلسلہ جاری رہا لیکن بہرحال مایوسی کی گھٹائیں چھا چکی تھیں۔ مجھے حالات کا علم ہوا کہ قائدین اپنی بے بسی کا واضح اظہار کررہے ہیں اور ملک گیر احتجاج کے بارے میں سوچا جارہا ہے۔

یاد رہے کہ یہ مئی اور جون 1999ء کے وہی ایام تھے، جن میں عدالتی فیصلوں اور عوامی خواہشات کے برعکس تین ایسے افراد کو جیلوں سے بلا جواز رہا کردیا گیا، جن کا وجود ملک و ملت کے لئے سخت خطرات اور نقصانات کا باعث تھا۔ یہ تین افراد نجم سیٹھی، یونس حبیب اور یوسف کذاب تھے ان کے جرائم اور گھناؤنے کردار کی تفصیلات کیلئے عزیزم مولانا ثناء اللہ سعد کے قلم سے نکلا ہوا ماہنامہ خلافت راشدہ ماہ جولائی 1999ء کا اداریہ ملاحظہ فرمائیے...... لکھتے ہیں۔

"گذشتہ ماہ کے دوران ملک عزیز میں تین نامی گرامی مجرموں کو جیلوں سے غیر قانونی طور پر رہائی ملی۔ ان کے جرائم کی نوعیت کے باوجود ان پر ارباب اقتدار کی شفقت کو عدل و انصاف کے اصولوں سے سراسر انحراف قرار دیتے ہوئے ہم اپنا احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے ہیں۔

ا:۔ نجم سیٹھی نامی ایک شخص پاکستان کے سب سے بڑے اشاعتی ادارے وین گارڈ کا

مالک اور مالکان اخبارات کی تنظیم اے پی این ایس کا رکن ہے۔ عقائد و افکار کے اعتبار سے انتہائی مکار اور چالاک قسم کا مرزائی ہے۔ اس شخص کی مسلمانوں سے کدورت چھپائے نہیں چھپتی۔ پاکستان دشمنی اس کے نظریات کا حصہ ہے۔ گذشتہ برس ۲۸ مئی کو پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے بعد اس کا لب و لہجہ تلخ سے تلخ ترین انداز میں پاکستان کی دفاعی پالیسیوں کے خلاف شعلے اگلتا رہا۔ یکم جنوری ۱۹۹۹ء کو اپنے اخبار فرائیڈے ٹائمز میں صدر پاکستان محمد رفیق تارڑ کے خلاف اس نے ایک مضمون کی سرخی جمائی

PRESIDENT MAY NOT BTTE OR BARK.

صدر نہ کاٹ سکتا ہے نہ بھونک سکتا ہے۔

اپریل ۹۹ء میں یہ شخص بھارت گیا۔ وہاں اس نے دہلی میں ایک تقریب (جو کہ بھارت کے سابق وزیر اعظم اندر کمار گجرال کی زیر صدارت منعقد ہوئی) میں خطاب کرتے ہوئے پاکستان کو بوکھلائی ہوئی قوم کی ریاست قرار دیتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو پتہ نہیں وہ کہاں کھڑا ہے۔ اس کی حیثیت کیا ہے' اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ جناح کا پاکستان ہے یا اقبال کا؟ اسے خطے کے دوسرے ممالک کے ساتھ اپنے تعلقات کا علم نہیں اس ملک کے عوام اپنی قومیت سے واقف نہیں کہ آیا وہ عربی ہیں یا ایرانی' وسطی ایشیائی' یا افغانی' نیز یہ کہ ہندوستان کو کسی ایک ایسے ملک سے مذاکرات نہیں کرنے چاہئیں۔ جس نے بہت زیادہ عرصہ رہنا ہی نہیں ہے (یاد رہے کہ مرزائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرزا غلام قادیانی کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود کی پیشین گوئی کے مطابق پاکستان اور ہندوستان کی تقسیم عارضی ہے اور بہت جلد پاکستان دوبارہ ہندوستان میں مدغم ہو جائے گا"۔ الغرض اس نے پاکستان دشمنی کی انتہا کر دی۔ اور وہ کچھ کہا جو بھارتی دانشور بھی نہ کہہ سکے۔ دہلی سے پاکستانی ہائی کمشنر اشرف جہانگیر قاضی نے اپنے دستخطوں کے

ساتھ اس کی مذکورہ تقریر اور ملک دشمن سرگرمیوں پر مشتمل آٹھ صفحات کی رپورٹ پاکستان بھجوائی۔ چنانچہ جب یہ شخص پاکستان لوٹا تو آئی بی نے اس کو گرفتار کر کے آئی ایس آئی کے حوالے کر دیا۔ لیکن چند روز بعد اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ نجم سیٹھی رہا کر دیا گیا ہے..... لیجئے قصہ پاک ہوا!

(۲) ۱۹۹۵ء میں مہران بینک سکینڈل بڑے شور و غوغا کے ساتھ منظر عام پر آیا تھا اس کے مرکزی کردار مہران بینک کے یونس حبیب نامی صاحب تھے جنہوں نے بینک کے کروڑوں روپے ڈکار لئے تھے۔ یہ ملکی تاریخ کا اہم ترین یا شاید سب سے بڑا مالیاتی سکینڈل تھا۔ یونس حبیب کو گرفتار کیا گیا۔ عدالت نے اسے چودہ سال قید کی سزا سنائی۔ چالاک اور عیار ترین یونس حبیب لوٹی ہوئی دولت کے بل بوتے پر جیل میں شاہانہ انداز میں رہنے لگا۔ تین سال ابھی بمشکل ہوئے تھے کہ اچانک ایک دن خبر اڑی کہ یونس حبیب رہا ہو گیا ہے۔

معاصر عزیز ہفت روزہ تکبیر لکھتا ہے۔

”نواز شریف حکومت جس کا نعرہ صرف اور صرف احتساب ہے۔ یونس حبیب جیسے سزا یافتہ قیدی پر اچانک کیوں مہربان ہو گئی؟ احتساب بیورو کے سربراہ سینٹر سیف الرحمان سے ہونے والی ملاقاتوں میں کیا طے پایا؟ فی الحال اس کی تفصیلات تو سامنے نہیں آ سکیں۔ مگر کہا جاتا ہے کہ یونس حبیب کی ایک چھوٹی ڈائری جس میں سیاستدانوں کو رقم دینے کی تفصیل اور اکاؤنٹ نمبر درج ہیں امکان ہے کہ سماعت کے دوران سپریم کورٹ میں پیش کر دی جائے۔ اسی اندیشے نے احتساب بیورو کی اہم شخصیت کو یونس حبیب پر مہربان ہونے پر مجبور کیا۔ یونس حبیب کو اگر مشہور و معروف ”آئی ایس آئی“ کیس میں طلب کر لیا گیا۔ اور وہاں یونس کی زبان پھسل گئی تو حکمران جماعت سمیت کئی اہم سیاستدانوں کی قسمت خراب ہو سکتی ہے اور کئی خفیہ رازوں

سے پردہ فاش ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل درانی، سابق وزیر داخلہ، وزیر اعظم نواز شریف اور سابق صدر فاروق لغاری پر بھی الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے 1990 کے انتخابات کے موقع پر یونس حبیب کے ذریعے تقسیم کئے گئے خفیہ فنڈز میں سے بھاری رقمیں وصول کی ہیں"

چند سطور کے بعد ہفت روزہ تکبیر سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کے حوالے سے لکھتا ہے۔

"انہوں نے کہا کہ یونس حبیب کو نواز شریف حکومت نے 19 مئی کو عدالت عظمیٰ میں شروع ہونے والی کاروائی سے قبل صرف اس لئے رہا کیا ہے کہ اگر عدالت یونس حبیب کو طلب کرے تو وہ اپنی زبان بند رکھے"(ہفت روزہ تکبیر کراچی ۲۰ مئی ۱۹۹۹ء ص ۱۹)

ہم نہیں سمجھتے کہ ان انکشافات کے بعد بھی یونس حبیب کے مسئلہ پر کچھ کہنے کی ضرورت باقی ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت نے اپنا جرم چھپانے کے لئے اتنے بڑے قومی مجرم کو رہائی دے کر عدل و انصاف کا خون کیا اور آئندہ کے لئے ایسے ننگ ملت افراد کے حوصلے بلند کر دئے ہیں۔

(۳) اب آیئے ایک اور رسوائے زمانہ انسان، قذاق ختم نبوت یوسف علی کے کیس کی طرف، یوسف علی پاکستان آرمی میں سابق صدر پاکستان ضیاء الحق مرحوم کی بٹالین میں کیپٹن رہ چکا ہے۔ فوج میں یہ شخص مذہبی سوچ کا حامل اور ذکر و عبادت میں مشغول رہنے کی بناء پر ضیاء الحق شہید کی قربت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ ضیاء الحق مرحوم جب چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کی صدارت کے منصب پر براجمان ہوئے تو اس نے صدر صاحب سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ باقی زندگی مدینہ منورہ میں گنبد خضراء کے سائے میں گزارنا چاہتا ہے، چنانچہ مرحوم صدر

نے اسے وی آئی پی حیثیت کے ساتھ مدینہ منورہ بھجوا دیا۔ صدر صاحب کے ساتھ اس کے تعلقات بہت گہرے ہو چکے تھے۔ اس نے ان تعلقات کو خوب کیش کیا اور مرحوم صدر کو حضور اکرم ﷺ سے منسوب کردہ بشارت دی کہ وہ نوے دنوں کے اندر اندر انتخابات کرانے کی بجائے پاکستان میں نفاذ اسلام تک اقتدار کسی اور کے سپرد نہ کریں۔ افواج پاکستان کے افسران بالا اور سول طبقات کے افراد کی ایک خاطر خواہ تعداد صدر پاکستان کے اس کے ساتھ عقیدت مندانہ مراسم کو دیکھتے ہوئے "الناس علی دین ملوکھم" کے تحت اس کے حلقہ ارادت میں شامل ہونے لگی۔ مرحوم کی شہادت کے بعد اس نے پاکستان میں اپنے حلقہ ارادت پر اپنی گرفت مضبوط کی اور مریدین کو یہ باور کرانا شروع کیا کہ وہ موجودہ زمانے میں "محمد" بن کر نمودار ہوا ہے۔ قرآن مجید میں اصلاح کی غرض سے شرارتی آیات مٹا کر دنیا میں امن قائم کرے گا۔ اس کے ساتھ 100 صحابہ موجود ہیں۔ نیز یہ کہ جو بھی اس کی بیعت کرے گا اسے حضور ﷺ کی زیارت کھلے عام کرائی جائے گی۔ جب مریدین و شائقین اس سے حضور ﷺ کی زیارت کا مطالبہ کرتے تو یہ واضح کہتا کہ میری طرف دیکھو تمہارے سامنے محمد ﷺ بیٹھے ہیں۔(معاذ اللہ)اس کی دین دشمنی اور گمراہ کن سرگرمیوں کی اطلاع جب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے سیکرٹری جنرل مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی کو ہوئی تو انہوں نے اس کی آڈیو ویڈیو کیسٹیں اور دیگر شواہد اکٹھے کرنے کے بعد اس کے خلاف 295 سی کے تحت توہین رسالت کا مقدمہ درج کروا دیا۔ چنانچہ 10اپریل 97ء کو یوسف علی کی گرفتاری عمل میں آئی۔ اور اسے ساہیوال جیل پہنچا دیا گیا۔ پھر اڈیالہ جیل راولپنڈی منتقل ہوا مسلمانان پاکستان کو توقع تھی کہ جھوٹا مدعی نبوت اپنے عبرت ناک انجام تک پہنچایا جائے گا۔ لیکن حیرت کی انتہا نہ رہی کہ چیف جسٹس ہائی کورٹ جناب راشد عزیز صاحب کی عدالت میں کیس کی سماعت کے

دوران ایڈیشنل ایڈوکیٹ جنرل مسز یاسمین سہگل نے عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ ملزم چونکہ دو سال سے قید ہے لہٰذا اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔ چیف جسٹس صاحب کے استفسار پر کہ آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں۔ مسز یاسمین سہگل نے کہا کہ حکومت کی جانب سے ایڈوکیٹ جنرل نے مجھے یہ ہدایات دی ہیں۔...... چنانچہ قذاق ختم نبوت یوسف کذاب کی ضمانت منظور کرلی گئی اور بعد ازاں اسے رہا کردیا گیا۔

ہمارے اور پوری قوم کے نزدیک یہ تینوں اشخاص بالترتیب ملک و ملت اور عقیدہ ختم نبوت کے قذاق اور قرار واقعی سزا کے مستحق تھے جبکہ حکمرانوں نے ملکی' قومی اور دینی مفادات کو پس پشت ڈالتے ہوئے ان پر نوازشات کی بارش برسائی۔

ان کے برعکس مولانا محمد اعظم طارق کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے ایک ایسا باعمل' شب زندہ دار اور باکردار عالم دین' جو ناکردہ گناہوں کی پاداش میں گزشتہ پانچ سال سے پے در پے حکومتی انتقام کے مختلف مراحل سے گزر رہا ہے ملکی عدالتیں اسے کئی مقدمات میں بے گناہ قرار دے کر ضمانتیں منظور کر چکیں۔ اور اکثر مقدمات میں انہیں بری قرار دے چکی ہیں۔ لیکن گزشتہ پانچ ماہ سے اسے بالکل بلاجواز قیدو بند کی صعوبتوں سے دوچار کیا جارہا ہے۔ لاکھوں عقیدت مندوں اور کارکنوں کا تو ذکر ہی کیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اہل خانہ و ذاتی احباب تک سے ملاقات کی سہولت سے محروم رکھ کر اپنی آتش انتقام بجھائی جارہی ہے۔ پہلے پہل گزشتہ عید الاضحیٰ سے کچھ دنوں بعد رہائی کا وعدہ کیا گیا۔ پھر محرم الحرام تک بات جا پہنچی۔ اہملکی سرحدوں کی صورتحال اور وزیراعظم کی مصروفیات کو بطور عذر پیش کیا جارہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایک بے گناہ کی رہائی میں اس قدر تاخیر کیوں؟ اس کا شرعی اخلاقی اور قانونی جواز کیا ہے؟ کیا وزیراعظم صاحب بذات خود ملکی سرحدوں پر پہرہ دے رہے

ہیں' اور ان کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں کہ جیل حکام کو مولانا کی رہائی کے آرڈر جاری کر سکیں؟----- یہ وہ سوالات ہیں جو کارکنوں کے اذہان میں گردش کر رہے ہیں اور ایک لاوا سا پکتا چلا جا رہا ہے۔ جس کے نتائج یقیناً" بھیانک ہوں گے۔

سرحدوں کی صورتحال اور سروں پر منڈلاتے ہوئے جنگ کے بادلوں کے پیش نظر ہم جناب وزیر اعظم سے یہی گزارش کریں گے کہ حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے مولانا کو فورا" رہا کریں تاکہ خدانخواستہ جنگ مسلط ہو جانے کی صورت میں سپاہ صحابہ کے لاکھوں کارکنوں کے قلوب و اذہان میں ارباب حکومت سے کدورت کے جذبات کی بجائے ولولہ تازہ پیدا ہو۔ اور جرنیل سپاہ صحابہ اپنے جانبازوں کو محاذوں پر بھارتی فوج کے خلاف لڑا سکیں"۔



ٹوٹ گئی زنجیر

میری رہائی کے بارے میں حکومت کی پالیسی نا قابل فہم تھی اور ارباب حکومت عملاً ثابت کر چکے تھے کہ وہ اس موضوع پر کچھ سننے کے بھی روادار نہیں کہ اچانک کفر "ٹوٹا خدا خدا کر کے" کے مصداق 7 جولائی بروز منگل وزیر اعظم ہاؤس سے ٹیلی فون کے ذریعہ سپاہ صحابہ سپریم کونسل کے چیئرمین مولانا محمد ضیاء القاسمی کو یہ پیغام موصول ہوا کہ آپ کل بروز جمعرات ملاقات کیلئے تشریف لائیں چنانچہ اگلے روز مولانا کی قیادت میں سپاہ صحابہ کا ایک اعلیٰ سطحی وفد رائیونڈ پہنچا میاں محمد شریف صاحب سے آمنا سامنا ہوا ہمارے ساتھیوں نے محرم الحرام میں امن و سلامتی اور آٹھ جون کو مری میں منعقد ہونے والے علماء بورڈ کے اجلاس میں طے پانے والے فیصلوں پر دستخط کو اپنے مخلصانہ تعاون کی دلیل کے طور پر پیش کیا حالانکہ یہ فیصلے ہمارے لئے سراسر نقصان دہ تھے لیکن ہمارے قائدین نے انہیں پڑھے بغیر دستخط کر دیئے تھے اور پھر نہائت ثابت قدمی کے ساتھ ان فیصلوں پر ڈٹ بھی گئے تھے جبکہ ہمارے مخالفین نے ایک بار پھر راہ فرار اختیار کر لی تھی۔ اپنے اور بیگانے سب نے یہ بات تسلیم کی کہ سپاہ صحابہ اپنے وعدوں اور معاہدوں کی پاسداری کرتی ہے۔ چنانچہ میاں محمد شریف نے ان تمام دلائل کو توجہ سے سنا اور سمجھا............ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف ان دنوں امریکی صدر بل کلنٹن سے شرف ملاقات حاصل کرنے کیلئے واشنگٹن گئے ہوئے تھے اس اجلاس میں انہیں شریک ہونا تھا۔ مگر وہ واشنگٹن سے واپسی پر ایک گھنٹہ لیٹ ہو جانے کی وجہ سے نہ پہنچ سکے۔ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے میری رہائی کے احکامات جاری کئے۔

یہ ۸ جولائی جمعرات کا دن تھا دوپہر کے وقت ڈسٹرکٹ جیل کے اسسٹنٹ

سپرنٹنڈنٹ میرے پاس آئے' اور انہوں نے مجھے اس خبر سے آگاہ کرتے ہوئے مبارک باد دی۔ اور پھر آناً فاناً یہ خبر پوری جیل میں پھیل گئی اسیران سپاہ صحابہ نے بالخصوص اس خبر کا بھرپور خیر مقدم کیا میں نے بھی رہائی کی خوشی میں اپنے کپڑے کتابیں اور تمام اشیاء قیدیوں میں تقسیم کر دیں اور سپاہ صحابہ کے اسیروں نے اپنی بارکوں سے باہر نکل کر مجھے ہمراہ لیا اور ڈیوڑھی کی طرف چل دیئے پوری جیل نعروں سے گونج اٹھی میں ڈیوڑھی میں پہنچا تو وہاں بہت گہما گہمی تھی ساتھی آ جا رہے تھے۔

حضرت مولانا ضیاء القاسمی' خلیفہ عبدالقیوم اور مولانا محمد احمد لدھیانوی بھی پہنچ گئے۔ انتظامیہ سے رابطہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ ڈی سی صاحب بڑی تیزی سے فیصل آباد میں مجھ پر ڈالے گئے مقدمات کی روبکاریں منگوا رہے ہیں جب کافی دیر گزر گئی تو مولانا ضیاء القاسمی نے مجھے کہا آپ مجھے اجازت دیں میں جا کر اے سی صاحب کے پاس بیٹھتا ہوں تاکہ کام جلد از جلد نمٹ سکے چنانچہ قاسمی صاحب وہاں چلے گئے۔ اس اثناء میں چونکہ بات بہت پھیل گئی تھی تو لوگوں کا بہت بڑا ہجوم جیل کے دروازے پر پہنچ چکا تھا اس ہجوم کو دیکھ کر انتظامیہ گھبرا گئی مجھے افسران نے کہا جی دیکھیں آپ کے لوگ اتنی بڑی تعداد میں پہنچ گئے ہیں یہ ہمارے لئے بڑا مسئلہ بن گیا ہے میں نے کہا کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ آپ فوراً مجھے رہا کر دیں تاکہ مجمع اس سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔ یا مجھے کسی دوسرے راستے سے جھنگ پہنچا دیں آپ جس قدر تاخیر کریں گے ہجوم اسی قدر بڑھے گا۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا! جب ہجوم بہت ہی زیادہ ہو گیا تو حکومت کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ یہ تو بہت بڑا استقبال ہو گا اور بڑی شان و شوکت سے رہائی ہو گی جبکہ اس طرح نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا ایک ہی حل سمجھا.......... کہ میری رہائی ملتوی کر دی۔ مجھے اچانک قاسمی صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ حکومت لیت ولعل سے کام لے رہی ہے آپ ایسا کریں کہ واپس جیل میں چلے جائیں۔ اور استقبالیہ ہجوم

سے کہہ دیں کہ خاموشی کے ساتھ گھروں کو لوٹ جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ جملے کہہ دینا تو آسان ہیں لیکن میرے محسوسات اس وقت کیا تھے شائد میں بیان نہ کر سکوں جس قیدی کو رہائی کا مژدہ سنا کر جیل کے پھاٹک تک لایا جائے اور پھر اچانک رہائی روک لی جائے تو قیدی کے دل پر کیا بیت سکتی ہے۔ اس کا اندازہ شائد قارئین خود ہی کر سکیں گے۔ میں لوگوں سے مخاطب ہوا اور انہیں حالات سے آگاہ کرتے ہوئے صبر و تحمل کے ساتھ گھروں کو لوٹ جانے کی تلقین کی۔------

پھر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ چھم چھم برستی آنکھوں سے واپس جانے لگے۔

میں بھی واپس جیل کی طرف مڑا اور جیل کی انتظامیہ سے کہا کہ اب میں واپس جا کر اکیلا نہیں رہوں گا۔ جتنی دیر رہوں گا اپنے تنظیمی اسیروں کے ساتھ رہوں گا۔ میں جیل میں داخل ہوا تو میرے ساتھی مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے اور پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ میں نے کہا بس "نہاتی دھوتی رہ گئی" درحقیقت یہ ایک اعصابی جنگ تھی جو آخری لمحوں میں بھی لڑی جا رہی تھی میں نے یہی سوچا تھا کہ جہاں اتنا عرصہ پس دیوار زنداں ہنستے کھیلتے گزر گیا ہے۔ یہ ایک آدھ دن بھی گزار ہی لوں گا۔

رات کو تمام ساتھی عشاء تک میرے ساتھ رہے، گپ شپ ہوتی رہی عشاء کے بعد ہم بند ہوئے، آج عرصہ تقریباً چار سال کے بعد میں اکیلا نہیں تھا چار ساتھی اور بھی تھے۔ اس لحاظ سے یہ رات میرے لئے ایک خوبصورت رات تھی لطائف جھڑتے رہے اور پھلجھڑیاں چھوٹتی رہیں تقریباً بارہ بجے میں سو گیا۔

ابھی آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ شور کی آواز سنائی دی کوئی کہہ رہا تھا کہ دروازہ کھولیں دروازہ کھولیں میں نے آنکھیں کھولیں دروازے کی طرف دیکھا تو ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ مجسٹریٹ اور دیگر چند افسران کو سامنے کھڑے ہوئے پایا میرے دل میں فوراً چھپاکا سا

ہوا کہ رہائی آگئی میں نے ان سے پوچھا کہ رہائی آگئی؟ جواب ملا جی ہاں آپ ادھر تشریف لائیں اور انگوٹھا لگائیں۔ قیدی جب رہا ہوتا ہے تو اسے قانون کے مطابق مطابق رجسٹر پر انگوٹھا لگانا ہوتا ہے۔ میں نے کہا جی ادھر ہی انگوٹھا نہ لگا دوں؟ کہنے لگے ادھر ہی لگا دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھے کاغذ دیا تو حیرت سے میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ رہائی کے کاغذات نہ تھے بلکہ دس عدد وکالت نامے تھے۔ میں نے کہا آپ یہ کیا مذاق کر رہے ہیں؟ کہنے لگے ہم وکالت ناموں پر دستخط اس لئے کروا رہے ہیں کہ ابھی ہم وکیل کریں گے۔ اور وہ وکیل جا کر آپ کی ضمانت کروائیں گے۔ تب رہائی ہوگی میں نے حیران ہو کر مجسٹریٹ سے کہا کہ آپ کے یہاں آنے کا مقصد تو میں سمجھ گیا ہوں آپ اس لئے آئے ہیں کہ میرے احساسات معلوم کر سکیں۔ آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ میں آپ کو یا حکومت کو گالیاں دوں گا لڑوں گا۔ جھگڑوں گا کوئی ایسی بات کروں گا جس کو بہانہ بنا کر حکومت کہے گی کہ ابھی رکھو اسے اندر! حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے رہائی میں دیر سویر ہو جائے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لائیں میں انگوٹھے لگا دیتا ہوں آپ حکومت کو بتائیں کہ جب ضمانت ہوگی میں اس وقت تک بیٹھا ہوا ہوں۔ بہتر تھا کہ آپ کسی اور بہانے آتے۔ مثلاً" جناب آپ کی ضمانتیں ہو رہی ہیں ہمیں مچلکے چاہئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

مجسٹریٹ میری یہ بات سن کر خفت سے ہنسنے لگا اور بولا جناب آپ ہر بات بہت جلد پہچان جاتے ہیں۔ بہرحال وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مجھے رہا کر دیں گے۔ مگر جمعہ سے قبل نہیں۔ کیونکہ حکومت یہ رسک نہیں لینا چاہتی کہ اتنا بڑا اجتماع ہو میں یہ سوچتا ہوا نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ اور رات بیت گئی۔

☆

اگلے دن جمعہ تھا ابھی سوا بارہ ہی بجے تھے کہ جیل سپرنٹنڈنٹ اسسٹنٹ اور دیگر افسران ایک بار پھر آن وارد ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ چلیں جی رہائی آ گئی ہے۔ میں نے کہا اب میں ایسے نہیں جاؤں گا۔ پہلے مجھ سے بات پکی کرو۔ اس لئے کہ رات جب میں واپس پلٹا تھا تو میں نے سب ساتھیوں سے کہہ دیا تھا۔ دیکھو میں واپس آ گیا ہوں اگر میں یہاں جیل میں رہا تو آپ کو میرے کپڑے اور کتابیں واپس کرنی ہوں گی۔ جناب سپرنٹنڈنٹ صاحب آپ مجھے لینے آئے ہیں تو پکی بات کریں۔ کہنے لگے جی اب پکی بات ہے اب آپ کی رہائی ہے ہمیں آرڈر ملا ہے کہ بارہ بج کر چالیس منٹ تک آپ کو ہر حالت میں جیل سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ میں ایک مرتبہ پھر ڈیوڑھی پہنچا جہاں مولانا ضیاء القاسمی صاحب کا انتظار ہو رہا تھا تھوڑی دیر بعد وہ بھی پہنچ گئے تمام مقدمات کی ضمانتوں کی روبکاریں بھی پہنچ گئیں تھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب حکومت نیک نیتی سے کام کرنا چاہے تو تمام مقدمات کی فوری ضمانتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ مچلکے بھی ہو جاتے ہیں۔ روبکاریں بھی پہنچ جاتی ہیں۔ کوئی قانونی پیچیدگی اور عدالتی رکاوٹ نہیں ہوتی حالانکہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اور دنیا کا کوئی بھی قانون اجازت نہیں دیتا ہر قانون یہی کہتا ہے کہ ہر شخص کو آزادی حاصل ہے جب کوئی قوانین کی خلاف ورزی کرے تب اسے گرفتار کیا جا سکتا ہے۔ حکمرانوں پر تنقید کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور کسی حکمران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ محض تنقید سے برافروختہ ہو کر کسی کو گرفتار کرے۔ لیکن ہمارے ہاں الٹی گنگا بہتی ہے۔ جو حکمرانوں کا ساتھی ہو وہ جتنی کرپشن کرے لوٹ مار کرے، قتل و غارت کرے، لاقانونیت کا راستہ اختیار کرے کوئی اسے پوچھنے والا نہیں ہے۔ اور جو حکمرانوں کا

مخالف ہے اور اس کا کوئی جرم نہیں تو اس کا یہی جرم ہے کہ اس کا کوئی جرم نہیں۔ اگر کوئی سچ بولتا ہے تو اس کا بھی یہی جرم ہے کہ وہ سچ بولتا ہے جھوٹ کیوں نہیں بولتا؟ میں اپنی سوچوں میں گم تھا کہ تمام کاروائی مکمل ہو گئی جیل کے سارے عملے نے مجھے الوداع کہا اور میں مولانا ضیاء القاسمی کی معیت میں جیل کے پھاٹک سے باہر نکلا آزاد ہوا کے جھونکے نے میرا استقبال کیا آزادی کی خوشی کی ایک لہر وجود میں سرایت کر گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ قفس کی زنجیریں ایک چھناکے سے ٹوٹ گئی ہیں' میری نگاہیں بے اختیار جیل کے پھاٹک کی طرف اٹھ گئیں یہ بڑا لمبا چوڑا عظیم الجثہ آہنی پھاٹک تھا جس نے کچھ عرصہ قبل میرا استقبال کیا تھا اور آج یہ مجھے الوداع کہہ رہا تھا جیل کی دیواریں اس کی ہم نوا تھیں۔ میں نے گزشتہ ساڑھے چار سال میں بہاولپور' ملتان'کوٹ لکھپت' لاہور' چوہنگ سینٹر' ٹارچر سیل' اڈیالہ' اٹک اور فیصل آباد کی سینٹرل اور ڈسٹرکٹ جیلوں میں وقت گزارا۔ اس دوران بعض اوقات کافی خوفناک حالات سے بھی سامنا رہا' لیکن یہ سب کچھ ایک عظیم مشن اور نظریئے کیلئے برداشت کیا آج مجھے رہائی کی نعمت نصیب ہو رہی ہے تو میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے آئندہ کے لئے عزم رکھتا ہوں کہ اگر مجھے میرے مشن اور نظریئے کیلئے بار بار ان جیلوں میں آنا پڑا تو فخر کے ساتھ آؤں گا۔ کوئی دوست کوئی دشمن یا حکومت کا کوئی بھی کل پرزہ انشاء اللہ کبھی بھی میرے وجود میں لرزش نہیں پائے گا۔ جیلوں کی آہنی سلاخیں بیڑیاں اور ہتھکڑیاں تو خیر ہمارا زیور ٹھہریں! اگر مشن نے بڑی سے بڑی قربانی مانگی تو بھی انشاء اللہ حوصلے اور استقامت کے ساتھ پیش کروں گا۔



آج مجھے اگرچہ حکومت نے ہجوم کے خطرے کے پیش نظر اچانک ہی رہا

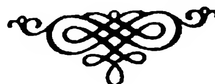
کر دیا تھا لیکن سینکڑوں کارکنوں کا ہجوم جیل کے دروازے پر پہنچ چکا تھا جنہوں نے بھر پور طریقے سے استقبال کیا سپاہ صحابہ کے مرکزی صدر شیخ حاکم علی قائم مقام نائب سر پرست خلیفہ عبدالقیوم' جنرل سیکرٹری ڈاکٹر خادم حسین ڈھلوں صوبہ پنجاب کے صدر مولانا محمد احمد لدھیانوی اور فیصل آباد کے راہنماؤں مولانا مجیب الرحمان لدھیانوی علامہ طاہر الحسن اور دیگر احباب کی معیت میں مولانا ضیاء القاسمی کے مکان پر پہنچے اپنی رہائی کے سلسلہ میں مولانا کی پیرانہ سالی میں انتھک کوششوں پر ان کا شکریہ ادا کیا کھانا کھایا اور نماز ادا کرنے کے بعد جھنگ روانہ ہوئے۔ اس وقت بارہ گاڑیاں ہمارے ساتھ تھیں۔ فیصل آباد بائی پاس سے جھنگ کے راستے میں کھیتوں اور کھلیانوں کی پر بہار رونقیں اور ہر طرف سبزے کی بچھی ہوئی چادر پر تاحد نظر پھیلی ہوئی وسیع وعریض کائنات بہت ہی بھلی لگ رہی تھی۔ اور پھر ان مناظر کو مقید کرنے کے لئے نہ کوئی کورٹ موقع نہ کوئی خار دار تاروں میں الجھی ہوئی دیوار نہ ہی کالے لوہے کی مضبوط چادر سے ڈھکا ہوا کالا کلوٹا بھوت نما گیٹ' .... یہاں ان ظلم کی نشانیوں میں سے کوئی چیز بھی نہیں تھی...... کھیتوں سے اٹھنے والی سوندھی سوندھی سی خوشبو کو دل و دماغ میں بساتا ہوا علامہ طاہر الحسن کی تیز رفتار گاڑی کے ذریعے ۳ بجے جھنگ کی حدود میں داخل ہوا تھانہ موچیوالہ کے قریب اہل جھنگ کا تاحد نظر پھیلا ہوا جلوس میرے استقبال کے لئے بڑھ رہا تھا بلا مبالغہ سینکڑوں بسوں' ٹرکوں' ٹرالیوں' ویگنوں' کاروں' اور جیپوں کے علاوہ بے شمار موٹر سائیکل سواروں اور ہزاروں پیدل دوڑنے والوں کا ایک بے کراں نعرہ زن ہجوم میرے لئے دیدہ ودل فرش راہ کئے ہوئے تھا فلک شگاف نعروں سے فضا گونج رہی تھی جھنگ میں میری سیاسی زندگی کا یہ سب سے بڑا اور عظیم الشان جلوس تھا۔ جس کے جلو میں چند کلو میٹر کا فاصلہ ۴ گھنٹوں میں طے کر کے جھنگ شہر میں داخل ہوا تو اہل شہر نے دکانوں اور مکانوں سے باہر نکل کر فقید

المثال استقبال کیا اور پھولوں کی بارش برسائی شدید گرمی اور حبس کی وجہ سے متعدد نوجوان بے ہوش ہو گئے بالاخر نماز مغرب سے کچھ دیر قبل تقریبا" سات بجے جامع مسجد حق نواز شہید کے سامنے جا کر جلوس اختتام پزیر ہوا جہاں نماز مغرب کے بعد میرے خطاب کا اعلان کیا گیا۔



یہاں سے میری چار سال سے زائد عرصہ پر محیط شب دیجور کی طرح خوفناک قید و بند کا سفر ختم اور آزاد فضاؤں میں اپنے شہید قائدین و رفقاء کے مقدس مشن کی تکمیل کا سفر شروع ہوا' میرا اپنے رب کے حضور یہ عہد و پیمان ہے کہ میں اپنی رگ حیات میں خون کے آخری قطرے تک یہ سفر جاری رکھوں گا۔ یا تو مجھے میری منزل مل جائے گی یا پھر متاع دل و جان کو اپنے آقا و مولا ﷺ کے اصحاب مقدس کی عظمت و تقدیس اور ان کے نافذ کردہ نظام حیات کے نفاذ کی کوششوں پہ نچھاور کر دوں گا کہ........ یہی میرا مقصد حیات ہے........ اور بس!

(وباللہ التوفیق وھو المستعان)



رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡہِ

پھر وہی قیدِ قفس



شہیدِ ملتِ اسلامیہ

علامہ ضیاء الرحمن فاروقی

ناشر: اشاعت المعارف

ریلوے روڈ فیصل آباد فون 041-640024